بار دوم ۱۰۰۰ کاپیاں ۲۰۰۴ء قیمت مکمل سیٹ ۴ جلد:- 450/-

شبیہ میر ببر علی انیسؔ اعلی اللہ مقامہ

maablib.org

سوانح عمری میر انیسؔ

میر انیس

میر ببر علی انیس ۱۲۱۶ھ یا ۱۲۱۷ھ میں بمقام فیض آباد محلہ گلاب باڑی میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد رہتے تھے۔ اپنے والد کے ساتھ سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی۔ لکھنؤ میں اُس وقت آئے جب اُن کے بڑے صاحبزادے میر نفیس پیدا ہو چکے تھے چھوٹے بھائی اُنس ہمراہ تھے۔ ابتدا میں فیض آباد کے تعلقات بالکل منقطع نہیں ہوئے اس وجہ سے کہ باپ اور بھائی وہیں رہتے تھے مگر جب بعد کو پورا خاندان لکھنؤ چلا آیا تو یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب سے اور صدر المفتی میر عباس صاحب سے پڑھی تھی۔ ورزش کے بہت شائق تھے اور فنون لطیفہ گری میر کاظم علی اور اُن کے بیٹے میر امیر علی سے حاصل کیے جو اس فن میں اس زمانہ کے اُستاد مانے جاتے تھے۔ فن شہسواری سے بھی واقف تھے۔ فن سپہ گری کی معلومات جنگ کے مناظر وغیرہ دکھلانے میں بہت کار آمد ثابت ہوئے حُسن تناسب کے ایسے عاشق تھے کہ خواہ وہ انسان میں ہو یا کسی دوسری شے میں اس کی دل سے قدر کرتے تھے۔ اُن کو اپنی عزت خاندانی پر بڑا فخر تھا اور خودداری اور عزت خاندانی کا ہمیشہ خیال رہتا تھا وضعداری بھی بہت بڑے تھے ملنے جلنے میں رکھ رکھاؤ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک وقت معینہ پر لوگوں سے ملاقات کرتے تھے کوئی شخص حتیٰ کہ ان کے گھر والے بھی بغیر اطلاع اُن کے پاس نہیں آ سکتے تھے اُمرا سے بہت کھنچکر ملتے تھے یہانتک کہ بادشاہ وقت کے یہاں بھی اُس وقت تک نہیں گئے جبتک کہ ایک معتمد شاہی اُن کو لینے نہ آیا۔ وہ اپنی عزت خاندانی اور عزت پیشہ کو سب باتوں پر مقدم سمجھتے تھے۔ آئین وضعداری کے بہت سختی سے پابند تھے جسکو انھوں نے اپنے اور اپنے احباب اور ملنے والوں کے واسطے مقرر کر لیا تھا۔ وضع اور لباس بھی خاص تھا جسکو اُنھوں نے عمر بھر نباہا لوگ جس طرح ان کے کلام کی عزت کرتے تھے اسی طرح اُن کی پابندی وضع کے بھی قدردان اور مداح تھے۔ کبھی کسی کی تعریف میں یا روپیہ کے لالچ میں ایک حرف زبان سے نہیں کہا البتہ امرائے لکھنؤ جو ہدایا و تحائف مداح آلِ رسول سمجھ کر پیش کرتے تھے اس کو قبول بھی کر لیتے تھے۔

میر انیس لکھنؤ سے تا انتزاع سلطنت کبھی باہر نہیں نکلے جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اس کلام کو اسی شہر کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں اور کوئی اسکی قدر کیا کرے گا اور ہماری زبان کا لطف کیا اُٹھائے گا لیکن تباہی لکھنؤ کے بعد پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں اور پھر ۱۸۶۰ء میں نواب قاسم علی خاں کی طلب اور اصرار سے پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے اور واپسی میں بنارس میں بھی ایک مرتبہ ٹھہرے تھے اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں مولوی سید شریف حسین خاں کی تحریک اور نواب تہور جنگ بہادر کے سخت

اصرار سے دکن حیدرآباد گئے اور رستے ہوئے الٰہ آباد میں قیام کیا۔ اور ان سب مقامات پر اپنے معرکۃ الآرا مرثیوں سے لوگوں کو مستفیض اور داخل حسنات کیا۔ جس مجلس میں پڑھتے لوگ اس کثرت سے جمع ہوجاتے تھے کہ باوجود سخت انتظام اور پہروں کے بھی چپہ بھر زمین سننے والوں سے خالی نہیں ہوتی تھی جب دوسرے شہروں کا یہ حال تھا۔ تو پھر خاص لکھنؤ کا کیا پوچھنا ہے جو قدر دانی اور کمال کا سرچشمہ تھا۔ میر صاحب کا انتقال بعارضۂ بخار ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ اور اپنے باغ ہی میں دفن ہوئے۔

میر انیس بحیثیت شاعر

میر صاحب خلقی شاعر تھے اور شاعری ورثہ میں پائی تھی۔ کوئی خاندان اتنا زبردست سلسلہ مشہور اور قابل شعرا کا نہیں پیش کر سکتا۔ لہٰذا جو فخر میر صاحب کو اپنے خاندان پر تھا وہ بجا تھا۔ میر صاحب نے بچپن ہی میں جبکہ فیض آباد میں قیام تھا شعر کہنا شروع کر دیا تھا پہلے حزیں تخلص کرتے تھے۔ جب لکھنؤ آئے تو ان کے والد ان کو ناسخ کے پاس لے گئے ناسخ نے کہا کہ تخلص بدل دو چنانچہ ایسا ہی کیا انیس تخلص اختیار کیا۔ انیس نے کم سنی سے مرثیہ کہنا شروع کر دیا تھا اور تھوڑے ہی دنوں کی مشق میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے چنانچہ انکی شہرت ان کے والد کے زمانہ میں ہو چکی تھی جب خلیق اور ضمیر میدان مرثیہ گوئی سے ہٹ گئے تو دبیر و انیس کا زمانہ آیا جنھوں نے اس فن کو معراج کمال تک پہونچا دیا۔

تصنیفات

میر صاحب نے ہزارہا مرثیے، سلام، قطعات، رباعیاں لکھی ہیں افسوس ہے کہ ان کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا مگر جس قدر چھپ چکا ہے پانچ جلدوں میں ہے۔ مابقی ان کے اعزا کے پاس محفوظ ہے مشہور ہے کہ انھوں نے ڈھائی لاکھ شعر کہے تھے نیز کچھ غزلیں بھی تھیں۔ جس طرح ان کا کلام لاجواب ہے اسی طرح ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی لاجواب تھا ان کی آواز، قد و قامت، صورت، غرض ہر شے اس کام کے لیے موزوں واقع ہوئی تھی پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بڑا آئینہ سامنے رکھ کر تنہائی میں پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ میر انیس کا کلام ہموار ہے اور دوسرے شاعروں کی طرح رطب و یابس کا مجموعہ نہیں ہے۔ ادب اردو میں میر انیس ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں بحیثیت شاعر کے ان کی جگہ صف اولین میں ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کو زبان اردو کے تمام شعرا سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں اور انکو ہندوستان کا شیکسپیر اور خدائے سخن اور نظم اردو کا ہومر اور ورجل اور بالمیک خیال کرتے ہیں۔

انیس کی خدمت زبان کے ساتھ

انیس نے زبان اردو کی بڑی خدمت کی اسکو خوب صاف کیا اور مانجا اور ان کا کلام اپنی فصاحت اور تازگی کے لیے مشہور عالم ہے۔ وہ صحت محاورہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور اسی پر ان کو بڑا فخر و ناز تھا۔ لغات کی معلومات ان کی بہت وسیع تھی۔ اور الفاظ کی سجاوٹ میں ان کو کمال حاصل تھا بہت سے نئے نئے محاورے انکی وجہ سے داخل زبان ہوئے اور قدیم محاورات کا صحیح استعمال بھی انھوں نے بتایا۔ ابتدائی کلام میں کچھ قدیم محاورات پائے

جاتے ہیں مگر جوں جوں مشق بڑھتی گئی اور تجربہ وسیع ہوتا گیا اُسی قدر کلام صاف ہوتا گیا میر صاحب کی زبان دلّی اور لکھنؤ دونوں جگہ مستند مانی جاتی ہے اُن کا خاندان صحت محاورہ کا محافظ سمجھا جاتا ہے میر حسن اور میر خلیق کے تعلقات بہو بیگم صاحبہ کے خاندان کے ساتھ مسلّم تھے مشہور ہے کہ فیض آباد میں ان کے یہاں ایک باقاعدہ دفتر تھا جس میں ایسے محاورے اور مثلیں جو بہو بیگم صاحبہ کے گھر میں بولی جاتی تھیں باقاعدہ درج ہوتی رہتی تھیں اس دفتر کے افسر اعلیٰ میر حسن اور میر خلیق تھے ظاہر ہے کہ زبان کی صحت و صفائی کے واسطے ان سے زیادہ کون مستند ہو سکتا تھا۔ اُردو باوجود اصناف نظم کی تنوع اور کثرت کے رزمیہ نظم سے ابتک تہیدست تھی اُس میں ہومر کی الیاڈ۔ ورجل کی اینیاڈ۔ ویاس کی مہابھارت۔ والمیک کی رامائن۔ یا فردوسی کے شاہنامہ کی طرح کی کوئی تصنیف موجود نہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ زبان اُردو ایک نوخیز چیز ہے اور اس قسم کی تصانیف رزمیہ کے لیے ایک مدت مدید کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ کمی کسی طرح پوری ہو سکتی تھی تو وہ انیس کے مشہور مراثی سے ہوئی۔ ان کے مرثیوں کی تمہیدیں اور مناظر جنگ وغیرہ ایسی اُستادی اور کمال سے لکھے گئے ہیں کہ نظامی کے سکندرنامہ اور فردوسی کے شاہنامہ کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسیطرح مناظر قدرت اور جذبات انسانی جس زور کے ساتھ اُنھوں نے دکھائے ہیں اُس کا بھی جواب زبان اردو میں کہیں نہیں ملتا۔

مرقع نگاری

انیس کو مناظر قدرت کی ہوبہو تصویر کھینچنے میں کمال حاصل تھا اس قسم کے بیانات مرثیہ سے غیر متعلق نہیں ہوتے بلکہ اصل مضمون کے تحت میں ہوتے ہیں مگر پھر بھی بالذات ایک مکمل چیز ہیں جو مرثیے سے بے تکلف علیحدہ کیے جا سکتے ہیں۔ پورا مرثیہ ایک ایسا مرقع معلوم ہوتا ہے جس میں صدہا خوبصورت خوبصورت مکمل تصویریں چسپاں ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں مگر پھر بھی مجموعی حیثیت سے اُسی کل کے تحت میں سب آتی ہیں۔ مثلاً صبح کا سماں طلوع آفتاب۔ نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے شام کا سہانا وقت، چاندنی کا لطف یا تاریکی کا بھیانک منظر باغ میں پھولوں کا کھلنا اور مہکنا سبزہ کی بہار وغیرہ وغیرہ الگ الگ چیزیں ہیں مگر سب مرثیہ کے جزو ضروری ہیں۔

اظہار جذبات

مثل عالم ظاہر کے عالم باطن یعنی جذبات کے اظہار پر بھی میر صاحب کو بہت بڑی قدرت حاصل ہے۔ جذبات خوشی و غم غصہ۔ محبت رشک حسد بیم و رجا وغیرہ ایسی اُستادی سے بیان کرتے ہیں کہ دل وجد کرتا ہے ایک اور کمال یہ ہے کہ کہنے والے کی عمر جنس۔ حالت وغیرہ کا پوری طرح خیال رکھا جاتا ہے مثلاً اگر کسی بچہ کی زبان سے کچھ الفاظ کہے گئے ہیں تو خیالات اور زبان دونوں بچپن ہی کے ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ کبھی اس نازک فرق کو نظر انداز نہیں کرتے جس سے اُنکی اُصول ڈراما نویسی کی کما حقہ واقفیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے اسیطرح عورتوں کے مختلف رشتوں کے نازک فرق کو بھی بوجہ اتم ملحوظ رکھتے ہیں معرکۂ جنگ میں بہادروں کی رجز خوانی حریف کا جواب حملہ آوروں کے حملے۔ پہلوانوں کی لڑائیاں سامان حرب و ضرب علیٰ قدر مراتب اس خوبی سے دکھاتے ہیں کہ میدان کارزار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ تلوار اور گھوڑے کی تعریف صدہا بلکہ ہزارہا جگہ کی گئی ہے مگر ہر دفعہ تشبیہ اور تخیل نئی ہوتی ہے اور نیا لطف دیتی ہے۔

مرثیوں میں تسلسل بیان ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ میر انیس ایک مستند مورخ کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ جن واقعات کو اُنھوں نے نظم میں باندھا ہے وہ من و عن ہرگز وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ ان کا وجود اگر ہے تو شاعر کے تخیل میں ہے مگر یہی تخیلی وجود ما بعد کے شعرا اپنے ماقبل کے شعرا کے کلام سے اخذ کرتے چلے آتے ہیں۔ میر انیس کا کلام اغلاط سے بھی بالکل پاک نہیں۔ مولوی

عبد الغفور صاحب نساخ نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انھوں نے انیس اور دبیر کی عروضی اور دوسری قسم کی غلطیاں دکھائی ہیں ان دونوں بزرگوں کے طرفداروں نے بھی اس کے جواب میں رسالے لکھے اور اپنے اپنے استادوں کی جانبداری کا حق ادا کیا۔ مگر سچ پوچھیے تو واقعیت میں یہ کہا جاتا ہے کہ میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیے اصلی حالت میں اور صحیح طور پر نہیں چھپے۔ اُن میں کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں اور کچھ ان لوگوں کی حسب موقع تحریفیں ہیں جنھوں نے مرثیے پڑھے۔ کہیں کہیں پرانے محاورات بھی ہیں جو اب متروک ہو گئے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام مرثیوں میں ہمواری نہیں ہے اور بعض اشعار تو انیس اور دبیر ایسے پختہ کار شاعروں کے درجے سے گرے ہوئے ضرور ہیں۔ مگر تعجب کی کیا بات ہے کہ انھوں نے لاکھوں شعر کہے اگر کہیں کہیں غلطیاں بھی ہو گئیں تو اس سے اُن کی اُستادی پر کیا حرف آتا ہے

میر انیس کا طرز

میر انیس تمثیلوں۔ استعاروں اور صنائع بدائع میں کمال رکھتے ہیں وہ فضول مبالغے اور بیجا اغراق کو ہرگز پسند نہیں کرتے جنکی ان کے یہاں کثرت تھی صنائع بدائع کا استعمال اس خوبی سے کرتے ہیں کہ جس سے شعر پر کوئی بار نہیں پڑتا اور حسن بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح انکی تمثیلیں بھی نہایت حسین اور بہت ارفع اور نہایت آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہیں وہ اُن سے ایک عجیب دلکش اثر پیدا کرتے ہیں۔ بڑی چیز کی مثال ہمیشہ بڑی چیز سے دیتے ہیں اُنکی تشبیہات کبھی معمولی اور ادنیٰ قسم کی نہیں ہوتیں۔ کلام حسب موقع کہیں صاف و سلیس اور کہیں رنگین ہوتا ہے مگر فصاحت اور زور کہیں ہاتھ سے نہیں جاتا بیان میں روانی غضب کی ہوتی ہے فصاحت نشست الفاظ۔ اور یہ سب اُن کے کلام میں ملے ہوئے ہیں اشعار بہت صاف اور سلیس اور جلد سمجھ میں آنے والے ہیں اور یہ آخری صفت بعض وقت دھوکا دیتی ہے اور عمق معنی کو اُس گہرے غار کے پانی کی طرح پوشیدہ کر دیتی ہے جسکو صفائی اور موجوں کی روانی نے چھپا دیا ہو۔ ان کے قادر الکلام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایک ہی بات اور ایک ہی مضمون کو اُسی سادگی اور دل آویزی کے ساتھ صدہا بار کہتے ہیں اور پھر ہر مرتبہ وہ نئی معلوم ہوتی ہے۔

انیس کا مرتبہ اُردو شعرا کی صف اولین میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اُنکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس زمانے میں جب تصنع اور تکلف اور مبالغے اور اغراق کا بازار گرم تھا اُن کی شاعری جذبات حقیقی کا آئینہ تھی اور جب نیچرل شاعری کا آغاز حالی اور آزاد کے زمانے سے ہوا اس کی داغ بیل انیس نے ڈالی تھی انیس نے مرثیہ کو ایک مسدس کی صورت میں چھوڑا جس کا استعمال حالی نے نہایت کامیابی سے کیا۔ اُن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انگریزی داں طبقہ میں بہت مقبول ہیں جس کا دماغ معمولی شعر و شاعری کی عطر بیزی سے بعض وقت پریشان ہو کر حقیقی شاعری کی نکہت کے لیے بیتاب ہوتا ہے۔ اُنکی شہرت برابر ترقی کر رہی ہے اور ہماری رائے میں اُس وقت تک ترقی کرتی جائے گی جب تک زبان اردو ترقی کرے گی بلکہ اُسی وقت انیس کی واقعی قدر کیجائیگی جو جلد مرثیہ کی آپ کے پیش نظر ہے اس کو نہایت معتبر نسخوں سے نظر ثانی اور تصحیح کے بعد پیش کیا گیا ہے۔ اور چھپائی وغیرہ میں بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ جو یقینی اس کی کو پورا کر دے گی جو اب تک اس با کمال شاعر کے

مَنْ بَکٰی اَوْ اَبْکٰی اَوْ تَبَاکٰی فَلَهُ الْجَنَّة

ذریعۂ گریۂ شائقین مجلسِ حسینی، وسیلۂ حصولِ حسنات بعزاداران ائمۂ طاہرین، مجموعۂ نفیس

یعنے

مراثی میر انیس مرحوم

جلد اوّل

از کلام بلاغت انضمام سرآمد مرثیہ گویان نامی فصیحان گرامی
میر ببر علی صاحب انیس اعلی اللہ مقامہ لکھنوی

[illegible] لکھنؤ نے اودھ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

۱

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
توفیق کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

۲

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

۳

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں کے جنھیں رشتہ ہے نبی سے

۴

بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
آگاہ کر آغازِ تکلم سے زباں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن بیاں کو
تحسین کا عنوان سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

۵

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

۶

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

۷

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور اور چلیں جام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہونٹوں کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے

۸

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
دکھلائے نہیں سب کو زبان معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

۹

مصرع ہوں صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خونخوار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

۱۰

ہو ایک زباں ماہ سے تا سکنِ ماہی
جرأت کا دھنی تو ہے یہ چلّائیں سپاہی
عالم کو دکھا دے برّشِ سیفِ الٰہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہے دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار رہے اس طبل و علم کا

۱۱

تائید کا ہنگام ہے یا حیدرِ صفدر
تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِ صفدر
امداد ترا کام ہے یا حیدرِ صفدر
تیرا بھی کرم عام ہے یا حیدرِ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

۱۲

ناقدریٔ عالم کی شکایت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
یکے دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدّر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

۱۳

نیک و بد عالم کا تامّل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرفِ گل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانیٔ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں

۱۴

الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خزف کو
اندھیر ہے چاند بتاتے ہیں کلف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے دُرِّ نجف کو
ضائع ہیں دُر و لعلِ بدخشان و عدن کے
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

۱۵

ہے لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہر بند مرصّع تو ورق خوانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دوکانِ جواہر
دیکھے اسے ہاں ہے کوئی خواہانِ جواہر
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا نظر چاہیے اس کو

۱۶

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
اب ہے کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار
ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
اس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

۱۷

خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
اے باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سرتاج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امید اسی گھر کی وسیلہ اسی گھر کا
دولت یہی میری یہی توشہ ہے سفر کا

۱۸

میں کیا ہوں مری طبع ہے کیا اے شہِ شاہاں
شرمندہ زمانے سے گئے وائلِ سحباں
حسان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخنداں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

۱۹

لا یَعلَمُ و لا عِلمَ کی کیا سحر بیانی
نے ذہن میں ہے جودت نہ طبیعت میں روانی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
گویا ہوں فقط ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاقت ہو تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداحِ خدا ہے

۲۰

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
تقصیر بحل کیجئے بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

۲۱

مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جُہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت سے علی کی

۲۲

ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
منظور ہے اک بات میں دو فصل کی تحریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیِ شبیر
مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دلگیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

۲۳

شعبان کی تاریخ سوم روزِ ولادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیل سعادت
اور ہے دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
وہ بھی عمل خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے

۲۴

مقبول ہوئی عرض گنہ عفو ہوئے سب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ کرمِ رب
امید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
لیتی یہ ہیں سب رکنِ رکیں دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

۲۵

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
چہرے کی سجائی سے قبا چُست ہے تن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے

بخشش ہے رضا جائزۂ فوج سخن کی
ہر طرف پڑ گئی مضمونِ کہن کی
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

۲۶

ہاں اے فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو
اے ظلمتِ غمزدیدۂ عالم سے نہاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں

اے ماہِ شبِ چاردہم نور فشاں ہو
اے روشنیٔ صبح، شبِ عید عیاں ہو
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

۲۷

اے شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے

نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
جو ہر شمس کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

۲۸

اے کعبۂ ایماں تری راحت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے
اے سنگِ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں

اے رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ میں

۲۹

اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کے مباہات کے دن ہیں

اے رتبۂ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد
کھلتے ہیں چمن ماہ جلالی کی ہے آمد
یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

۳۰

اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر
خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے

رونق جو سما پر ہے وہ اب ہو گی سمک پر
صدقے گلِ تر ہے ترے پھولوں کی مہک پر
جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے

۳۱

یا ختمِ رسل آگو ہرِ مقصود مبارک
یا شاہِ نجف شادیٔ مولود مبارک
رونق ہو سدا نورِ دوبالا رہے گھر میں

یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا خیرِ النسا اختر مسعود مبارک
اس ماہِ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

۳۲

اے آمنو ہے یہ دمِ شکر گزاری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے

ہر بار کرو سجدۂ شکرِ یہ باری
فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
ناجی ہوئے صدقے میں حسین ابنِ علی کے

۳۳

اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے
اتری برکت فاطمہؑ کے لال کے صدقے
قربان سحر عید اگر ہو تو بجا ہے

شوکت کے خدا عظمت و اجلال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

۳۴

قربان شب جمعۂ شعبان خوش انجام
قائم ہوا دین اور بڑھی رونق اسلام
پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
ہم پلۂ صبح شب معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شب قدر سے پوچھو

۳۵

وہ نور قمر اور دُرافشانیٔ انجم
وہ چہچے رضواں کے وہ حوروں کا تبسم
تھے جس کے سبب روشنیٔ دیدۂ مردم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولے نہ سماتے تھے خوشی سے

۳۶

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
جو راہ تھی خوشبو جو محلہ تھا وہ گلزار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی

۳۷

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
رُخ رحمت معبود کا تھا جانب عالم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے ہر دم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

۳۸

تھیں فاطمہؑ بے چین اُدھر درد شکم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
مضطر تھے علیؑ بنت پیمبرؐ کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شۂ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسنؑ کو

۳۹

کرتے تھے دُعا بادشہ یثرب و بطحا
زہرا ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندا
راحم ہے تری ذات مقدس مرے مولا
آسان کر اے بار خدا مشکل زہراؑ
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لئے پاس نہیں ہے

۴۰

ناگاہ در حجرہ ہوا مطلع انوار
اسمائے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اک بار
دکھلانے لگے نور تجلی در و دیوار
فرزند مبارک تمہیں یا حیدر کرار
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

۴۱

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
تصویر رسول عربیؐ دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

۴۲

مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم
آئے طرف خانۂ زہراؑ خوش و خرم
بس شکر کے سجدے کو جھکے قبلۂ عالم
فرمایا مبارک پسر اے ثانیٔ مریم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نور نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

۴۳

کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور
ارشاد کیا احمدؐ مختار نے ہنس کر
نہلا لوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

۴۴

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو نہیں باہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوویں گے ظاہر
یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیّب و طاہر
یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجت باہر
بڑھ کر مردِ رشید تو لاک کرے گا
کفار کے قصے کو یہی پاک کرے گا

۴۵

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سُنائی
تو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
اسما اُسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
ہنسنے لگے سُرخی رُخِ پُر نور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربی نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

۴۶

جاں آگئی یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا
قرآں کی طرح رحل دو زانو پہ بٹھایا
بوسے لئے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

۴۷

جوشش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقّت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
بخدا نور ہے گھر، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

۴۸

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہؑ سی ماں
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے قبلۂ ایماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیّرِ تاباں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

۴۹

عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے
سرسبزیٔ دنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
کچھ اس میں نہ زہراؑ کا ہے باعث نہ علیؑ کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبیؐ کا

۵۰

فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا
کی عرض یہ حیدرؑ نے کہ اے سیدِ والا
بھائی کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِ علا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

۵۱

بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہراؑ کا گل اندام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علّام
یا ختمِ رسلؐ ہم نے "حسینؑ" اس کا رکھا نام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو یہ احسان سے تصغیرِ حسن ہے

۵۲
ح سے یہ اشارہ کہ یہ ہے حامیٔ اُمّت
ی اس کی بزرگی میں ہے یٰسین کی آیت
سمجھیں گے اسی سین کو سب سین سعادت
نے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حسن میں دس حصّے زیادہ ہے حسنؑ سے

۵۳
دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
تو تیر میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حُسن کا ترکا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر

۵۴
فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا عزت اسے دی ہے
دی ہے جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے معظم ہے مکرم ہے ولی ہے
ہادی ہے وفادار ہے زاہد ہے تقی ہے

۵۵
جب کر چکے ذکرِ کرم مالکِ تقدیر
کی صلِّ علیٰ کہہ کے محمدؐ سے یہ تقریر
جبریل نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبیرؑ
یا شاہ یہ بہر تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

۵۶
ہے اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
یہ بیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

۵۷
ہے یہ سببِ تہنیت و تعزیت اس دم
لٹ جائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے اظلم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

۵۸
ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ
تاریخِ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند سا یہ ماہ
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
کٹ جائے گا سر جب تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

۵۹
چلائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی
دل ہل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی
اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
یہ واقعہ سن کر نہ جئے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیوں کر کہوں زہراؑ سے خبر مرگِ پسر کی

۶۰
جس وقت سنی فاطمہؑ نے یہ خبرِ غم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیٔ مریم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہائے مرے شبیرؑ کی گردن

۶۱

ہے ہے کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمن جانی
ہے ہے یہ سہے گا تعب تشنہ دہانی
ہے ہے مرا محبوب مرا یوسف ثانی
پیراہن صدچاک کفن ہووے گا اس کا
سر نیزہ پہ اور خاک پہ تن ہووے گا اس کا

۶۲

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کے رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

۶۳

دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
شعلوں کی طرح آگ نکلتی ہے جگر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
مظلوم حسینؑ آج سے اس کو میں کہوں گی

۶۴

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہ عالم
اب دن ہے چھٹی کا مجھے عاشور محرم
بچے کی زچہ خانے کے اندر صف ماتم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلک غم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا
چلّے میں بھی جہلم کی طرح روؤں گی بابا

۶۵

حیدرؑ ہیں کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
زہراؑ کا برا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
ہے ہے مجھے فرزند کا پرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

۶۶

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
اے میرے شہید اے مرے بیکس ترے واری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمہاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
میں آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

۶۷

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حسینا
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تن صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

۶۸

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہراؑ
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ
کیا مرضیٔ معبود سے بندے کا ہے چارا
جبریل سوا کوئی نہیں جانے دالا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخشش امت کا سبب ہے

۶۹

اس بات کا غم ہے اگر اے جان پیمبرؐ
جب قید سے ہو دے گا رہا عابد مضطر
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
تربت میں اسے دفن کرے گا وہی آکر
ازواج رسولان زمن روئیں گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی اس کو

۷۰
جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم
ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم
ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
خورشید جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

۷۱
کیا اوج ہے کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صلِّ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا
پانی میں بھی یاں کے ہے مزا آبِ بقا کا
دربار معلّیٰ ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض حسینؑ ابنِ علیؑ کا

مطلعِ دوم
۷۲
لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

۷۳
اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
اے نیّرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے دردِ عطا لذتِ زخمِ جگری کر
اے ذاتِ الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۷۴
قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

۷۵
مجلس کا نہ ہے نور خوشا محفلِ عالی
حیدرؑ کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

۷۶
ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبرؑ کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغرؑ کے ہیں مہماں
ہر خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہے
پانچ انگلیوں کی طرح سے وہ پنجتنی ہیں

۷۷
ارشاد نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
ہیں اُن کا ہوں طالب یہ طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

۷۸
غم میں مرے بچوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُس کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

۷۹

مردم کے لئے واجب عینی ہے یہ زاری
ہے وقت معیّن پہ ادا طاعت باری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

۸۰

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اُسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اُسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اُسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اُسے جانو
فاقے کئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لئے کیا ظلم سہے ہیں

۸۱

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
کچھ گرمیٔ عاشورہ کا بھی حال سنا ہے
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگام بکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بھُن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

۸۲

لو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

۸۳

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
شاہد الم و فاقہ سے ہے زردیٔ رخسار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیّار
بے آبی سے اودے تھے لبِ لعل گہربار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چوما تھا محمدؐ کی زباں کو

مطلع سوم ۸۴

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں اس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

۸۵

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپرکھٹ میں ہیں تابوت میں دن کو

۸۶

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی ہر طور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

۸۷

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
وا حسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کئے ہفتم سے دہم تک

۸۸

بستی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر
شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ متکلم کے نہ ہمشیر کے دلبر
قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر
سب نذر کو دربار پیمبر میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں

۸۹

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
پھیرے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
سجادؑ سے کچھ کہنے ہیں اسرار امامت
بانوؑ سے وداع عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب ہے یہ زیب بدن رخت کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوس کفن ہو

۹۰

خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

۹۱

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
امت کے لئے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفت ابر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے اماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہِ خنجر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

۹۲

اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے
اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
ٹکڑے دل شبّر کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

۹۳

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

۹۴

ہے ہے تمہیں لے کے میں کہاں چھپ کے ہو آئی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشت پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی
یارب کہیں مر جائے ید اللہ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقت جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں روئی ہوں پہ بھائی مجھے روئے

۹۵

زینبؑ کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منھ اور وہ بُندے کا چمکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

۹۶

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
فرماتے تھے شہ آؤ نہ جان پدر آؤ
ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو؟

۹۷
بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

۹۸
کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

۹۹
غش میں جو سنی بانوے مضطر نے یہ تقریر
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہ دلگیر
جان تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ خادمہ رخصت کے لئے آتی ہے آقا

۱۰۰
یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہ خوش اقبال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جاں کاہ جدائی کا الم ہے
اٹھو نہیں روح علی اکبرؑ کی قسم ہے

۱۰۱
وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اے مرے سرتاج
سر پر جو نہ ہوگا پسر صاحب معراج
والی انھیں قدموں کی بدولت ہے مرا راج
چادر کے لئے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قرباں گئی تخت الٹ جائے گا میرا

۱۰۲
یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی تھی بہو ہو گئی زہراؑ و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

۱۰۳
چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سید خوش خو
ہے ہے انھیں اب رسی سے باندھیں گے جفاجو
سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

۱۰۴
حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
دار محن اس دار کو دادر نے کہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
ہر چشم سے خون جگر اس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

۱۰۵
سو سو برس اس گھر میں محبت سے رہے جو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوے خوش خو
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

۱۰۶

لازم ہے خدا سے طلب خیر بشر کو
آنا ہے تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجادؑ سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

۱۰۷

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
دنیا سے گیا اکبرؑ ناشاد سا غم خوار
بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

۱۰۸

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
غش ہو گئی زینبؑ یہ اٹھا درد جگر میں
گھبرا نہ گیا واں سے شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

۱۰۹

کچھ پڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
تھراتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
رخ کی طرف بدوش یمیں گردنِ انور
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل اُن کی تباہی میں پڑی ہے

۱۱۰

یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

۱۱۱

میرے نہیں بندے ہیں ترے اے مرے خالق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدّی پہ منافق
بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
نے دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علیؑ کی

۱۱۲

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
ناموس نبیؐ قید ہوں اور شام میں جائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

۱۱۳

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک
میت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک
اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور میں کچھ خاک
بس فاتحۂ خیر پڑھا بادلِ غمناک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

۱۱۴

گردان کے دامن علی اکبرؑ کو پکارے
لختِ دلِ شبّرؑ کدھر اس وقت سدھارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں مسلمؑ کے جگر بند کہاں ہیں
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

۱۱۵

تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسداللہ کا پیارا
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
اونچا ہوا افلاک امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

۱۱۶

شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا ساز دکھایا
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
فتراک نے اوجِ پرِ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک عرشِ بریں پر
غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر

۱۱۷

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ نقلی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقعے میں حسینؑ ایک ورق ہے

۱۱۸

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبرؐ نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویِ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

۱۱۹

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
اقبالِ علیؑ خلقِ پیمبرؐ ہمیں بخشا
سرداریِ فردوس کا افسر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی زور ہمیں زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طورِ تجلا ہے ہمارا
تختِ بنِ داؤد مصلا ہے ہمارا

۱۲۰

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
قوسین مکاں ختمِ رسل صاحبِ معراج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرؑ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

۱۲۱

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایمان تہِ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

۱۲۲

اصنام نہ کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
بدکیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے
طاقت تھی کہ عزیٰ کو کوئی لات سے توڑے
بے توڑے وہ بت حیدرؑ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسداللہ اذاں دے کے حرم سے

۱۲۳

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں
فرزند محمدؐ سے جہاندار کے ہم ہیں
جرار پسر حیدرؑ کرار کے ہم ہیں
وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیر کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۱۲۴
یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ تیغِ علیؑ ہے یہ کمر بندِ حسنؑ ہے
یہ پیراہنِ یوسفؑ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربیؐ کی
یہ مُہرِ سلیمانؑ ہے یہ خاتم ہے نبیؐ کی

۱۲۵
دیکھو تو یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرّار کی تلوار
بجلی کی تو یہ بجلی ہے تلوار کی تلوار
قہرِ غضبِ اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

۱۲۶
دم لے کہیں رک کر وہ روانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب آگ ہے پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہے
تابیں نہیں غصّے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

۱۲۷
سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم عالمِ دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا وِرد ہمارا
جبریلؑ سا اُستاد ہے شاگرد ہمارا

۱۲۸
گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
پھر خاک کے طبقے میں بجز خاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

۱۲۹
محسن سے بدی ہے یہی احسان کا عوض آہ
گمراہ کے بہکانے سے رد کو نہ مری راہ
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا تم قہرِ خدا سے

۱۳۰
بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

۱۳۱
اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولؐ دوسرا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بُکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

۱۳۲
حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
آیا غضبِ اللہ کا ہشیار صفوں سے
کب بچتی ہیں رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
او بندۂ زر رہو تو مری ضرب کو دیکھو

133

یاں گوشۂ عزلت خمِ شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر، فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

134

جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

135

بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
بس زیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
معلوم ہوا لُٹ گئی سب کفر کی بستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے

136

بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی
آوازِ زبرن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
کھلنے بندِ خطا کاروں پہ درِ امن و اماں کے
چلے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

137

افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
گہہ پڑ گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

138

بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندی ادھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو پیٹ جواہر سے بھرا تھا

139

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبیر سے دولھا کی بغل میں

140

سرچیکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہونچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے
خنجر کی زباں تیغ زبانی کو نہ پہونچے
دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اس کی بُری تھی
برچھی تھی کٹار تھی سروہی تھی چھری تھی

141

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

۱۴۲

ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی
گھر صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی

۱۴۳

نیزوں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے
جا پہونچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

۱۴۴

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو ڈھٹائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

۱۴۵

چار آئینہ والوں کو نہ تھا مرگ سے چارہ
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
چورنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

۱۴۶

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

۱۴۷

ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پکارے کہ اماں دو

۱۴۸

شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہرا نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
ہے کبر غضب نام ہے قہر صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

۱۴۹

اس صف سے گئے بیچ سے اس غول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغ دو سر تول کے نکلے
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے
دنیا جو بچی روحِ محمدؐ کا سبب تھا
شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

۱۵۰

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۱۵۱

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
دعوت یوں ہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو روکو ہمیں آ کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

۱۵۲

بھولے نہیں اکبرؑ کی ہیں ہم تشنہ دہانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

۱۵۳

یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے
لڑتے ہوئے آ پہونچے ہیں دریا کے کنارے
الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے
عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
اس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

۱۵۴

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے
اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

۱۵۵

کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
تلواروں سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

۱۵۶

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سیدؑ کے لہو سے

۱۵۷

جھک جاتے تھے مرنے پہ جو غش میں شہ ابرار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرؑ دل افگار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اتر چکے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نے پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

۱۵۸

زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا
گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں اب نہیں یارا
آ پہونچا ہے منزل پہ ید اللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

۱۵۹

گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے
کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہے سب کا

۱۶۰
کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

۱۶۱
گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتریے
تلوار لیے گرد ہیں اعدا نہ اتریے
دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اتریے
اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

۱۶۲
شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
وہ تو نے کیا ہوتا ہے جو حق رفاقت
نہ ہاتھوں میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا

۱۶۳
ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گذرنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہے پدر کا

۱۶۴
اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے تن پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

۱۶۵
منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے رہوار
زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

۱۶۶
یہ کہہ کے جو سرکا اسد اللہ کا جایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا
اک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
پیکان سہ پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ زہے صبر امام دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

۱۶۷
حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجد کوفہ میں علیؑ کا

۱۶۸
بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لب اطہر
بہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

۱۶۹

نیزے کا ابنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک جو کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

۱۷۰

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفاکار
شورِ دہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشن جرار
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۷۱

لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
اک سیدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
برقع تھا نہ مقنع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
چلاتی تھی خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو فاطمہؑ آتی ہے بچانے کو پسر کے

۱۷۲

ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
فرماتی تھیں فضہ جو اڑھا دیتی تھی معجر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یوں ہی جاؤں گی روضہ پہ نبیؐ کے
پردہ تو گیا ساتھ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۷۳

اس بھیڑ میں آ کر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
اے سبطِ نبیؐ! ابنِ علیؑ! عاشقِ باری
بھیا بہن آئی ہے زیارت کو تمہاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۱۷۴

اس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

۱۷۵

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

۱۷۶

دوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچیں تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا

۱۷۷

سر پیٹ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
دکھ پائے بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربیؐ کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۱۷۸

ہے ہے پسر صاحبِ معراج حسینا
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج حسینا
پردیس میں بیووں کا لٹا راج حسینا
ہے ہے بے کفن و گور کے محتاج حسینا

پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشہ بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

۱۷۹

قربان بہن اے مرے سرور مرے سیّد
اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سیّد
مذبوحِ قضا کشتۂ خنجر مرے سیّد
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سیّد

دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

۱۸۰

بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیّدِ ذی جاہ
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہ
چھوڑا ہے مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ

چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھینا کو بخف تک بھی نہ پہونچا گئے بھائی

۱۸۱

اے میرے شہیدا اے مرے ماں جائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر

انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جان نہیں کرتا

۱۸۲

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینبؑ نے کیے بین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے اب چین

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

رباعی

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے
بے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے
سب آگے پہنچے ہیں مسافر واراں
یہ جنبشِ منزل بھی بہت بھاری ہے

ختم شد

مرثیہ ۱

۱

فرزندِ پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے
گل چاک گریباں ہے صبا خاک بسر ہے
گل رو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

۲

آراستہ ہیں بہرِ سفر سروِ قبا پوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
حلّے سروں پر ہیں عبائیں بسرِ دوش
حیران کوئی، تصویر کی صورت کوئی خاموش
منھ ملتا ہے رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبرؑ کے قدم پر

۳

عباسؑ کا منھ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ ید اللہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

۴

روتے ہیں وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہیں ہم سن
اس داغ سے چین آنے ہیں یہ نہیں ممکن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبیرؑ کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

۵

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
پالا ہے ہمیں شاہ نے ہم جائیں نہ کیوں کر
ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

۶

رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُر نم
غل ہے کہ چلا دلبرِ مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبیؐ کے
روضہ پہ اداسی ہے رسولِؐ عربی کے

۷

ہے جب سے کھلا حالِ سفر بند ہے بازار
خاک اڑتی ہے ویرانیِ یثرب کے ہیں آثار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکاندار
ہر کوچے میں ہے شور کہ ہے ہے شہِ ابرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

۸

تدبیرِ سفر میں ہیں ادھر سبطِ پیمبرؐ
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
تقسیمِ سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنھیں لے جانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

۹

حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
چلّاتے ہیں درباں کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

۱۰

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
پرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
کہتی ہیں یہ دن رحلت زہرا سے نہیں کم
فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

۱۱

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ
مسلم کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہؑ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

۱۲

وہ گھر ہے ملک بنتے تھے جس گھر کے نگہباں
کوفے کی بھی خلقت تو نہیں صاحبِ ایماں
کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
بی بی یہ مدینہ کی تباہی کا ہے ساماں
ایک ایک شقی دشمنِ اولادِ علیؑ ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدرؑ پہ چلی ہے

۱۳

اجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہووے گا خالی
کیا جانیں پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
بربادیِ یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہیں نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہیں
اب ان کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

۱۴

گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں کا سفر آہ
رستے کی مشقت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
ان چھوٹے سے بچوں کا نگہباں ہے اللہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اس راہ میں پانی نہیں ملتا

۱۵

منھ دیکھ کے اصغرؑ کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائیں گے ماں ہاتھ ملے گی

۱۶

ان بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
بہنوں ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

۱۷

اماں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں اماں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں روتی ہیں اماں

۱۸

ہے روح پہ اماں کی قلق کرتی ہیں زاری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
فرماتی تھیں بھائی سے خبردار ہیں واری
غم خوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
نہ باپ ہے سر پر مرے بچے کے نہ ماں ہے

۱۹

یاد آتی ہے ہر دم مجھے اماں کی مصیبت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت
کچھ جان کی بھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت
شبیر سدھارے جو سوئے وادیِ غربت
اس دن مری تربت سے نہ منہ موڑیو زینبؑ!
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینبؑ

۲۰

اماں کی وصیت کو بجا لاؤں نہ کیونکر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
گھر بھائی سے تھا بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر
رسی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر
جو ہونے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینبؑ
اس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینبؑ

۲۱

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے شہِ عادل
طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل
تیار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمل
رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل
چلتی ہے ابھی سرد ہوا وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

۲۲

رخصت کرو ان کو جو کہ ہیں ملنے کو آئے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
کہہ دو کوئی گہوارۂ اصغرؑ کو بھی لائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

۲۳

رخصت کو ابھی قبر پیمبر پہ ہے جانا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہووے مرا آنا
اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

۲۴

سنکر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری
غش ہو گئی ہے فاطمہؑ صغرا مری پیاری
میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
بے بس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

۲۵

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینہ میں سنبھلتا
میں تو اسے لے چلتی پہ کچھ بس نہیں چلتا
صاحب مرے دل کو کوئی ہاتھوں سے ہے ملتا
رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو دم اس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغراؑ کی پڑی ہے

۲۶

چلاتی تھی گھبرا کے بہن آنکھیں تو کھولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلگیر تو ہو لو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبرؑ نہ ملے گا

۲۷

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہے خواہر
چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی روتی ہیں مادر
اصغرؑ کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

۲۸

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
منہ دیکھ کے بانو کا، سخن لب پہ یہ لائے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لیجاؤں سفر میں

۲۹

سنکر یہ سخن بیٹھ گئے سیدِ خوش خو
بیمار نے پائی گلِ زہرا کی جو خوشبو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آگئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

۳۰

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہیں مری جان
دیکھو تو ادھر روتی ہے بی بی شہِ ذی شان
جو کہنا ہو کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا

۳۱

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغرؑ
نے فرش، نہ ہے مسندِ فرزندِ پیمبرؐ
اجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو کہ مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبطِ پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

۳۲

شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدِ مظلوم
صغراؑ کے لیے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
پردہ رہا اب کیا، تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارۂ وطن ہوتے ہیں صغراؑ

۳۳

اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
پھر آتا ہے وہ گھر میں سفر میں جو ہو بیمار
ہیں پا بہ رکاب اور تم ہو صاحبِ آزار
تکلیف تمھیں دوں یہ مناسب نہیں زنہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

۳۴

لو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام
بستی ہے کہیں صبح تو جنگل ہے کہیں شام
جنگل ہیں نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

۳۵

صغراؑ نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار
تبرید فقط آپ کا ہے شربتِ دیدار
گرمی میں بھی راحت سے گذر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

۳۶

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا راہ میں گر روئے گی صغراؑ
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغراؑ

۳۷
وہ بات نہ ہو گی کہ جو بے چین ہوں مادر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغرؑ
ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضّہ کی سواری میں بٹھا دو

۳۸
شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
میں کہہ نہیں سکتا تجھے درپیش ہے جو راہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغراؑ
بے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہوں صغراؑ

۳۹
اے نورِ بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
مجبور بجز علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

۴۰
منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موے ہم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغراؑ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؑ

۴۱
صغراؑ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غم خوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

۴۲
ہمشیر کے عاشق ہیں سلامت رہیں اکبرؑ
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر
اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

۴۳
کیا اُن کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
میں کون جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
زلفیں جو الجھتی تو سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

۴۴
مانوس سکینہ سے ہیں عباسؑ دلاور
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبّرؑ
میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آ کر
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دودھا ہے منھ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

۴۵
کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں بھائی بھی ہیں دور
ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

۴۶

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
وہ صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
منھ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دل گیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منھ سے پہ آنسو نکل آئے

۴۷

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علیؑ اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ
اکبرؑ کو بلاؤ علیؑ اصغرؑ کو بھی لاؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

۴۸

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دل گیر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

۴۹

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

۵۰

لکھنا مجھے نسبت کا اگر ہو کہیں سامان
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارمان
حق دار ہوں میں نیگ کی میرا بھی رہے دھیان
لے آنا دلھن کو مری تربت پہ میں قربان
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی
حق نیگ کا تم قبر پہ رکھ دیجیو بھائی

۵۱

پیارے مرے بھیا مرے مہ رو علیؑ اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علیؑ اکبرؑ
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علیؑ اکبرؑ
ڈھونڈھیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علیؑ اکبرؑ
دل سینے میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا

۵۲

کیا گذرے گی جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی
تشریف خدا جانے اب کب لاؤ گے بھائی
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

۵۳

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
صحت سے جو ہیں ان میں کہاں میرا ٹھکانا
ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

۵۴

مرنا تو مقدم ہے غم اس کا نہیں زنہار
قبلے کی طرف کون کرے گا رخ بیمار
دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
یٰسین بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت تو فریاد کروں گی
ہیں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

۵۵

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قرباں　　گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جاں
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہباں　　صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آں
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا　　جینے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

۵۶

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری　　اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری　　آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری
چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم　　اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

۵۷

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی　　تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی　　رکھ لوں تمھیں ماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بےکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے　　تم ہو سو تمھیں طاقت گفتار نہیں ہے

۵۸

معصوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار　　صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار　　جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دن میں گذر جائے گی صغرا　　تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا

۵۹

عباس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا　　چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا　　اٹھے شہ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پرنم نظر آئی　　اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

۶۰

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار　　روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشوں کو عباس پکارے یہ بہ تکرار　　پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار
باہر حرم آتے ہیں رسول دوسرا کے　　شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکوں سے ہوا کے

۶۱

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو تو اتر جائے　　آتا ہو ادھر جو وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے　　دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیئے ہیں　　افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

۶۲

عباس علی سے علی اکبر نے کہا تب　　ہیں قافلہ سالار حرم حضرت زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل میں چڑھیں سب　　حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہرا کی جگہ بنت علی ہے　　میں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

۶۳

آ پہنچی جو ناقے کے قریب دختر حیدر　　خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبط پیمبر
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر　　تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے　　نعلین اٹھا لینے کو عباس کھڑے تھے

۶۴

اک دن تو مہیا تھا یہ سامان سواری
محمل تھا نہ ہودج، نہ کجاوہ، نہ عماری
اک روز تھا وہ گرد تھے نیزے لیے ناری
بے پردہ تھی وہ حیدرِ کرار کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ اور ہاتھ بندھے تھے

۶۵

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

۶۶

ہے قبر پہ نانا کی مقدم ہمیں جانا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

۶۷

پیدل شہِ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے
تربت سے صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

۶۸

خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

۶۹

میں اک تنِ تنہا ہوں ستم گار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

۷۰

فرمائیے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر
یاں قید کی ہے فکر وہاں قتل کی تدبیر
خوں ریزی کو کعبہ تلک آپہونچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

۷۱

یہ کہہ کے ملا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک
جنبش جو ہوئی قبر کو تھرا گئے افلاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
کانپی جو زمیں صحنِ مقدس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

۷۲

باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
بے تیغ کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح
تو شہر میں جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
ہے کشتیِ امت پہ تباہی کہ چلا نوحؑ
افلاکِ امامت کا تجھے بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

۷۳
مارا گیا جس روز سے شبیرؑ مرا پیارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ترے ساتھ دوبارا
اس روز سے ٹکڑے ہے کلیجہ مرا سارا
امّت نے کیا پاس ادب خوب ہمارا
زہراؑ کی جو بستی کو اجاڑیں تو عجب کیا
اعدا اب مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

۷۴
اس ذکر پہ رو دیا کیے شہ سر کو جھکائے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے
واں سے جو اٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ترے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

۷۵
تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
کہتے تھے کہ اے احمدِ مختار کی پیاری
گھبرا کے علیؑ آئے نجف سے کئی باری
تم پاس ہو تربت ہے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے کیوں کر ہمیں چین آئے گا زہراؑ
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسینؑ آئے گا زہراؑ

۷۶
میں نے جو کہا قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبرؐ
نہ سر پہ عمامہ ہے نہ ہے دوش پہ چادر
مرنے کو پسر جاتا ہے برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اور اب مرے بچوں کے گلے ہیں

۷۷
پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبیرؑ کا مقتل
وہ بجلیاں تلواروں کی اور شام کا بادل
وہ نہر فرات اور کئی کوس کا جنگل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل
شبیرؑ کے سر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
دسویں کو محرم کی چھری مجھ پہ چلے گی

۷۸
سن گریہ بیاں باپ کا مادر کی زبانی
ہاں والدہ سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
رو رو کے پکارا اسداللہ کا جانی
پیاسے ہیں مرے خون کے یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم شہِ دیں نے
نانا کو خبر دی تھی مری روحِ امیں نے

۷۹
پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربتِ شبرؑ
چلّائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر
اس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

۸۰
یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم
رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربیؐ کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

۸۱
جب اٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہی ماتم
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
تھا رحلتِ شبرؑ میں محبوں کا یہی غم
بس آج سے بے والی و وارث ہے مدینہ
اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

۸۲

چلاتی تھیں رانڈیں کہ چلی شہ کی سواری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری
لے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
مضطر تھے اپاہج ضعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا ہمکو غنی کون کرے گا
محتاجوں کی فاقہ شکنی کون کرے گا

۸۳

تھا ناکے تلک شہر کے ایک شورِ قیامت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

۸۴

تسکین انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

۸۵

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
عابد کی طرف خانۂ اللہ سدھارے
اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

۸۶

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے
مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

۸۷

کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
اعدا نے گذرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتمِ ذی الحجہ کہ راہی ہوئے حضرت

۸۸

جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہِ ابرار
قبریں نظر آجاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
فرماتے تھے شہ فاعتبروا یا اولی الابصار
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ہم سے غریب الوطنوں کا

۸۹

احباب کہیں گھر ہے کہیں آپ کہیں ہیں
خالی ہیں مکاں آپ تہِ خاک مکیں ہیں
آگے تو زمیں پر تھے پر اب زیرِ زمیں ہیں
جو دور نہ رہتے تھے وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ ہوتے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

۹۰

باتیں تھیں یہی یاس کی اور درد کی تقریر
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیرؑ
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

۹۱
ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ
یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ
اک نہر سوا جس میں نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
کیا ملتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں وہ صحرا نہیں ملتا

۹۲
وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک
ہے سخت پُراندوہ وہ صحرا تہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی مسکن ہے سکونت نہ غنی کی

۹۳
چلاتی ہے عورت کوئی ہے ہے مرے فرزند
اس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دلبند
پانی یہیں ہو جائے گا بچوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے یہیں خنجر تری گردن پہ پھرے گا

۹۴
اک شیر ترائی میں یہ چلاتا ہے دن رات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے ہیہات
کیا حال کہوں نہر کا اے شاہِ خوش اوقات
پانی تو نہیں شور پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں پیتے
وحشی بھی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

۹۵
اس جا نہ اترتا ہے نہ دم لیتا ہے رہ گیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اس کی ہر اک موج ہے شمشیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بو آتی ہے اس نہر کے پانی میں لہو کی

۹۶
اس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اسے ہم
عاشق پہ بلا بعدِ بلا آتی ہے ہر دم
غم اور بڑھا وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلم کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

۹۷
غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جانکاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے پیٹنے حرمِ شاہ
فرماتے تھے شہ سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی اللہ کو جو مدِّ نظر ہے
آج اُن کا ہوا کوچ کل اپنا بھی سفر ہے

۹۸
وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے جن کے لیے عباسِ خوش اقبال
وہ کہتی تھی ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو کدھر وہ مرے پیارے گئے دونو
فرماتے تھے شبیر کہ مارے گئے دونو

۹۹
محمل تھے سب اس بی بی کی ہودج کے برابر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیر کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِ مظلوم کی دختر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو کون جدا ہو گیا اماں
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہو گیا اماں

۱۰۰
اس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا
رستے میں ابھی تھا اسد اللہ کا جایا
کھانا کئی دن قافلہ والوں نے نہ کھایا
جو چاند محرّم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو لشکرِ شبّیرؑ میں دیکھا
منھ شاہ نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

۱۰۱
خویش و رُفقا چاند کی تسلیم کو آئے
یہ چاند مبارک ہو یدُ اللہ کے جائے
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
کفّار پہ تو فتح اِسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

۱۰۲
حضرت پہ دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
سر دینے کا مشتاق ہوں عالِم ہے تری ذات
کر رحم گنہ گاروں پہ اے قاضیِ حاجات!
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

۱۰۳
پہونچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک
طالب ہے ترے قُرب کا سبطِ شہِ لولاک
اُس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
نہ ملک کی خواہش ہے نہ درکار ہے املاک
بیتاب ہے دل صبر کا یارا نہیں مجھ کو
اب فصل بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

۱۰۴
اتنے میں یہ فضہؓ علی اکبرؑ کو پکاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری
لو دیکھ چکی چاند یداللہ کی پیاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں واری
آئے تو رُخِ اکبرِ ذی قدر کو دیکھوں
شکل مہِ نو دیکھ چکی بدر کو دیکھوں

۱۰۵
شہ داخلِ خیمہ ہوئے فرزند کے ہمراہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہؑ کے ماہ
منھ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت یداللہ
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہِ ذی جاہ
سر تن سے مرا اس مہِ پُر غم میں کٹے گا
زینبؑ یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا

۱۰۶
یہ آلِ نبیؐ کی ہے مصیبت کا مہینا
پہونچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے یہ آفت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدّت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر جو سر تن سے اتر جائے

۱۰۷
گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ہمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبّیرؑ
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجہ پہ کوئی تیر
برچھی کسی جانباز کے پہلو میں لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

۱۰۸
خیمے کو جلا دیں گے لٹے گا زر و زیور
ماؤں سے پسر چھوٹیں گے بہنوں سے برادر
اس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرّر
گھڑکیں گے ستمگار جو روئے گی سکینہؑ
اس ماہ میں بے باپ کی ہووے گی سکینہؑ

۱۰۹

دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہوئے گا پامال
بیٹھے گی کوئی تازہ دلھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرے لال
معصوموں کی سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

۱۱۰

اس عشرۂ اول میں نہ ہوویں گے بہن ہم
تاریخ سفر ہے دہم ماہِ محرم
عشرہ یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبؑ پُرغم
جس لال کی عاشق ہو وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھو گی نہ پھر منہ علی اکبرؑ سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمھیں چاند صفر کا

۱۱۱

رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
ان روزوں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
اکبرؑ کو جواں روئیں گے معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوویں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

۱۱۲

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینبؑ پُرغم
خیمے میں اسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بیبیاں باہم
خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

۱۱۳

اترے اسی میدانِ بلا خیز میں سرور
استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمھیں بھائی

۱۱۴

خامش بس اب روک انیسؔ جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفار
زندہ رہیں دنیا میں شہِ دیں کے عزادار
غیر از غمِ شہ اُن کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اس سال میں بس روضۂ شبیرؑ کو دیکھیں

رباعی

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہو گا
مشکل آنا اس انجمن میں ہو گا
نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر غافل
اک روز یہی جسم کفن میں ہو گا

رباعی

مرقد میں انیسؔ نہ کفن میں ہو گا
وہ روضۂ سلطانِ زمن میں ہو گا
چل کر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈھیں
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہو گا

رُباعی

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں یہ اشک
اللہ ہے مشتری وہ گوہر ہیں یہ اشک
آنکھوں سے لگا کے اس کو کہتے ہیں ملک
گوہر نہیں نورِ چشمِ کوثر ہیں یہ اشک

رُباعی

یکتا گہرِ قلزمِ سرمد ہے حسینؑ
سردارِ امم مثلِ محمدؐ ہے حسینؑ
جب سر کو قدم کیا تو سر کی رہِ عشق
حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

رُباعی

واحد ہے جو عبدِ نیک نام اُس کا ہوں
یکتا ہے جو مدّاح مدام اُس کا ہوں
پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا انیس
قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

مرثیہ

۱
کعبے سے کیا جبکہ سفر قبلۂ دیں نے
پائی نہ اماں رازِ الٰہی کے امیں نے
چھوڑا وہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں نے
عزمِ سفرِ مرگ کیا گوشہ نشیں نے
در پے تھے عدو سبطِ رسولِ عربی کے
مہلت دلی حج کی نواسے کو نبیؐ کے

۲
یارانِ وطن سے بھی چھٹے گھر سے بھی چھوٹے
کچھ بس نہ چلا تربتِ شبّرؑ سے بھی چھوٹے
اور فاطمہؑ کے مرقدِ انور سے بھی چھوٹے
بیٹی سے چھٹے قبرِ پیمبرؐ سے بھی چھوٹے
مضطر کیا بے دینوں نے کعبے میں بھی آ کے
راحت نہ ملی شہر میں نہ گھر میں خدا کے

۳
کعبے میں مدینے سے یہ تھے سوچ کے آئے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے
تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

۴
احرام تلک باندھ چکے تھے شہِ ابرار
ہیں قافلۂ حاج کے ہمراہ ستمگار
جو کھل گیا احمدؐ کے نواسے پہ یہ اسرار
یا قتل کریں طوف میں یا کرلیں گرفتار
پایا جو تردّد کا محل سرورِ دیں نے
عمرے سے کیا حج کو بدل سرورِ دیں نے

۵
اعمال میں حج کے تو یہ ہے حکم خدا کا
اللہ کا وہ گھر یہ محمدؐ کا نواسا
پشّہ کو نہ دو عالمِ احرام میں ایذا
سیّد کو ستانے کو وہاں آئے تھے اعدا
گر کھولتا احرام نہ پیارا وہ نبیؐ کا
کعبے میں گلا کٹتا فرزندِ علیؑ کا

۶
مضطر تھے شبِ ہشتم ذی الحجہ کو شبیرؑ
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر
تھا قصدِ مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہ گیر
اب یاں سے کہاں دیکھیے لے جاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

۷
تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں اس رات
بھائی سے بغل گیر ہوئے شاہِ خوش اوقات
کی آ کے جو ابن حنفیہؑ نے ملاقات
کی عرض محمدؐ نے کہ اے قبلۂ حاجات
کوفے کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکے میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا مکاں ہے

۸
ہیں آپ ہی اب وارثِ ذریتِ حیدرؑ
کعبے سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر
حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر
اندیشہ ہے کچھ رنج نہ پہنچائیں ستمگر
ان لوگوں کو مطلق نہ مروّت نہ حیا ہے
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے

۹
حیدرؑ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ پیمبرؐ
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منوّر
تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
سن سن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستمگر
اس شمع کو بھی گل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہے
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

۱۰
کیا والدِ ماجد نے ستایا تھا کسی کو
راحت نہ ملی کوفہ میں داماد نبیؐ کو
دولت سے نہ دنیا سے علاقہ تھا علیؑ کو
بے جرم کیا قتل محمدؐ کے وصی کو
کیونکر کہیں حضرت سے برائی نہ کریں گے
ساداتؑ کے دشمن ہیں بھلائی نہ کریں گے

۱۱
حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانہ
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانہ
بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
اب تو ہے مدینے میں نہ مکے میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی در پئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

۱۲
کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہے چھڑاتا
باہر کبھی روضے سے محمدؐ کے نہ جاتا
میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
بے دینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے
ہو جاؤں یہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے

۱۳
اس امر کے درپے ہے یزید ستم ایجاد
ڈرتا ہوں یہاں قتل کریں گے مجھے جلاد
باقی رہے دنیا میں محمدؐ کی نہ اولاد
حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
کعبے سے میں نکلوں یہ گوارا مجھے کب ہے
ناچار ہوں دوری کا سبب پاس ادب ہے

۱۴
تھا قصد کہ ہوں معتکفِ خانۂ معبود
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے کب منزلِ مقصود
افسوس رہ امن و اماں ہو گئی مسدود
پر کیا کہوں رہنے نہیں دیتے مجھے مردود
میں اور حرم خالق اکبرؐ سے نکلتا
اس گھر سے حسینؑ ابن علیؑ مر کے نکلتا

۱۵
ابن حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت
واں آپ کے والد سے ہے شیعوں کی سکونت
گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
وہ لوگ ہیں سب اہل وفا اہل مروت
کھینچے گا سر افراز تو قدموں پہ گریں گے
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے

۱۶
بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اٹھاؤ
شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ
پر بہر خدا کوفہ کی سرحد میں نہ جاؤ
بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں

۱۷
فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا
اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا
چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہراؑ کے پسر کا
اب کا یہ سفر مجھ کو وسیلہ ہے ظفر کا
گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر
پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر

۱۸
یہ سن کے محمدؐ نے کیا اور بھی اصرار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار
جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار
پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یک بار
جاتا ہے تو ایذا کو بھی سہہ جائے گا شبیرؑ
رہنا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؑ

۱۹

گھر اپنے محمدؐ تو گئے سُن کے یہ گفتار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار
گذری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار
تھا شور کہ اب دیکھیے کب آتے ہیں شبیرؑ
کعبے سے سبھی اہلِ حرم جاتے ہیں شبیرؑ

۲۰

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبطِ پیمبرؐ
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالقِ اکبرؑ
فریاد سوئے کعبہ یہ کی ہاتھ اٹھا کر
اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسّر
پیاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

۲۱

بچے مرے ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندے کی نظر ہے
رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہر حال میں سایا ترے سر پر ہے ہمارا
ہم پاس ہیں تیرے، ترا دل گھر ہے ہمارا

۲۲

کعبے کی جدائی سے عبث ہوتا ہے مضطر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبطِ پیمبرؐ!
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
ایک ایک قدم میں ہے ثوابِ حجِ اکبرؑ
الفت ہمیں تیری ہے تجھے چاہ ہماری
یہ گھر ہے تمھارا تو وہ ہے راہ ہماری

۲۳

یہ سُن کے بڑھایا شہِ مظلوم نے رہوار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار
جو آئے پھر ابن حنفیہ بدل زار
اس جلدی کے جانے کا سبب کیجیے اظہار
میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولاؑ

۲۴

لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت
لیکن مجھے نیند آگئی جب تم ہوئے رخصت
فرمایا کہ تھا رات تلک قصدِ اقامت
رویا میں میسّر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گلروئے محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک سے گیسوئے محمدؐ

۲۵

رو کر یہ کہا میں نے کہ یا شاہِ خوش اقبال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال
بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سرانجام کہاں ہے
جب تو ہوا بے چین تو آرام کہاں ہے

۲۶

افسوس مرے روضے پہ بھی رہنے نہ پایا
تو کعبہ میں جس دن سے مجھے چھوڑ کے آیا
مجھ کو نہیں آزردہ کیا تجھ کو ستایا
دل میں نے بھی مرقد کی اقامت سے اٹھایا
ممکن نہیں فرقت میں تری صبر نبیؐ سے
گھر تجھ سے چھٹا اور چھٹی قبر نبیؐ سے

۲۷

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے
میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آنے کو کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

۲۸
ہے تری شہادت ترے معشوق کو منظور
حیدرؑ کی طرح ہے ترا دل جبر سے معمور
تا عاشقِ صادق رہے تو خلق میں مشہور
تجھ سے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا
عزت مری امت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

۲۹
منہ پیٹ لیا سن کے محمدؐ نے یہ تقریر
ناموس کو چھوڑو نہیں اے حضرت شبیرؑ
اور رو کے کہا گر یہی ہے خواہشِ تقدیر
حرمت سے حرم میں ہی رہے صاحبِ تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو
ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتارِ بلا ہو

۳۰
زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار
سنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار
تھرا گیا دل رونے لگے سیدِ ابرار
محمل سے محمدؐ کو پکاری بدلِ زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر
بھائی سے چھڑاتے ہو مجھے واہ برادر

۳۱
رہنے کی نہیں حیدرؑ کرار کی جائی
نانا کے بھی روضے سے ہوئی مجھ کو جدائی
بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
مرجاؤں گی بچھڑے گا جو مجھ سے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو
تنہا نہیں چھوڑوں گی محمدؐ کے جگر کو

۳۲
اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینے سے مجھے کام
میں یاں نہ رہوں گی مرے رہنے کا نہ لو نام
وہ شہر ہے جس بن میں ہو زہراؑ کا گل اندام
بھائی مجھے معلوم ہے اِس کوچ کا انجام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اُن کا دیا ہے
اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے

۳۳
رخصت کو بقیعہ میں گئی تھی جو میں سب پر
آواز یہ آتی تھی کہ اے زینبؑ مضطر
اور روتی تھی اماں کی میں تربت سے لپٹ کر
جلادوں کی سرحد میں چلا ہے مرا دلبر
اچھے نظر آتے نہیں آثار سفر کے
تو ساتھ ہی رہنا مرے مظلوم پسر کے

۳۴
یہ کہہ کے جو روئی اسدُ اللہ کی پیاری
حضرت نے کہا بھائی سے باگریہ و زاری
ابنِ حنفیہ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضیِ باری
کٹ کر سرِ شبیرؑ تو نیزے پہ علم ہو
پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو

۳۵
یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں
ہے اُس کی جدائی سے عجب درد جگر میں
پر فاطمہؑ صغرا کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں
ڈر ہے کہیں مرجائے نہ وہ ہجرِ پدر میں
روئے تو مرے سر کی قسم دیجیو بھائی
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی

۳۶
صغراؑ کا سنا نام تو بانو یہ پکاری
بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمہاری
کہہ دیجو کہ مادر تمہیں بھولی نہیں واری
اصغر مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری
راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہے کبرا
جب ذکر ترا ہوتا ہے تب روتی ہے کبرا

۳۷

ہاں صدقے نہ تم آپ کو کڑھ کڑھ کے گھلانا
بابا کے نئے چھوڑ نہ دینا کہیں جانا
بچو یوں کو پاس محلے سے بلانا
رو بیٹھوں گی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
ایامِ جدائی بھی گزر جائیں گے بیٹی
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی

۳۸

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
تھا حاجیوں میں غل کہ رہے عزت و توقیر
چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیرؑ
کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں رہ گیر
کیا نور ہے چہرہ پہ ہر اک غنچہ دہن کے
یہ پھول ہیں سب فاطمہؑ زہرا کے چمن کے

۳۹

نایابِ جہاں تھے یہ جوانانِ گل اندام
افسوس یہ نازک بدن اور گرمی کے ایام
شو باغیوں کے ہاتھ سے ملتا نہیں آرام
ہے موردِ آفاتِ خزاں گلشنِ اسلام
کیوں لالہ صفت داغ ہر اک دل پہ نہ پڑ جائے
اس طرح کا جب پھولا پھلا باغ اجڑ جائے

۴۰

گھر چھوڑ کے جنگل کو چلا شہر کا والی
تھا سایۂ حق سایۂ شاہنشہ عالی
بطحا ہوا برباد مدینہ ہوا خالی
قسمتوں پہ تباہی ستم ایجادوں نے ڈالی
بھولیں گے نہ اشفاقِ حسینؑ ابن علیؑ کے
پائیں گے کہاں ہائے نواسے کو نبیؐ کے

۴۱

ہر سمت سے جوں جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت
ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت
گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرت
تم سب سے بھی شبیرؑ کی ہے آخری رخصت
اپنوں سے چھٹا حال نہ کیوں غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

۴۲

نکلے سے گئے جب کئی فرسخ شہِ ذی جود
کی عرض کہ اے راہروِ جادۂ مقصود
رستے میں زرارہ بن صالح ہوا موجود
جاتے ہو کہاں چھوڑے ہوئے خانۂ معبود
کوفے کا ہے گر قصد تو پھر جائیے حضرت
ڈرتا ہوں کہ اعدا میں نہ گھر جائیے حضرت

۴۳

واں ہو چکے ہیں جمع کئی لاکھ ستمگر
ہیں تشنۂ خوں آپ کے یا سبطِ پیمبرؐ
اطراف و جوانب سے چلے آتے ہیں لشکر
ملعونوں کے تیغ و تبر و نیزہ و خنجر
کوفے میں یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
شمر آیا سناں آیا حر آیا عمر آیا

۴۴

چڑھتی ہیں ادھر چرخ پہ تلواروں کی دھاریں
ایسے نہیں وہ لوگ کہ سر آپ پہ واریں
بہتر ہے کہ اس سمت کو حضرت نہ سدھاریں
ہے شور کہ آئے تو نبیؐ زادے کو ماریں
فوجوں کی بھی آمد سحر و شام ہے مولا
یہ آپ کی دعوت کا سرانجام ہے مولا

۴۵

فوج آپ کی بچہ کو نظر آتی ہے بہت کم
شہزادوں کے سن چھوٹے ہیں اے قبلۂ عالم
گردے ہیں کئی کوس کے ہے لشکرِ اظلم
جانے کو ادھر جنگ کا ساماں ہے مقدم
انصار بھی لشکر سے نکل جائیں گے اکثر
جانے تو ہیں پر وقت پہ ٹل جائیں گے اکثر

۵۵

جب تک مرا سر کٹ کے جدا ہوگا نہ تن سے
جب تک مرے بچے نہیں بندھنے کے رسن سے
جب تک میں نہیں رہنے کا محروم کفن سے
جب تک کہ یہ بھائی نہیں چھٹنے کا بہن سے
جب تک شہِ مظلوم مرا نام نہ ہوگا
اُمت کی شفاعت کا سر انجام نہ ہوگا

۵۶

یہ کہہ کے زرآرہ سے چلے سرورِ ذی شاں
سرداروں نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں
جو آئی پرا باندھے ہوئے فوج بنی جاں
ہم شیعہ ہیں بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
ہم آپ کو لڑنے کے لیے جانے نہ دیں گے
فرزندِ یداللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے

۵۷

کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی
کون ایسے ہیں سرکش انھیں کچھ شرم نہ آئی
مولاؑ نے غلاموں کی نہ کیوں فوج بلائی
کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جنگ اُن سے کریں دیجیے ہمیں حکم وغا کا
جو آپ کا دشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا

۵۸

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں
غیر ان کو جو سمجھوں تو بلانے پہ نہ جاؤں
وہ امتِ احمدؐ ہیں میں کیا اُن کو ستاؤں
سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اٹھاؤں
تلواریں بغیر اُن کے مرے خوں میں بھرے کون
قتل ان کو کرو تم تو مجھے قتل کرے کون

۵۹

تم لوگوں کے ہاتھوں جو گرفتار ہوں وہ سب
شبیرؑ کو ہے مرضیِ اللہ سے مطلب
پھر رسّی سے کس طرح کسے بازوئے زینبؑ
بے جرم قصاص اُن سے گوارا ہے مجھے کب
کیوں کر انھیں برباد کروں حجتِ حق ہوں
لازم ہے مجھے رحم کریں رحمتِ حق ہوں

۶۰

حق تم کو جزا دیوے کرو جا کے اب آرام
عاشورِ محرم کو ہو جب عصر کا ہنگام
جاتا ہوں سوئے ماریہ میں بیکس و ناکام
واں آئیو کھل جائے گا اِس کوچ کا انجام
جانا ہے یہاں سے وہیں اس کشتۂ غم کو
اُس وقت نہ آئے تو نہ پھر پاؤ گے ہم کو

۶۱

جنات یہ سن کر گئے کرتے ہوئے زاری
یوں جاتا تھا وہ قافلۂ عاشقِ باری
اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؐ کی سواری
جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری
پڑتی تھی یہ گرمی کے مسافر تھے قلق میں
ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؑ کے پھول عرق میں

۶۲

از بس متحمل نہ تھے گرمی کی تعب کے
خیمے کی نگہبانی کو جاگے ہوئے شب کے
سنولا گئے تھے رنگ جوانانِ عرب کے
شاہِ دو جہاں پیارے منہ تکتے تھے سب کے
میداں تھا کفِ دست نہ سایہ نہ شجر تھا
ملتے تھے کنوئیں خشک مصیبت کا سفر تھا

۶۳ مطلع دوم

کجے سے ہوا کوچ جو سلطانِ زمن کا
غم تھا شہِ مظلوم کو یارانِ وطن کا
ایک ایک قدم سامنا تھا رنج و محن کا
گرمی سے عجب حال تھا زہراؑ کے چمن کا
کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایا نہ شجر تھا
لو چلتی تھی اور دھوپ تھی بیتاب جگر تھا

۵۵

جب تک مرا سر کٹ کے جدا ہوگا نہ تن سے
جب تک مرے بچے نہیں بند چھٹنے کے رسن سے
جب تک میں نہیں رہنے کا محروم کفن سے
جب تک کہ یہ بھائی نہیں چھٹنے کا بہن سے
جب تک شہِ مظلوم مرا نام نہ ہوگا
اُمت کی شفاعت کا سر انجام نہ ہوگا

۵۶

یہ کہہ کے زرارہ سے چلے سرورِ ذی شاں
سردار نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں
جو آئی پرا باندھے ہوئے فوج بنی جاں
ہم شیعہ ہیں بخشا ہے علیؑ نے ہمیں ایماں
ہم آپ کو لڑنے کے لیے جانے نہ دیں گے
فرزندِ یداللہ پہ آنچ آنے نہ دیں گے

۵۷

کس قوم سے درپیش ہے حضرت کو لڑائی
کون ایسے ہیں سرکش انھیں کچھ شرم نہ آئی
مولاؑ نے غلاموں کی نہ کیوں فوج بلائی
کرتے ہیں محمدؐ کے نواسے سے لڑائی
جنگ اُن سے کریں دیجیے ہمیں حکم وغا کا
جو آپ کا دشمن ہے وہ دشمن ہے خدا کا

۵۸

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا نام بتاؤں
غیر اُن کو جو سمجھوں تو بلانے پہ نہ جاؤں
وہ امتِ احمدؐ ہیں میں کیا اُن کو ستاؤں
سب مجھ کو گوارا ہے جو تکلیف اُٹھاؤں
تلواریں بغیر اُن کے مرے خوں میں بھرے کون
قتل اُنکو کرو تم تو مجھے قتل کرے کون

۵۹

تم لوگوں کے ہاتھوں جو گرفتار ہوں وہ سب
شبیرؑ کو ہے مرضیِ اللہ سے مطلب
پھر رسّی سے کس طرح کسے بازوئے زینبؑ
بے جرم قصاص اُن سے گوارا ہے مجھے کب
کیوں کر انھیں برباد کروں حجتِ حق ہوں
لازم ہے مجھے رحم کہ میں رحمتِ حق ہوں

۶۰

حق تم کو جزا دیوے کرو جاکے اب آرام
عاشورِ محرم کو ہو جب عصر کا ہنگام
جاتا ہوں سوے ماریہ میں بیکس و ناکام
واں آئیو کھل جائے گا اِس کوچ کا انجام
جانا ہے یہاں سے وہیں اس کشتۂ غم کو
اُس وقت نہ آئے تو نہ پھر پاؤ گے ہم کو

۶۱

جنات یہ سنکر گئے کرتے ہوئے زاری
یوں جاتا تھا وہ قافلۂ عاشقِ باری
اور آگے بڑھی سبطِ پیمبرؐ کی سواری
جس طرح گلستاں سے چلے بادِ بہاری
تڑپی تھی یہ گرمی کے مسافر تھے قلق میں
ڈوبے ہوئے تھے فاطمہؑ کے پھول عرق میں

۶۲

از بس متحمل تھے نہ گرمی کی تعب کے
خیمے کی نگہبانی کو جاگے ہوئے شب کے
سونلا گئے تھے رنگ جوانانِ عرب کے
شاہِ دوجہاں پیارے منہ تکتے تھے سب کے
میداں تھا کفِ دست نہ سایہ نہ شجر تھا
جلتے تھے کنوئیں خشک مصیبت کا سفر تھا

۶۳ مطلعِ دوم

کعبے سے ہوا کوچ جو سلطانِ زمن کا
غم تھا شہِ مظلوم کو یارانِ وطن کا
ایک ایک قدم سامنا تھا رنج و محن کا
گرمی سے عجب حال تھا زہراؑ کے چمن کا
کوسوں کہیں پانی تھا نہ سایا نہ شجر تھا
لو چلتی تھی اور دھوپ تھی بیتاب جگر تھا

۶۴
یہ دھوپ کی حدّت تھی کہ تھے کوہ دہکتے
تھے گودیوں میں ماؤں کی معصوم بلکتے
چنگاریوں سے ریت کے ذرے تھے چمکتے
اور ماتھے سے قطرے تھے پسینے کے ٹپکتے
آرام سواری میں نہ لیتی تھی سکینہؑ
گرتے سے ہوا چہرے کو دیتی تھی سکینہؑ

۶۵
کہتی تھی کہ جھٹ تک کوئی بابا کو بلا دو
گرمی سے موا جاتا ہے اصغرؑ کو ہوا دو
اماں مرا دم گھٹتا ہے پردے کو اٹھا دو
خشکی سے نہ زبل جائے گلا دودھ پلا دو
وہ کہتی تھیں گرمی سے لہو گھٹ گیا واری
ہے دودھ کہاں دودھ بھی تو ہٹ گیا واری

۶۶
ہے سرد ہوا کے لئے جاں تن میں ترستی
ویرانہ ہے کوسوں نظر آتی نہیں بستی
جلتی ہے زمیں چرخ سے ہے آگ برستی
نزدیک ہے ہو جائے خزاں گلشن ہستی
واقف تھے کبھی کاہے کو اس رنج و محن سے
کس فصل میں قسمت نے نکالا ہے وطن سے

۶۷
گرمی کی اسی طرح اٹھاتے ہوئے ایذا
جو کوفے سے اک مردِ مسافر ہوا پیدا
طے منزلیں کرتے تھے شہِ یثرب و بطحا
مستفسرِ حال اس سے ہوئے سیدِ والا
دل ٹکڑے ہوا سینے میں اُس خستہ جگر کا
رونے لگا منھ دیکھ کے زہراؑ کے پسر کا

۶۸
رو کر کہا اے حیدرِ کرار کے جانی
جس دم یہ سنا شہ نے مسافر کی زبانی
کیا عرض کروں قتل ہوئے مسلمِ ثانی
آنکھوں سے بہے اشک جگر ہو گیا پانی
فرمایا کہ راحت میں ہماری خلل آیا
منزل پہ نہ پہونچے کہ پیامِ اجل آیا

۶۹
آنکھوں میں بھرے اشک پھرے سیدِ والا
مظلومیِ مسلم کی جو ٹکڑے تھا کلیجا
اونٹوں کو بٹھا کر وہیں خیمہ کیا برپا
بھرتے تھے دمِ سرد شہِ یثرب و بطحا
افسردہ تھے دل زرد تھے منھ پیر و جواں کے
لشکر میں اداسی تھی شہِ کون و مکاں کے

۷۰
ظاہر نہ ہوا تھا ابھی ہر چند یہ ماتم
کرتی تھی بیاں زوجۂ مسلم یہی پیہم
چھایا تھا ہر اک بی بی پہ ابرِ الم و غم
کیا ہے کہ ڈری جاتی ہوں گھٹتا ہے مرا دم
کیا دیکھئے وارث کی خبر آتی ہے لوگو
کچھ آج ردا سر سے گری جاتی ہے لوگو

۷۱
ماں پاس کھڑی مسلمِ مظلوم کی پیاری
وسواس مجھے آتا ہے باتوں سے تمھاری
کہتی تھی کہ آنسو نہ کرو آنکھوں سے جاری
کل آئے گی لینے ہمیں بابا کی سواری
گھبراتی ہو کیوں ہوش مرے کھوتی ہو اماں
ہنسنے کا جو وقت آیا تو تم روتی ہو اماں

۷۲
واں شہ نے رفیقوں کو بلا کر یہ سنایا
مسلم کا بھی سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھایا
بیعت سے مری کوفیوں نے ہاتھ اٹھایا
میں پھر کے نہیں جانے کا آیا تو اب آیا
اب شب کو چلا جائے وہ گھر جانا ہو جس کو
اب ساتھ مرا دے مرا مرجانا ہو جس کو

۷۳
یہ سنتے ہی رونے لگے مسلم کے جو دلدار
سر کھول کے پیٹے حرمِ احمدِ مختار
اسلام کے لشکر میں تلاطم ہوا اک بار
تھا شور کہ آفت میں پھنسے احمدِ مختار
کوفے میں بلا کر یہ دغا کرتے ہیں اعدا
اب دیکھیں نبی زادے سے کیا کرتے ہیں اعدا

۷۴
مسلم کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر
یا تھے کہیں خیمے کہیں پائیں کہیں بستر
چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

۷۵
جب واں سے نمازِ سحری پڑھ کے چلے شاہ
وارد ہوئے اک دشتِ بلاخیز میں ناگاہ
مسلم کو حرم روتے چلے جاتے تھے ہمراہ
چلنے سے رکا واں فرسِ سرورِ ذی جاہ
فرمایا کہ کیا جانیے یہ کون سی جا ہے
ہاتف نے صدا دی کہ یہی دشتِ بلا ہے

۷۶
یہ سنتے ہی رہوار سے اترے شہِ والا
مانع ہوئے یک بار پرا باندھ کے اعدا
اور چاہا کہ برپا کریں خیمہ لبِ دریا
حضرت نے کہا خیر جو کچھ مرضیِ مولا
جو ہم پہ جفا ہوگی رہِ حق میں سہیں گے
ساحل سے کنارہ کیا ریتی پہ رہیں گے

۷۷
فرما کے یہ میداں میں فروکش ہوئے آخر
کمریں بھی ابھی کھول چکے تھے نہ مسافر
روتے تھے حرم چپ تھے شہِ صابر و شاکر
فوجوں کے نشاں دور سے ہونے لگے ظاہر
زینبؑ سے کہا ہم سے عدو پھر گئے بھینا
نرغے میں ستمگاروں کے ہم گھر گئے بھینا

۷۸
تاریخ چھٹی تھی کہ ہوا غلغلہ اک بار
خولی و حصین شمر و سناں اشعثِ غدار
لشکر لیے آیا عمر سعد ستمگار
اک ایک کے ہمراہ ہزاروں تھے جفاکار
مقتل میں لکھا ہے کہ چھ لاکھ اہلِ ستم تھے
اور یاورِ فرزندِ نبیؐ سو سے بھی کم تھے

۷۹
کفار میں کس طرح سے گھر جاتے نہ حضرت
اس فوج میں فوج قطبِ اوجِ امامت
قلت ادھر ایسی ادھر اس طرح کی کثرت
آتی ہے نظر نقطۂ پرکار کی صورت
حلقے میں بنی فاطمہؑ کو گھیر لیا تھا
بے وجہ نبی زادےؑ سے منھ پھیر لیا تھا

۸۰
ہفتم سے محرم کی تو پانی بھی ہوا بند
تھی فاطمہؑ کے مہر میں وہ نہر بھی ہر چند
فرزندِ پیمبرؐ کے تڑپنے لگے فرزند
غاصب نہ ہوئے پانی کے دینے پہ رضامند
حق اپنا محمدؐ کے نواسے نے نہ پایا
اک پانی کا قطرہ کسی پیاسے نے نہ پایا

۸۱
چوبیس پہر پیاس میں بچوں نے گزارے
آخر ہوئی جب دسویں شب اور چھپ گئے تارے
ہچکی علی اصغرؑ کو لگی پیاس کے مارے
شہ دیں کو نمازِ سحری پڑھ کے سدھارے
واں جاتے ہی تیغوں سے قلم ہو گیا لشکر
تھا ایک تو کم اور بھی کم ہو گیا لشکر

۸۲

ناظر نہ جائے رہے اور نہ اکبرؑ
ڈیوڑھی پہ بہن روتی تھی واں روتے تھے سرورؑ
کوثر پہ گئے چھوڑ کے گہوارۂ اصغرؑ
باراں کی طرح تیر ستم پڑتے تھے تن پر
تنہا تھے مگر منہ نہ ہزاروں سے پھرا تھا
تلواروں میں وہ فاطمہؑ کا چاند گھرا تھا

۸۳

تنہائی تھی مظلومی تھی تشنہ دہنی تھی
پیشانی بھی مجروح تھی چھاتی بھی چھنی تھی
آفت تھی مصیبت تھی غریب الوطنی تھی
کیا جان پہ احمدؐ کے نواسے کے بنی تھی
کرتے تھے طلب پیچھے تلک جانے کی رخصت
ملتی تھی سکینہؑ سے نہ مل آنے کی رخصت

۸۴

اس حال میں جب عصر کا وقت آگیا یک بار
منہ پھیر کے کیا دیکھتے ہیں سیدِ ابرار
اک گرد ہوئی دامنِ صحرا سے نمودار
پھینکے ہوئے گھوڑوں کو چلے آتے ہیں اسوار
سرخ آنکھیں ہیں کف منہ میں ہے غصے میں بھرے ہیں
سب ہاتھوں کو تلواروں کے قبضوں پہ دھرے ہیں

۸۵

سردار یہ کہتا ہے غضب ہو گیا یارو
چھوڑو نہ اب ایک کا سر تن سے اتارو
آقا مرا مارا گیا تم بھی انھیں مارو
یہ لاشیں ہیں شہزادوں کی ان پر مجھے وارو
حیدرؑ سے بھی شرمندہ مجھے کر گئے شبیرؑ
آنے میں مرے دیر ہوئی مر گئے شبیرؑ

۸۶

حضرت نے سنی زعفرِ جن کی جو یہ تقریر
زعفر کو پکارے کہ نہ کھینچے کوئی شمشیر
گھبرا گئے امت کے لیے حضرتِ شبیرؑ
میں تو ابھی جیتا ہوں کچھ ان کی نہیں تقصیر
غصے میں نہ آ تجھ کو قسم روحِ علیؑ کی
رحم ان پہ ہے لازم کہ یہ امت ہے نبیؐ کی

۸۷

ان کے لیے جاں سے بھائی کو گنوایا
صد شکر کہ ان پر مجھے غصہ نہیں آیا
ان کے لیے ہاتھ اکبرؑ و اصغرؑ سے اٹھایا
میں نے تجھے لڑنے کے لیے تھا نہ بلایا
اس وقت بھی تجھ سے مری طاقت ہے زیادہ
پر بیٹوں سے امت کی محبت ہے زیادہ

۸۸

یہ سنتے ہی رو رو کے گرا قدموں پہ زعفر
کچھ کام لیا مجھ سے نہ یا سبطِ پیمبرؐ
کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے مرے سرور
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
کام آئے گا تجھ بیکس و بے آس پہ رونا
جب پیجیو پانی تو مری پیاس پہ رونا

۸۹

جب حکمِ امامِ دوجہاں سے ہوا ناچار
پھر اور بھی جن پھاڑ گریباں بہ دلِ زار
سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفرِ دیں دار
چلاتے تھے ہے ہے خلفِ حیدرِ کرار
آقا تری اس صبر و شکیبائی کے صدقے
اے سبطِ پیمبرؐ تری تنہائی کے صدقے

۹۰

گھر پہنچا تو زعفر نے کہا تخت اٹھاؤ
پوشاکِ سیہ لا کے مجھے جلد پنھاؤ
اب فرش کہاں کا صفِ ماتم کو بچھاؤ
سب ہائے حسینا کہو اور خاک اڑاؤ
ہر غم سے غمِ سرورِ عالم ہے زیادہ
ماتم سے سلیماں کے یہ ماتم ہے زیادہ

۹۱

ماتم کی خبر مادرِ زعفر نے جو پائی
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
پوچھا کہ ہوا کیا صفِ ماتم جو بچھائی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہرا کی کمائی
گھیر لیے ستم گاروں نے فرزندِ علی کو
چھوڑ آیا ہوں تیروں کے تلے سبطِ نبی کو

۹۲

سر پیٹ کے ماں زعفرِ جن کی یہ پکاری
تو نے پسرِ فاطمہ پر جان نہ واری
واجب ہے تجھے سیدِ کونین کی یاری
عزت نہ رہی آگے پیمبر کے ہماری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیونکر
منہ فاطمہ زہرا کو دکھاؤں گی میں کیونکر

۹۳

حیدر کے ترے باپ پہ کیا کیا نہیں احسان
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولتِ ایماں
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قرباں
مشکل جو پڑی دم میں اُسے کر دیا آساں
فرزند پہ آج اس کے برا وقت پڑا ہے
تو سایہ میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے

۹۴

باپ آج ترا ہوتا تو چین اس کو نہ آتا
اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
فرزندِ پیمبر کے عوض برچھیاں کھاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
جو اہلِ وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا
یوں چھوڑ کے آقا کو نہ گھر جاتے ہیں بیٹا

۹۵

رو کر کہا زعفر نے میں لڑنے کو تھا تیار
فرمایا مدد ابنِ علی کو نہیں درکار
حکمِ شہِ کونین سے میں ہو گیا ناچار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے
امت پہ تو وہ ہاتھ اُٹھانے نہیں دیتے

۹۶

اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
ایسا نہ ہو سر تن میں کٹا دیں شہِ ذی شاں
میداں میں سلامت ہو جو وہ دین کا سلطاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شیرِ الٰہی کے جگر پر
میں نے تجھے صدقے کیا زہرا کے پسر پر

۹۷

یہ سنتے ہی مقتل میں وہ کہتا ہوا آیا
زندہ مجھے دکھلا یو پھر شہ کو خدایا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
اُس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

۹۸

خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بیتاب
جاری عوضِ اشک ہوا چشم سے خوں ناب
خالق سے دعا مانگ یہ با دیدۂ پُر آب
سرسبز رہیں فاطمہ کے لال کے احباب
کچھ غم نہ انھیں جز غمِ شاہِ شہدا ہو
محتاجوں کو راحت ہو مریضوں کو شفا ہو

رباعی

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

رباعی

احباب لحد تلک نہ پہونچائیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل
تب عقدہ کشائی کو اِمام آئیں گے

رباعی

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اترا
نہ شرع چڑھی کوئی نہ پردا اترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اترا

رباعی

کفار کا لشکر لبِ دریا اترا
جو مالکِ کوثر تھا الگ جا اترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اترے شبیرؑ
غل تھا کہ زمیں پہ عرشِ اعلیٰ اترا

رباعی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے
جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زبان
تلوار ضروری ہے سپاہی کے لیے

رباعی

کٹ جاتے ہیں خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہیں جو اشک ہیں ڈھلنے والے
اللہ رے ترے سخن کی تاثیر انیسؔ
رو دیتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

maablib.org

مرثیہ ۱

سبطِ نبیؐ سے منزلِ مقصد قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے
آرام گاہِ جانِ محمدؐ قریب ہے
جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

۲

ہے شورِ آمد آمدِ شاہِ فلک سریر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیڑ
حضرت کی پیش کش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

۳

ٹھٹے گئے ہیں شام کے حاکم کے جا بہ جا
اُتراتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
ہر پرگنے سے ہے طلبِ لشکرِ جفا
لیتا ہے جائزہ عمرِ سعدِ بے حیا
غل ہے کریں گے قتل جو زہراؑ کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

۴

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
ہوتے ہیں پیس تیروں کے دستے کئی ہزار
ہے جا بہ جا درستیِ اسباب کارزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

۵

وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے شاد شاد
بہتے ہیں اشک جوش پہ ہے بحرِ اتحاد
ہے آرزو کہ جلد ملے گوہرِ مراد
لب پر اُسی کا ذکر ہے دل میں اُسی کی یاد
معشوق کے سوا کوئی پیشِ نظر نہیں
یہ شوقِ وصل ہے کہ کسی کی خبر نہیں

۶

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہ سخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
توسن ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

۷

چلتی ہے لُو حرارتِ خورشید ہے دوچند
جھیلوں میں ہیں درند درختوں پہ ہیں پرند
مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
ہے دھوپ میں رسول کا فرزندِ ارجمند
غربت میں بے کسی ہے شہِ دیں پناہ پر
سایا ہے آفتاب کا زہراؑ کے ماہ پر

۸

وہ دن ہیں جن دنوں نہیں کرتا کوئی سفر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشکبار اَٹے ہیں غبار سے

۹

اہلِ حرم ہیں محمل و ہودج میں بیقرار
بانوؑ پکارتی ہے کہ یا شاہِ نامدار
معصوم پانی مانگتے ہیں رو کے بار بار
گرمی سے جاں بہ لب ہے مرا طفلِ شیرخوار
کیونکر یہ دُکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

۱۰
چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
محمل میں گھٹ گئی مجھے گودی میں لو ذرا
بابا سے کہدو اب کہیں خیمہ کریں بپا
ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

۱۱
جب سطح ہوئی وہ منزلِ آفت قریبِ شام
اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا قیام
اکبرؑ نے آن کر کیا پردے کا اہتمام
ناقوں سے اُترے آلِ نبیؐ باصد احترام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
دل رُندھ گئے تھے چاند سے چہرے اداس تھے

۱۲
اترے رفیقِ خاص قریبِ خیامِ شاہ
کچھ فاصلے سے گرد فروکش ہوئی سپاہ
نکلا حرم سے حضرتِ خیرالنساؑ کا ماہ
کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
ہر نخل غیرتِ شجرِ طور ہو گیا
صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا

۱۳
اُس دن بہت اُداس تھا زہراؑ کا یادگار
زردی تھی رُخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار
کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی
اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

۱۴
یہ کہہ کے رو رہے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں
ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہاں
تم جلد اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان
تشویش ہے رسولِ خداؐ کے حبیب کو
کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

۱۵
جلدی چلے یہ سنتے ہی حکمِ شہِ انام
پاس اُس کے جا کے آپ نے کی سبقتِ سلام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام
عباسؑ نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے اُدھر ہم بھی جاتے ہیں
اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

۱۶
دیکھا جو رعب و دبدبۂ شوکت و جلال
دستِ ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال
عباسؑ نے کہا کہ رسولِ خدا کا لال
نورِ نگاہِ فاتحِ بدر و حنین ہے
آقا کا میرے اسمِ مبارک حسینؑ ہے

۱۷
یہ سن کے اشک آنکھوں سے اُس شخص نے بہائے
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سیدِ والا وطن سے آئے
آفت سے نورِ چشمِ علیؑ کو خدا بچائے
سب اہلِ شر ہیں کوفیوں کو ان سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانبِ یثرب تو خیر ہے

۱۸
گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباسِ باوفا
فرمایا اے عرب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلمؑ نے بھی یہ حال تو خط میں نہیں لکھا
اُس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہِ خاص و عام سے
کہنا ہے جو کہوں گا مفصل امامؑ سے

۱۹

پہونچا وہ جب قریبِ شہنشاہِ سرفراز
ہاتھ اس کا نے کے ہاتھ میں اُٹھے شہِ حجاز
تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز
بولا کنارے جا کے وہ اُمّت کا کارساز
گر نیک ہو سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے

۲۰

کی عرض اس نے اے پسرِ سیّد البشر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلمؑ کی کچھ خبر
کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
شہ بولے وجہ کیا جو ترا حال غیر ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

۲۱

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار
پھر چلیے اب وطن کی طرف بہرِ کردگار
گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار
آلِ رسولِ پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علیؑ سے وفا نہ کی

۲۲

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے
اُس جا دغا ہے سیّد والا نہ جائیے
بہرِ علیؑ و احمدؐ و زہراؑ نہ جائیے
آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
کیا دور ہے جو آ کے عدو سدِّ راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آلِ محمدؐ تباہ ہوں

۲۳

بچوں پہ رحم کیجئے یا شاہِ انس و جاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبرؑ سا نوجواں
پہونچے نہ اِن گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں
رکھے خدا جہاں میں یداللہ کا نشاں
پھولا پھلا رسولِ خدا کا چمن رہے
روشن سدا چراغِ مزارِ حسنؑ رہے

۲۴

یہ فکر ہے جو آپ کو لکھے ہیں سب نے خط
مضموں بھی سب غلط ہیں عبارت بھی سب غلط
مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آویں کسی نمط
یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
حاکم کا مدّعا ہے کہ ظلم و ستم کروں
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں

۲۵

کوفی تمام مایۂ جور و فساد ہیں
تربت میں فاطمہؑ کے رُلانے پہ شاد ہیں
مفسد ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں
تیغیں ادھر ہیں دل سوئے ابنِ زیاد ہیں
بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا
کیوں کر کہوں کہ مسلمؑ بے کس سے کیا کیا

۲۶

پھر بولا سر کو پیٹ کے باصد غم و محن
نیزے پہ سر ہے جسم ہے بے گور و بے کفن
آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
تربت نہیں نصیب تنِ پاش پاش کو
گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

۲۷

باقی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ
کوڑے لگے پہ منہ سے نہ کی اس جری نے آہ
مسلمؑ نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
مسلمؑ کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں
دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں

۲۸

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
جو مسلمؑ غریب پہ ہونا تھا ہو چکا
فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا
باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
خواہانِ مرگ سبطِ رسالت مآب ہے
اُن کا جہاں سے کوچ مرا یا تراب ہے

۲۹

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہ نامدار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غمگسار
وامسلما کہا کئی باری بحالِ زار
بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
میں جانتا تھا آپ مرے لینے کو آؤ گے
اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے

۳۰

دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب
مارے گئے وہاں کوئی جس جا نہ تھا حبیب
کیا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب
تکتے تھے مجھکو پاس سے منہ پھیر پھیر کے
کوفے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

۳۱

کوئی بدی کریں گے یہ مجھکو نہ تھی خبر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر
شرمندہ ہے حسینؑ تمہیں پہلے بھیجکر
اب ہم بھی آن پہونچے ہیں واں تم گئے جدھر
رتبے بڑے ہیں کشتۂ اول کے واسطے
سبقت تو ہے ضرور ہراول کے واسطے

۳۲

اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال
مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عرب سے حال
حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں نونہال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے

۳۳

آتا تھا شہر کوفہ سے جس دم میں نوحہ گر
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
رخ پر پڑی لٹکتی تھیں زلفیں اِدھر اُدھر
ہاتھوں سے آشکارا نشانِ سجود تھے
بے رحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے

۳۴

فریاد کر کے کہنے لگے سرورِ عرب
بندوں کا اختیار ہے کیا جو رضائے رب
خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے ہے غضب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی
ماں اُن کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی

۳۵

رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا
کی عرض کچھ نہ پوچھئے اے ابنِ مرتضیٰ
وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا
یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
خندق میں لاش باپ کی بچے فرات میں

۳۶

یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت بہ چشمِ نم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ امم
کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ اپنے ہم
منہ کو سنان و تیغ سے موڑا نہ جائے گا
تجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا

۳۷

رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
نہوڑائے سر کو گھر میں گئے شاہِ دوجہاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بی بیاں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا
زینبؑ زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا

۳۸

کلثومؑ سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس
قاسمؑ کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
تکتی تھی منہ کو شہ کے سکینہؑ بچشمِ یاس
سب سے زیادہ زوجۂ مسلمؑ کو تھا ہراس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری

۳۹

رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
سینوں میں دل دھڑکنے سے لرزاں تھے دست و پا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسِؑ باوفا
باہر سے یاں انھیں تو بلائے کوئی ذرا
پوچھو تو حال کیوں شہِ والا کا غیر ہے
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے

۴۰

کبریٰؑ پکارتی تھی کہ صغریٰؑ کی خیر ہو
یارب مریضِ بیکس و تنہا کی خیر ہو
مسلمؑ کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو
غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
بھائی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں

۴۱

کہتی کبھی سکینہؑ سے رو کر وہ بے قرار
ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمھارا پیار
وجہِ بکا تو پوچھو بہن تم پہ میں نثار
حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
ڈرتا ہے دل میں شک سے مری چھاتی دھڑکتی ہے
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے

۴۲

اتنے میں بڑھ کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابنِ عم مرا
مسلمؑ سے کوفیوں نے بڑی بیوفائی کی
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی

۴۳

پیٹو کہ رانڈ ہو گئی عباسؑ کی بہن
رنڈسالا اس کو دو کہ نہ اُس کو ملا کفن
مارا گیا مرے لیے ہے ہے وہ صف شکن
اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
آ پہونچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
زینبؑ یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی

۴۴

سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر
بانوؑ نے ساتھ زوجۂ مسلمؑ کے کھولا سر
پُرسے کو آئی زوجۂ عباسِؑ نامور
بیکس تھا وہ، شریکِ عزا ہو تمام گھر
رنڈسالہ بی بیاں اُسے جس دم پنہائیں گی
امّاں نکل کے قبر سے پُرسے کو آئیں گی

۴۵

کہہ دو سکینہؑ دخترِ مسلمؑ کے پاس جائے
چھاتی کو جب وہ پیٹے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
کبریٰؑ برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے
باپ اُس کا مر گیا ہے گلے سے اُسے لگائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوویں گے
اک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے روئیں گے

۴۶

یہ سُن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
مارا گیا سفر میں غلامِ شہِ اُمم
چلائی رو کے زوجۂ مسلمؑ کہ بے ستم
فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی میں اسیرِ غم
صدمے اجل کے تین دنوں پر گزر گئے
وارث بھی مر گئے مرے بچے بھی مر گئے

۴۷

غل سُن کے آئے خیمہ میں عباسؑ نامور
دل غم سے ٹکڑے ہو گیا روئے جھکا کے سر
دیکھا جو تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
بولے قریب آکے خدا پر کرو نظر
سمجھیں گے آن سے قاتلِ مسلم نظر میں ہیں
پیٹو نہ سر کو سیّد والا سفر میں ہیں

۴۸

وابستہ جس کے دم سے ہو اُس کا رہے خیال
ہم سب غلام جن کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
لازم نہیں تمھیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہؑ کا لال
لازم ہے تم کو صبر کہ دنیا میں نام ہو
اُس کا زہے شرف کہ تمہارا امام ہو

۴۹

مسلم جو تھے ہراولِ فوجِ شہِ انام
کیا ٹھیک کوچ تھا کہ ہوا خلد میں مقام
دنیا میں تا قیامِ قیامت رہے گا نام
مخدومۂ جہاں انھیں روئیں گی صبح و شام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
بچے تمھارے فاطمہؑ زہرا کے پاس ہیں

۵۰

شوہر تمھارا صاحبِ عزت تھا اے بہن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چمن
حُلّے ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
ہم سایۂ رسولؐ ملا گو چھٹا وطن
راضی علیؑ ہوں شاد خدا کا حبیبؐ ہو
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو

۵۱

مسلم کا خوں جو راہِ خدا میں ہوا سبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رتبہ ہوا جلیل
پہونچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیلؑ
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مر گیا

۵۲

سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسؑ نامور
مسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر
روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی

۵۳

شور و بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
بس اے انیس اب نہیں لکھنے کی تاب ہے
اس آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

مرثیہ ۱

جب دشتِ مصیبت میں علیؑ کا پسر آیا
گردوں سے فزوں اَوج زمیں کا نظر آیا
منزل کی طرف لے کے ستارے قمر آیا
تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا
خنداں ہوئے جوں گل سفرِ راہِ خدا کے
فردوس کی بو آ گئی جھونکوں سے ہوا کے

۲

گھوڑے کی عناں روک کے بولے شہِ ذی جاہ
سیدھی طرفِ خلد اسی دشت سے ہے راہ
لو ختم سفر ہو گیا اَلمنۃُ لِلّٰہ
پایا ہے عجب نور صفائی ہے عجب واہ
بھایا یہ مکاں دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
جس طرح سے جھاڑے کوئی بالوں سے زمیں کو

۳

یہ گوہرِ مطلوب کے پانے کی جگہ ہے
جنگل میں یہی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہے
فردوس سے زہراؑ کے یہ آنے کی جگہ ہے
واللہ یہ پھولوں سے بسانے کی جگہ ہے
غربت کے نہ دکھ اب دلِ نالاں سے اٹھیں گے
تن بیچ کے مر کر بھی نہ ہم یاں سے اٹھیں گے

۴

ہر چند کہ بستی نہیں ویراں ہے یہ صحرا
راحت کدۂ نوحِ غریباں ہے یہ صحرا
خوشبو میں مگر رشکِ گلستاں ہے یہ صحرا
غربت میں بہ از ملکِ سلیماںؑ ہے یہ صحرا
فرحت ہوئی یوں آ کے اس اجڑے ہوئے بن میں
جس طرح سفر سے کوئی آتا ہے وطن میں

۵

مطلوبِ شہِ عرش نشیں ہے تو یہی ہے
انگشترِ عالم کا نگیں ہے تو یہی ہے
دنیا میں جو فردوسِ بریں ہے تو یہی ہے
مرجائیے جس پر وہ زمیں ہے تو یہی ہے
راحت بھی اسی جا عوضِ صبر ملے گی
جنت ہے گھر اس کا جسے یاں قبر ملے گی

۶

آبِ رخِ مومن کی طرح پاک ہے یہ خاک
ہر درد کا درماں ترا افلاک ہے یہ خاک
غربت میں ردائے تنِ صد چاک ہے یہ خاک
اکسیرِ جہاں گرد ہے وہ خاک ہے یہ خاک
سجدہ بھی اسی خاک سے ممتاز رہے گا
جو اس پہ جھکے گا وہ سرافراز رہے گا

۷

اس خاک کے رتبہ کو کسی نے نہیں جانا
چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو دانا
ہے عینِ عبادت اسے آنکھوں سے لگانا
دَور اس کا نہ کم ہوئے گا جب تک ہے زمانا
کم ہوں گے گنہ غنچۂ امید کھلے گا
سو رنگ کا اجر اس سے نمازی کو ملے گا

۸

بیشک ہے مزیلِ مرض و دافعِ آزار
جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اسے دیندار
اس خاک سے دنیا میں شفا پائیں گے بیمار
ایذائے فشار اس پہ نہیں ہوئے گی زنہار
شمشیرِ غضب سامنے گر ہوگی لحد میں
پر اس کے لیے سینہ سپر ہوگی لحد میں

۹

اترے فرسِ خاص سے ہنستے ہوئے سرور
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ
استادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمہیں بھائی
ہاں شیر ہو دنیا کی ترائی تمہیں بھائی

۱۰

عباس نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہے
آپ آئیں تو کتنی یہ خوش اسلوب جگہ ہے
کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہے
شہ بولے کہ ہاں سچ ہے بہت خوب جگہ ہے
گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہے بھائی
تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہے بھائی

۱۱

رونے یہ سخن کہہ کے شہنشاہِ حجازی
تجدیدِ وضو کر کے پھرے عصر سے غازی
اونٹوں کے کھلے بار، بندھے فوج کے تازی
مصروف ہوئے طاعتِ خالق میں نمازی
اک نور کا جلوہ تھا سپاہِ شہِ دیں پر
گویا کہ ملک عرش سے اترے تھے زمیں پر

۱۲

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہِ شام
اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سر انجام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

۱۳

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف یاس سے تکنا
وہ تابشِ خورشید وہ ذروں کا چمکنا
باقر کی وہ فریاد وہ اصغر کا سسکنا
خیمے میں سکینہ کو جو غش پاتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

۱۴

تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
ہر سمت سے فوجوں کے امنڈ آئے تھے بادل
دریا بھی غریبوں کی ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تلک آئی
لوگ اٹھ گئے لشکر سے ادھر یہ کمک آئی

۱۵

تھے مستعدِ جنگ اسی روز ستمگر
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلاور
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جاؤ گے بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربیؐ ہے

۱۶

جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
سبقت کو نہ گر منع کریں قبلۂ عالم
کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
کر دیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
رکنے کا نہیں زورِ تہمتن سے ہمارا
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا

۱۷

لشکر ہے جری کون سے لشکر سے ہمارے
شیر آنکھ چراتا رہا تیوروں سے ہمارے
تھراتا تھا رستم کا جگر ڈر سے ہمارے
نکلا ہے شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہے ہمارا
تھے شیرِ خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا

۱۸

موجود کسی کو نہیں واللہ سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں روباہ سمجھتے
ہیں عالمِ فانی کو گذرگاہ سمجھتے
ہم وقتِ وغا کوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
جانباز ہیں کونین میں شہرا ہے ہمارا
شمشیرِ یداللہ پہ قبضہ ہے ہمارا

۱۹

خیمے میں گئے حضرتِ عباسؑ دلاور
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
قبضے پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبرؑ
خاموش ہیں سب حکمِ امامِ دوجہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

۲۰

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
منھ پر کئی بار آ گئے تلواروں کے تولے
آقا کے گر خوف سے کچھ ہم نہیں بولے
نامردِ شقی، صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

۲۱

اک کھیل ہے اب تو انھیں پیاسوں کا ستانا
آساں نہیں کچھ منھ پہ جواں مردوں کے آنا
کیا جانیے کیا ہے ہمیں یاں لوگوں نے جانا
تلواریں جو کھینچیں تو الٹ جائے زمانا
بچہ بھی ہر اک شیر ہے سادات کے گھر کا
اعدا کی یہ سب فوج پہ اک طفل ادھر کا

۲۲

دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
ہر صف ابھی الٹیں جو چلیں چھوٹے سے بھالے
دم بند کریں فوج کا یہ ہنسلیوں والے
خندق کی طرح بہنے لگیں خون کے نالے
رکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
بیٹھے ہیں مگر غیظ بحمد اللہ ہے سب میں

۲۳

اعداے اور اکبرؑ سے جو اسدم ہوئی تکرار
یاد آگیا مجکو غضبِ حیدرؑ کرار
بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
میں نے انھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

۲۴

سمجھاتا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
یہ اہلِ ستم قابلِ تعزیر ہیں سارے
کیوں نام لیا شمر نے ماموں کا ہمارے
کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبرؑ کے سپر ہیں

۲۵

شمر نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
اک دن میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھرتا
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضے پہ دھرتا
اتحد آن کے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہرتا
تنگ آن کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
اُن لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑے گا

۲۶

موقع ہے ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
اللہ تو ہے میری طرف فوج ہے گو کم
آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں اظلم
بے زخم لگے ہاتھ اٹھانے کے نہیں ہم
امت سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کریں گے
واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے

۲۷

لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
بچوں نے کبھی کاہے کو دیکھی ہے لڑائی
کیا قہر تھا الٹ جاتی جو زینبؑ کی کمائی
اعدا کی درشتی کی انھیں تاب نہ آئی
بڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رکتے
غصے میں کسی اور سے وہ شیر نہ رکتے

۲۸
تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر
اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منھ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم مجھ سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

۲۹
فوجِ ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
لوگوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تمھیں کام
اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قومِ عرب کی
مہمان ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

۳۰
اب ظہر کا ہنگام ہے اور دن بھی ہے آخر
ہے بے سر و ساماں ابھی یثرب کا مسافر
میں صبح کو خود ہوں گا کمر باندھ کے حاضر
جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صابر و شاکر
حسرت نہ رہے طاعتِ ربِّ دوسرا کی
تم سوؤ عبادت کروں میں اپنے خدا کی

۳۱
کھلواتا ہوں صندوق نکلواتا ہوں ہتھیار
تابوتِ سکینہ میں ہے اے قومِ ستم کار
آراستہ ہوتا ہے نشانِ شہِ ابرار
نانا کی زرہ حیدرِ کرارؑ کی تلوار
یہ شب تو لڑائی کے سرانجام کی شب ہے
تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہے

۳۲
اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا
کل چار پہر میں نہ برس ہے نہ مہینا
مظلوم سے یہ بغض مسافر سے یہ کینا
کل خوں میں ڈبو دیجو محمدؐ کا سفینا
کل قبر سے زہراؑ کے نکل آنے کا دن ہے
کل خانۂ سادات کے لٹ جانے کا دن ہے

۳۳
یہ سن کے گیا شمر قریبِ صفِ کفار
واجب اب جنگ ہے بہتر نہیں اصرار
فرمایا کہ اے قومِ جفاکار و ستمگار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمھیں کیا ہے
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظورِ خدا ہے

۳۴
لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار
جھنجلا کے یہ بولے کئی اس فوج کے سردار
کہہ دو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمھیں زنہار
دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیرؑ تو فرزندِ رسولِ عربیؐ ہے

۳۵
اک شب کی اماں دینے میں نقصان ترا کیا ہے
مظلوم پہ آفت ہے مسافر پہ جفا ہے
اس پر یہ تعدی جو گرفتارِ بلا ہے
یہ جبر محمدؐ کی شریعت میں روا ہے
فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہے ظالم
تو خیر کے بھی کام میں شر کرتا ہے ظالم

۳۶
عابد پہ یہ نرغہ یہ نمازی پہ چڑھائی
پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
مہمانوں نے دو دن سے غذا بھی نہیں پائی
روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
سید کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
یہ ظلم کہ اک رات کی مہلت نہیں دیتا

۳۷

تو ہنستا ہے اور روتے ہیں واں پیاس سے معصوم
پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محروم
یاں جشن ہے اور ہائے حسینا کی ادھر دھوم
اے شمر محمدؐ کا نواسا ہے یہ مظلوم
خورشیدِ ہدایت ہے امامِ دو جہاں ہے
قرآن سے روشن ہے حدیثوں سے عیاں ہے

۳۸

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار
عباسِ دلاور سے لگا کہنے جفاکار
خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

۳۹

عباسِ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
آگے مرے یہ بے ادبی منہ میں ترے خاک
تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگِ ناپاک
بیکس ہوا ایسا پسرِ سیدِ لولاکؐ
کیوں رکھ دوں لبِ نحس پہ انگشت سناں کو
دکھلا دوں مزہ کھینچ کے نیزے سے زباں کو

۴۰

بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چباتے ہوئے عباسؑ
کی عرض یہ جاکر پسرِ فاطمہؑ کے پاس
خیمے میں گئے ساتھ لیے سب کو بصد یاس
طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رحم بھی پھر اہل جفا کا
رو کر شہ والا نے کہا شکر خدا کا

۴۱

گزرا جو وہ دن شامِ مصیبت نظر آئی
ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
کھولے ہوئے گیسو شبِ آفت نظر آئی
راحت دلِ عالم سے فراموش ہوئی تھی
دنیا غمِ سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

۴۲

جنگل میں اداسی تھی وہ اور شام کا ہونا
پانی کی تمنا میں وہ منہ اشکوں سے دھونا
بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں رونا
فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
ڈر جاتی تھی جب خاک میں اٹ جاتے تھے بچے
ماؤں سے اندھیرے میں لپٹ جاتے تھے بچے

۴۳

آتی تھی درندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
گل ہونے میں شمعوں کے نہ لگتی تھی ذرا دیر
سب فرش پہ آندھی سے خس و خاک کا تھا ڈھیر
کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
جب جھکتی تھیں چوبیں تو جھکا جاتا تھا خیمہ
بھرتی تھی ہوا جب تو اڑا جاتا تھا خیمہ

۴۴

اکھڑے ہوئے جنگل کی ڈراؤنی وہ صدائیں
دھڑکا تھا کہ جائیں کہیں بچوں کی نہ جانیں
تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعائیں
کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
یاں آن کے پانی سے چھٹے کھانے سے چھوٹے
ہو صبح تو جانیں کہ سیہ خانے سے چھوٹے

۴۵

بچے کو خدا گردشِ گردوں سے بچائے
حافظ الم و ہیبت ہاموں سے بچائے
خالق ستمِ لشکرِ ملعوں سے بچائے
اللہ ہمیں آفتِ شبِ خوں سے بچائے
منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
ہے ہے کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی

۴۶
آتی تھی صدا قبر کے پیچھے سے یہ ہر آں
جنگل میں یہ کیا بن گئی ہے تجھ پہ مری جاں
ہے ہے مرا بچہ ہے اسی رات کا مہماں
دو روز کے پیاسے تری غربت کے میں قرباں
بابا بھی نہیں عالمِ تنہائی ہے بیٹا
گھر سے تمھیں جنگل میں اجل لائی ہے بیٹا

۴۷
مادر نے جو چھاتی پہ سلا کر تمھیں پالا
مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دکھ چرخ نے ڈالا
سایے سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
خاک اڑتی ہے لو چلتی ہے میدانِ بلا میں
نیند آئے گی کیونکر تمھیں اس گرم ہوا میں

۴۸
اُمت کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے
نانا سے چھٹے قبرِ حسنؑ چھوڑ کے آئے
صغراؑ کو گرفتارِ محن چھوڑ کے آئے
اس دشت کے کانٹوں میں چمن چھوڑ کے آئے
پائی نہ کہیں اور جگہ امن و اماں کی
جنگل وہی بھایا تمھیں تھی خاک جہاں کی

۴۹
کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینبِؑ ناشاد
کیونکر انھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہے برباد
پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہے فریاد
مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتا غمِ اولاد
کل کچھ نہ کچھ آفت ہے جو گھبرائی ہیں اماں
لوحا جو تربت سے نکل آئی ہیں اماں

۵۰
جس روز حسنؑ بھائی سے ہوتی تھی جدائی
لاؤ صفِ ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی
اس شب کو بھی اماں کی صدا تھی یہی آئی
بس خاتمہ ہے اب نہ بچے گا مرا بھائی
پیشو کہ شبِ قتلِ شہِ جن و بشر ہے
اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہے

۵۱
غش میں جو ابھی آنکھ مری لگ گئی ناگاہ
فرماتی تھیں زہراؑ کہ بصد نالۂ جاں کاہ
عریاں سرِ زہراؑ نظر آیا ہے تجھے واللہ
آرام کی یہ شب نہیں اے زینبِؑ ذی جاہ
بسمل ہوں چھری میرے کلیجے پہ چلی ہے
بیٹی یہ شبِ قتلِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۵۲
میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک آپ نے ڈالی
حیدرؑ کی بہو ہووے گی بے وارث و والی
فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
کل شام سے اوڑھوں گی ردا فرق پہ کالی
کیوں کر کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہے زینبؑ
شبیرؑ کے مقتل کی یہ سب خاک ہے زینبؑ

۵۳
رونے سے اسی حال میں گذری جو پہر رات
عباسؑ دلاور کو بلا کر یہ کہی بات
سجادۂ طاعت سے اٹھے قبلۂ حاجات
ہم بیچ میں ہیں گرد ہے سب لشکرِ بدذات
کچھ دور نہیں بے ادبی فوجِ شقی سے
ہوشیار رہو خیمۂ ناموسِ نبیؐ سے

۵۴
سب کھینچ کے خیمے کی طنابیں کرو یکجا
گرمی کی اگر ہووے تو ہو پیاسوں کو ایذا
تا ایک ہی جانب سے رہے آنے کا رستہ
خندق میں رہے چار طرف آگ دہکتا
دیکھیں مدد ایزدِ غفار کرے گا
پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا

۵۵

سرگرمِ اطاعت تھے جو عباسِؑ علمدار
بٹھلائے جواں ڈیوڑھی پہ دیرینہ و ہشیار
بھڑکا دیا خندق میں دیں آگ کو اک بار
پہونچے عقبِ خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
رتبہ سے جو واقف تھے ہر اک پردہ نشیں کے
خود پھرنے لگے گرد خیامِ شہِ دیں کے

۵۶

نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حیدرِؑ کرار
خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہوئے تلوار
للکارتا تھا کوئی کہ ہاں بھائیو ہوشیار
کون آتا ہے کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
کہتا تھا علمدار کوئی اور نہیں ہے
گھبراؤ نہ عباسؑ غلامِ شہِ دیں ہے

۵۷

کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب کی مدد شاہ
راضی ہے خدا تم سے خوشی ہیں شہِ ذی جاہ
بس حقِ رفاقت ہے یہی اجرکمُ اللہ
ہاتھ آئی ہے کیا دولتِ بیدار تمھیں واہ
جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھلے گا
قبروں میں بھی اس جاگنے کا لطف ملے گا

۵۸

جب تین پہر رات عبادت میں گذاری
پچھلے سے دعائیں تھیں بس اور طاعتِ باری
یاں جاگ تھی سوتا تھا اُدھر لشکرِ ناری
شہ محو وظیفہ تھے حرم کرتے تھے زاری
ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
سجدے تھے کبھی اور کبھی امت کی دعا تھی

۵۹ مطلع دوم

ناگاہ بیاضِ سحرِ غم نظر آئی
صبحِ شبِ عاشورِ محرم نظر آئی
مہتاب چلا رات بہت کم نظر آئی
انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
جھونکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
مرغانِ چمن کرنے لگے ذکر خدا کا

۶۰

وہ نور کا تڑکا وہ دمِ صبح کی سردی
پھولی ہوئی تھی وحشیوں کو دشت نوردی
جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں زردی
تکبیریں تھیں یاں بجتی تھی واں صبح کی دردی
سامان تھا واں قتلِ امامِ دوجہاں کا
یاں شور تھا گلدستۂ زہرؑا میں اذاں کا

۶۱

استادہ ہوئے بہرِ نمازِ سحری شاہ
حقا کہ عجب اخترِ تاباں تھے جنبِ ماہ
صف باندھی سب نے عقبِ سیدِ ذی جاہ
ہر حال میں تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
مقبول تھی وہ پڑھ کے دوگانہ جو دعا کی
خالق نے انھیں دولتِ کونین عطا کی

۶۲

فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے سے وہ ابرار
ناموس کے خیمہ میں گئے شاہِ خوش اطوار
تسبیحیں پڑھیں سب نے سجے جنگ کے ہتھیار
حیرت سے نظر کی طرف خواہرِ غمخوار
فرمایا کہو غش سے کہ سوتی ہے سکینہؑ
زینبؑ نے کہا شام سے روتی ہے سکینہؑ

۶۳

بے آپ کے اس کو کبھی نیند آتی ہے بھائی
اس چاند سی چھاتی کی جو بو اس نے نہ پائی
بچوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
ماں پاس نہ لیٹی نہ مری گود میں آئی
فرقت ہو تو پھر اسکا خدا جانے کیسا ہو
کھلتا ہے کوئی باپ سے بچہ جو ہلا ہو

۶۴

بیٹی کا سنا حال تو رونے لگے حضرت
فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
افسوس یہ سن اور یہ یتیمی کی مصیبت
اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں رخصت
مشکل ہے پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
لے آؤ کہ رو لیں اسے لپٹا کے گلے سے

۶۵

روئے سخن یاس پہ سنکر حرم پاک
پہنی شہ والا نے تن پاک میں پوشاک
دستار ید اللہ قبائے شہ لولاک
گردوں پہ ہوئے غم سے ملائک کے جگر چاک
ان زلفوں میں دیکھا جو رخ اس خاطرِ رب کا
آنکھوں میں سماں پھر گیا معراج کی شب کا

۶۶

حاصل جو زرہ کو ہوا وصل تن شبیرؑ
داؤدؑ پکارے کہ زہے عزت و توقیر
دستانوں کو ہاتھ آئی عجب صحبت دلگیر
بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سر شمشیر
باندھا جو کمر میں تو یہ پرتو نظر آیا
خورشید کے پہلو میں مہ نو نظر آیا

۶۷

پایا جو تقرب کمر سبطِ پیمبر
جامے میں سماتی نہ تھی شمشیر دو پیکر
چار آئینہ دکھلانے لگا اوج سکندر
گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے مغفر
کہتی تھی سپر دولت دیں آج ملی ہے
دیکھو مجھے اس دوش پہ معراج ملی ہے

۶۸

جب سج چکے ہتھیاروں کو تن پر شہ ابرار
دکھلانے لگی آئینہ فضہ جگر افگار
خود بینی سے نیکوں کو سدا رہتا ہے انکار
حضرت نے کہا آئینہ ہے حال تن زار
پرتو ہے جہاں نور کا وہ سینہ ہے میرا
میں ہوں وہ سکندر کہ دل آئینہ ہے میرا

۶۹

فضہ سے یہ فرماتا تھا وہ صاحب توقیر
جو آئی سکینہؑ کو لیے شاہ کی ہمشیر
خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شہ دلگیر
آ مری پیاری ترا مشتاق تھا شبیرؑ
بابا ترا اس چاند سی صورت پہ فدا ہو
کیوں آ کے لپٹتی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

۷۰

لو جانے دو غصے کو مری گود میں آؤ
ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منہ آگے تو لاؤ
مہماں ہیں تمھارے ہمیں بی بی نہ رلاؤ
عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
ہم ہوں گے کہیں تم کہیں جاؤ گی سکینہؑ
ڈھونڈھو گی تو پھر ہم کو نہ پاؤ گی سکینہؑ

۷۱

ہے صبح فراق پدر بیکس و ناکام
دن ہجر کے آ پہونچے، گئے وصل کے ایام
لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام
دکھلائے گی یہ صبح یتیمی کی تمھیں شام
ہے زیست کی لذت یہی جو دم تمھیں دیکھیں
تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تمھیں دیکھیں

۷۲

فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
یہ آخری شب عمر کی ہے اے مری جائی
کچھ دور نہ تھے ہم پہ تمھیں نیند نہ آئی
کیا ہووے گا جب ہو گی مہینوں کی جدائی
غم باپ کا اور قید کا دکھ جان حزیں پر
کیونکر تمھیں نیند آئے گی زنداں کی زمیں پر

۷۳
چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
منھ چھاتی پہ رکھ کر، تھیں سو جانے کی تھی خو
واں ہوگا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
اَٹ جائیں گے اب گردِ یتیمی سے یہ گیسو
کیوں دم مرا صدمے سے نہ گھبرائے سکینہؑ
یہ تیر اگلا اور رسن ہائے سکینہؑ

۷۴
حضرت نے جو بچی سے کہے یہ سخنِ یاس
دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرتِ عباسؑ
گودی میں گئی باپ کے گھبرا کے وہ بے آس
رخ زرد تھا نیلے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
دشوار تھا ہجرِ پدر اس رشکِ چمن پر
باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر

۷۵
منھ پر کبھی منھ ملتی تھی دے دے کے دعائیں
لیتی تھی کبھی ننھے سے ہاتھوں سے بلائیں
کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہائیں
آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا
تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا

۷۶
کیوں کڑھتے ہو بابا! مجھے ایسی تو نہیں پیاس
کہتی نہیں پانی کی سلامت رہیں عباسؑ
اس وقت کی باتوں سے بہت ہے مجھے وسواس
کیا آج کی شب کو بھی نہ رہئے گا مرے پاس
پھر کل کی طرح نیند مری کھوؤ گے بابا
میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوؤ گے بابا

۷۷
ننھے سے کلیجے پہ مرے چلتی ہے تلوار
کھلتا نہیں کچھ آپ نے کیوں باندھے ہیں ہتھیار
کیا قصد ہے جانا ہے کہیں یا شہِ ابرار
تشویش کچھ ایسی ہے کہ بھولا ہے مرا پیار
صدقے گئی ناقوں پہ حرم ساتھ نہ ہوں گے
کیا یہ سفر ایسا ہے کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

۷۸
شہ بولے کہ درپیش ہے مجکو وہ سفر آہ
اک ایک قدم جس میں ہیں سو صدمۂ جاں کاہ
بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ
جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ
وہ راہ ہے دھڑکا سحر و شام ہے جس کا
پہلی ہے وہ منزل کہ لحد نام ہے جس کا

۷۹
کرتا نہیں غربت میں کوئی آکے مدد تک
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے لحد تک
وہ خانۂ تاریک وہ تنہائی ابد تک
نے دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یونہیں شاہان اولوالعزم گئے ہیں

۸۰
جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں اُن کے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنھیں باج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت کو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

۸۱
اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ
یاور نہ مصاحب نہ محبانِ وطن ساتھ
نے مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ
دنیا کے کل احباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
آجاتی وہاں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا

۸۲

آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب
تربت میں کہاں راحت و آرام کے اسباب
شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بے خواب
جز داغِ جگر روشنیٔ شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

۸۳

پہلو کے نہ وہ تکیے نہ راحت کا بچھونا
بستر وہی مٹی کا وہی قبر کا کونا
دشوار ہے واں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا
وہ پاس سے رخسار دھرے خاک پہ سونا
رہتا ہے بپاس ایک بہرحال گلے میں
بر میں کفن اور نامۂ اعمال گلے میں

۸۴

صحبت تھی شب و روز کی جس سے وہ کہاں پاس
وہ قبر کا ڈر پرسشِ اعمال کا وسواس
ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
اُس مُلک سے دنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
دکھلائیں تزک چار دن افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

۸۵

کیا اُن کو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں
تاریکیٔ مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں
خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیرِ زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

۸۶

بتلاؤ مسافر کو نہ تشویش ہو کیونکر
غربت میں نئی راہ نئے لوگ نئے گھر
نے راحلہ نے زادِ سفر پاس نہ رہبر
وہ خانۂ پُر ہول یہ آرام کا خوگر
تربت بھی نہ جلد اے مرے دل سوز ملے گی
منزل وہیں بعدِ چہل روز ملے گی

۸۷

یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہِ مدینہ
ہے آج تلاطم میں محمدؐ کا سفینہ
فرمایا کہ تو جاؤ پھوپی پاس سکینہؑ
مشتاق ہے اب ظلم کے تیروں کا یہ سینہ
جائے گا سوئے شام یہ سر تیغ سے کٹ کر
بس چار برس سو چکیں چھاتی سے لپٹ کر

۸۸

وہ کہتی تھی للہ نہ گودی سے اتارو
ننھے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
آئی ہے بلا سر پہ تو پہلے مجھے مارو
مر جاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
ہوتا ہے خفا یوں کوئی نازوں کے پلے سے
ہے ہے مرے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے

۸۹

سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہِ والا
چھلکوں گی سراپا جو قدم گھر سے نکالا
ہے ننھے سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا داغ دکھانے کے لیے تھا مجھے پالا
مر جائیں گے گر آپ کے دشمن تو جیوں گی
رسّی سے بندھے گی مری گردن تو جیوں گی

۹۰

بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہن کی
منظور ہے گر سیر شہادت کے چمن کی
تدبیر کیے جایئے ننھے سے کفن کی
اچھا مجھے کیا راہ نہیں ملنے کی رن کی
اماں کے بھی رونے کا میں غم کھاؤں گی بابا
میں چھوڑ کے ان سب کو چلی آؤں گی بابا

۹۱

بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہو حضرت
کس کے لیے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
وہ کون ہے جس کی ہے یہ الفت یہ محبت
حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہے امت
جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہؑ
وہ تم سے زیادہ ہمیں پیارے ہیں سکینہؑ

۹۲

ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہؑ بے سر
اور داغِ یتیمی ہو تمھیں اے مری دلبر
اسباب لٹے قید ہو سجادؑ جلے گھر
تب آتشِ دوزخ سے بچیں شیعۂ حیدرؑ
راضی ہوں میں واللہ ستم مجھ پہ یہ سب ہوں
محشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں

۹۳

یوں کہنے لگی سینے پہ منہ رکھ کے وہ نادان
کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قربان
حضرت نے کہا سخت مصیبت ہے مری جاں
یہ داغ ہے بچوں کے لیے موت کا ساماں
تن آتشِ غم سے صفتِ شمع گھلے گا
یہ حال تمھیں عصر کے بعد آج کھلے گا

۹۴

اب تک تو یہ ہے ظلم کہ ملتا نہیں پانی
پھر باندھیں گے رسی سے گلا ظلم سے بانی
تم لاکھ کہو گی کہ ہے بابا کی نشانی
لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمنِ جانی
جلاد مری روح کو غمناک کریں گے
موتی کے لیے کان ترے چاک کریں گے

۹۵

یہ کہہ کے جو شہ نے اُسے گودی سے اتارا
غش ہو گئیں بانوؑ نہ رہا ضبط کا یارا
ہمشیر نے حضرت سے کہا رو کے اشارا
آؤ کہ لگا لیں تمھیں چھاتی سے دوبارا
حضرت پہ بھی دشوار تھی ماں جائی کی رخصت
کم تھی نہ قیامت سے بہن بھائی کی رخصت

۹۶

پھٹتا تھا جگر شاہ کا زینبؑ کے بیاں سے
کیا درد کے الفاظ نکلتے تھے زباں سے
کہتی تھی بہن کوچ ہے بابا کا جہاں سے
شہ کہتے تھے میں آج جدا ہوتا ہوں ماں سے
کیا کیا مرے کام آئی ہیں اس رنج و محن میں
سب طور تھا ماں کی محبت کا بہن میں

۹۷

بچپن سے کبھی دکھ میں برادر کو نہ چھوڑا
فاقے کیے اکثر مگر اس گھر کو نہ چھوڑا
تنہا کبھی فرزندِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑا
چھوڑا وطن اور نائبِ حیدرؑ کو نہ چھوڑا
فرقت نہ ہو اک دم یہ دعا شام و سحر تھی
غربت میں بچھڑ جانے کی لیکن نہ خبر تھی

۹۸

یہ کہہ کے چلے شاہ بچھی یاں صفِ ماتم
گویا کہ ہوئی بزمِ عزا درہم و برہم
سر کھولے ہوئے پیٹتی تھی بانوئے پرغم
برپا تھا یہی شور کہ ہے ہے شہِ عالم
در تک بھی نہ پہونچے تھے کہ غش کر گئی زینبؑ
سر پیٹ کے فضہ نے کہا مر گئی زینبؑ

۹۹

نکلے درِ دولت سے شہنشاہ فلک جاہ
پردے سے ہوئی جلوہ نما قدرتِ اللہ
اٹھارہ بنی فاطمہؑ تھے آپ کے ہمراہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقبِ ماہ
تھا فرش سے تا عرش سما جلوہ گری کا
ڈیوڑھی تھی کہ رتبہ فلکِ نیلوفری کا

۱۰۰

شکّانِ سماوات یہ کرتے تھے اشارے — دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
آتی تھی صدا گرد ہیں یاں نور تمھارے — تارے یہ وہ تارے ہیں کہ جو ہیں ہمیں پیارے
یہ سب وہ بشر ہیں جو بنے نورِ خدا سے — ہے عرش بھی روشن انھیں تاروں کی ضیا سے

۱۰۱

رتبے ہیں زیادہ ملک و حور سے اُن کے — جلوے ہیں فزوں روشنیِ طور سے اُن کے
کرتا ہے قمر کسب ضیا نور سے اُن کے — عابد ہیں یہ نظارے کرو دور سے اُن کے
آخر تو نکل آئیں گے سارے جو چھپیں گے — پھر انکو نہ دیکھو گے یہ تارے جو چھپیں گے

۱۰۲

دیکھا رفقا نے جو رخِ قبلۂ عالم — مجرے کے لیے صلِّ علیٰ کہہ کے ہوئے خم
حضرت نے عجب پیار سے دیکھا انھیں اُس دم — ہر اک کی زباں سے یہی نکلا کہ خدا ہم
نازاں ہیں عنایاتِ شہِ تشنہ گلو پر — سو سر ہوں تو قرباں کریں ہر سرِ مو پر

۱۰۳

گردان کے دامن جو بڑھے سیدِ ابرار — لینے کو رکاب آئے رفیقانِ وفادار
فرمانے لگے بڑھ کے یہ عباسِ خوش اطوار — اس خدمتِ عالی کا ہے بندہ ہی سزاوار
جبریلؑ پکارے نہیں حاجت ہے کسی کی — بچپن سے بھی خادم کو تمنا تھی اسی کی

۱۰۴

سوار ہوا جب وہ دو عالم کا شہزادہ — لشکر کا ہوا جاہ و حشم اور زیادہ
گھوڑا جو بڑھا کاہ کشاں بن گیا جادہ — جبریلؑ چلے ساتھ سواری کے پیادہ
ہمراہِ علم دھوپ میں تھا ظلِّ خدا بھی — جبریلؑ بھی تھے سایہ فگن سر پہ ہما بھی

۱۰۵

تھوڑا سا تو لشکر پہ خوشا رعب زہے شان — دیں داروں کی جاں اور مسلمانوں کا ایماں
وہ حسن کہ حورانِ جناں جن پہ ہیں قرباں — سیرت میں ملک کہیے صورت کو تو انساں
خورشید بھی شرمندہ ہو رُخ جلوہ گر ایسے — چلاتی تھیں پریاں نہیں دیکھے بشر ایسے

۱۰۶

وہ چاند سے ماتھے وہ قبائیں وہ عبائیں — تسبیحیں تو ہاتھوں پہ زبانوں پہ دعائیں
تن پھول سے غنچوں کی طرح تنگ قبائیں — بس جائے وہ سب راہ یہ جس راہ سے جائیں
نورِ مہِ کامل کبھی سینے کو نہ پہونچے — بو ایسی کہ عطران کے پسینے کو نہ پہونچے

۱۰۷

کس شان سے شملوں کے سرے دوش پہ چھوڑے — وہ رعب وہ اقبال وہ ہتھیار وہ گھوڑے
تیغیں بھی جو برسیں تو کبھی منھ کو نہ موڑے — ایک ایک جری شیر کے پنجے کو مروڑے
برباد کریں کوہ کو ہاموں کو الٹ دیں — خیبر کی طرح قلعۂ گردوں کو الٹ دیں

۱۰۸

جاتے تھے سواری میں جلال و حشم آگے — غل تھا کہ بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
جلدی تھی ہر ایک کو کہ نکل جائیں ہم آگے — پیچھے تو محمدؐ کا نشاں تھا علم آگے
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی رن میں — طوبیٰ نے جگہ پائی تھی زہراؑ کے چمن میں

کیا اوج تھا نخلِ علمِ فوجِ خدا کا غل تھا کہ یہ ہے سروِ رواں باغِ وفا کا	۱۰۹	فردوس بھی شائق تھا پھریرے کی ہوا کا پنجے پہ ہے عالم یدِ بیضا کی ضیا کا
ٹوکے وہ انھیں بڑھ کے لڑا ہو جو علیؑ سے		یہ شیر گرسنہ نہیں رکنے کے کسی سے
اِن چاند سے چہروں نے دکھائی تھی عجب ضو شبیرؑ کے عاشق اسداللہ کے پیرو	۱۱۰	میدان میں تھا چار طرف نور کا پرتو اعدا تو کئی لاکھ یہ پورے بھی نہ تھے سو
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے		آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے
بندھتی تھیں صفیں یاں کہ علم کھل گئے واں کے تلواریں لیے غول بڑھے فوجِ گراں کے	۱۱۱	ڈنکا جو ہوا ہل گئے دل پیر و جواں کے مظلوموں پہ در بند ہوئے امن و اماں کے
آرام میں زہراؑ و علیؑ کے خلل آیا		آمد ہوئی تیروں کی پیامِ اجل آیا
دو لاکھ لعینوں کے چلے تیر جو پیہم عباسِؑ علمدار نے کی عرض یہ اس دم	۱۱۲	بےجاں ہوئے اک دم میں پچاس آپ کے ہمدم بائیس جواں رہ گئے اے قبلۂ عالم
بے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے		حسرت نہ رہے گی جو دغا کر کے مریں گے
اک اِن میں سے بڑھ جائے گا چمکا کے جو تلوار حضرت نے کہا فتح سے کیا مجھکو سروکار	۱۱۳	ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوچھار ہوں میں تو فقط بخششِ امت کا طلبگار
تیغ و تبر و تیر و سناں کھانے دو بھائی		سب لوگوں سے پہلے مجھے مرجانے دو بھائی
عباسؑ نے رو کر کہا اے سیدِ اکرم آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بے دم	۱۱۴	کہیے گا یہی خلق سے اٹھ جائیں گے جب ہم یہ سب ہیں غلام آپ کے اے قبلۂ عالم
چلنا صفِ جنگاہ میں تلواروں کا دیکھیں		آج آپ مزا اپنے نمک خواروں کا دیکھیں
مولا نے کہا ہے یہی مرضی تو کرو جنگ شیروں نے عجب شاں سے گھوڑوں کے کسے تنگ	۱۱۵	یہ سنتے ہی سادات کے چہرے ہوئے گل رنگ نیزے جو سنبھالے تو علمدار ہوئے دنگ
دیکھا نظرِ غیظ سے افواجِ لعیں کو		لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زمیں کو
تنہا گئے یوں فوج پہ وہ صاحبِ شمشیر انبار تھے لاشوں کے ادھر ڈھیر ادھر ڈھیر	۱۱۶	جوں گلۂ آہو پہ جھپٹتا ہے کوئی شیر ہاتھ اڑ گئے پہونچوں سے زبردست ہوئے زیر
پاس آ نہ سکے دور سے بے پیروں نے مارا		تلواریں نہ کھائیں پہ انھیں تیروں نے مارا
جب سوئے جناں شہ کے مددگار سدھارے دنیا سے جوانانِ خوش اطوار سدھارے	۱۱۷	جانبازیاں دکھلا کے وہ جرّار سدھارے غم رہ گیا شبیرؑ کے غمخوار سدھارے
لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہمراہ		اٹھارہ ستارے تھے فقط ماہ کے ہمراہ

۱۱۸

چھپنے لگے جس دم وہ ستارے بھی نظر سے
دو بھائی بچے ٹکڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
کھینچی قمر فاطمہؑ نے آہ جگر سے
یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کے پسر سے
پامال ہوا یوں بدن اس رشکِ چمن کا
لاشہ نہ اٹھایا گیا فرزندِ حسنؑ کا

۱۱۹

جب قتل ہوا حضرتِ عباسؑ سا بھائی
روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
تھا شور کہ اب سبطِ نبیؐ کی اجل آئی
پس تین پہر میں ہوئی سب گھر کی صفائی
پہونچے صفتِ نکہتِ گل باغِ ارم میں
پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہو گئے دم میں

۱۲۰

مارے گئے زینب کے پسر آنکھوں کے آگے
دنیا سے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
عباسؑ ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
دکھا کیے اور لٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا
وہ کون سا تھا داغ کہ مولا نے نہ دیکھا

۱۲۱

کیا روتے تھے یعقوبؑ جو بچھڑا تھا پسر ایک
مرجاتی ہے بلبل جو خزاں ہو گلِ تر ایک
ہر نخل ہے خواہاں کہ جدا ہو نہ ثمر ایک
یاں داغ عزیزوں کے بہتر ہیں جگر ایک
صدمے سے لہو تن میں نہیں زرد ہیں شبیرؑ
اک زخمِ جگر کیا ہمہ تن درد ہیں شبیرؑ

۱۲۲

حضرت جو ہیں بیتاب تزلزل میں ہے گیتی
وہ دھوپ وہ لوں اور وہ جلتی ہوئی ریتی
کاٹی ہوئی سب خاک پہ زہراؑ کی ہے کھیتی
ان سب کے سوا پیاس سنبھلنے نہیں دیتی
نکلے ہیں لبِ لعل کمر ضعف سے خم ہے
تلواریں ادھر کھنچتی ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہے

۱۲۳

اسوار ادھر بڑھتے تھے تیروں کو سنبھالے
واں فوجِ سیہ رو نے علم کھولے ہیں کالے
یاں تیر دعاؤں کے تھے اور آہوں کے بھالے
ہے لعل کو زہراؑ کے اُدھر جان کے لالے
میداں سے نہ بڑھتے تھے نہ ہٹ سکتے ہیں شبیرؑ
عباسؑ کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شبیرؑ

۱۲۴

تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہے
پیرانہ سری میں غمِ فرزندِ جواں ہے
جو نورِ نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہے
بھائی نہیں اب بازوؤں میں زور کہاں ہے
ٹوٹا ہے فلک عالمِ غربت میں لٹے ہیں
ابنِ اسد اللہ سے دو شیر چھٹے ہیں

۱۲۵

اس فوج میں ڈھالوں کا ہے ایک ابر سا چھایا
واں گھوڑے بھی سیراب ہیں دانا بھی ہے کھایا
اور چاند پہ زہراؑ کے ہے خورشید کا سایا
یاں تیسرا ہے روز کہ پانی نہیں پایا
خیمے ہیں اُدھر دھوپ بھی لشکر پہ نہیں ہے
چادر تک اِدھر لاشۂ اکبرؑ پہ نہیں ہے

۱۲۶

چلّے پہ کمانداروں کے ہے تیرِ سیہ رو
جب تھامتے ہیں تیغ کا قبضہ شہِ خوش خو
چلّوں سے ملائے ہوئے ہیں تیر جفا جو
تھرّاتا ہے وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بازو
ایذائے جراحت ہے کمر اٹھ نہیں سکتی
اس ہاتھ سے تیغ اس سے سپر اٹھ نہیں سکتی

۱۲۷

ہردم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار
مولا سے یہ کہتی تھی ید اللہ کی تلوار
طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجئے ہتھیار
جوہر مرے دکھلائیے یا سیدِ ابرار
ڈر سے نہ قدم ٹھہریں گے بدگہروں کے
اک دم میں اڑادوں گی سر ان خیرہ سروں کے

۱۲۸

بے رحم ہے یہ قوم بس اب رحم نہ کیجئے
سب قتل ہوئے خویش و پسر بھائی بھتیجے
اے قبلۂ کونین مجھے میان سے کھینچیے
صف بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں دیجئے
بیٹھی ہوں کہ جس دم صفِ اعدا پہ جھکوں گی
جبریلؑ بھی روکیں گے تو ہرگز نہ رکوں گی

۱۲۹

شہ کہتے تھے اے تیغ دغا کس کو دکھاؤں
زورآوریِ شیرِ خدا کس کو دکھاؤں
جرأت جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
ضربِ اسدِ قلعہ کشا کس کو دکھاؤں
صبر ان کی جفاؤں کا کیا خیرِ بشر نے
بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہے پدر نے

۱۳۰

بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوجِ ستم گر
بتلا مجھے جی اٹھیں گے عباسِ دلاور
پھر مجھ سے ملیں گے مرے بچھڑے ہوئے یاور
چھاتی سے لپٹ جائیں گے آکر علی اکبرؑ
اکدم کے لیے گلشنِ ہستی کو اجاڑوں
نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اجاڑوں

۱۳۱

یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
غصّے سے نظر آپ نے کی لشکرِ کیں پر
ماتھے سے لہو بہہ کے گرا دامنِ زیں پر
تھرانے لگے روحِ امینؑ عرشِ بریں پر
واں زینبِ ناشاد کھلے سر نکل آئی
یاں تیغِ علیؑ میان سے باہر نکل آئی

۱۳۲

ہاتف کی صدا آئی کہ اے تابعِ تقدیر
گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سن کر شہِ دلگیر
ہاں اب ہے اجازت کہ دکھا جوہرِ شمشیر
نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکرِ بے پیر
ناطاقتیِ جسم نہ مطلق نظر آئی
تصویرِ جلالِ اسدِ حق نظر آئی

۱۳۳

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
ڈھالیں نہ اٹھیں تھیں کہ گری برقِ شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اڑتے نظر آئے

۱۳۴

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
تھی زہر گزش قہر بدن آگ زباں برق
سرکش جو تھا ناری یہ جلاتی تھی اسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اسی کو

۱۳۵

اٹھکر کبھی ٹھہری کبھی اچکی کبھی چمکی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
بجلی تھی کہ گویا دمِ شمشیر بہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدادگروں کی
تھی مینھ کی طرح ٹھاک یہ بوچھار سروں کی

۱۳۶

تیزی تھی کہ شکر بھی ہر اک تھا مقر اس کا
ختم ہو گئی تھی قلب پہ تھا منکر اس کا
تھا کاٹ میان دو جہاں مشتہر اس کا
بے فتح عدو پر بھی نہ کھلتا تھا سر اس کا
تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہرا تھا
افعی کی طرح پیٹ میں گیا زہر بھرا تھا

۱۳۷

پایا تھا عجب زور عجب تیغ عجب ہاتھ
کچھ دست میں اعدا کے نہ تھا ملتے تھے سب ہاتھ
بجلی سی چمک جاتی تھی اٹھ جاتا تھا جب ہاتھ
پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا عجب ہاتھ
شمشیر اجل فوج کے بھالوں سے رکی ہے
گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے رکی ہے

۱۳۸

کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
کس کو اسدِ حق کی لڑائی نہ دکھائی
صف کون سی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
مقتل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی
ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نکلی
شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی

۱۳۹

اک ضرب میں ہاتھ اس کے اڑائے تو سر اس کا
دل اس کا دو پارہ کیا کاٹا جگر اس کا
شاخیں کٹیں اس نخلِ ستم کی ثمر اس کا
دم ہو گیا آخر ادھر اس کا ادھر اس کا
جس جا پہ ٹھٹکے خوں کی ندی وہیں بہہ جائے
کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باگ پہ رہ جائے

۱۴۰

سرداروں کو تیغ دو زباں ڈھونڈھ رہی تھی
اعدا کے یہ چھپنے کا مکاں ڈھونڈھ رہی تھی
کفار کے علموں کا نشان ڈھونڈھ رہی تھی
سب فوج ستم جائے اماں ڈھونڈھ رہی تھی
جو ہاتھ لگا خون میں اسے بھر دیا اس نے
پایا جسے یکتا اسے دو کر دیا اس نے

۱۴۱

تھا صورتِ آئینہ تمام اس کا بدن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

۱۴۲

تھا دور تلک خون سے اس فوج کے رن سرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن سرخ
پھولا ہوا تھا تیغ کے ایک پھل سے چمن سرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سرخ
بے وجہ نہ منھ لال تھا اس معرکہ جو کا
بیڑہ وہ اٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

۱۴۳

مغفر سے چلی کٹ گئی گردن میں در آئی
جوشن سے گذرنا تھا کہ بس تن میں در آئی
گردن سے سر کٹا تھا کہ جوشن میں در آئی
تن سے ابھی اتری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

۱۴۴

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پر قہر قضا کا
باڑھ ایسی کہ رخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
نابیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
پشتہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
تیغے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جوہر میں انا سیف ید اللہ لکھا تھا

	نمبر	
چم خم سے ہلالِ فلکِ نیلو فری تھی شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اس کا	۱۴۵	مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی تھی تیغ کہ قبضہ میں سلیماں کے پری تھی جو آگیا سائے میں بدن جل گیا اُس کا
سیدھی جو چلے وہ تو صفِ فوج الٹ جائے تھرائے فلک گاوِ زمیں ڈر کے سمٹ جائے اس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہے	۱۴۶	دشمن پہ پڑے جب تو لہو جسم کا گھٹ جائے دیکھو جو خم اس کا مہ نو شرم سے کٹ جائے یہ سب صفتیں جس میں ہوں وہ سیفِ زباں ہے
جب شعلۂ سرکش کی طرح فوج پہ لپکی تھرائے جگر آنکھ ستمگاروں کی جھپکی سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا	۱۴۷	تصویر نظر آگئی بجلی کی تڑپ کی سر اڑ گئے اور خون کی اک بوند نہ ٹپکی آب دم شمشیر نے دم بند کیا تھا
دم بھر کہیں شمشیر سر انداز نہ ٹھہری رو کا گئے وہ تفرقہ پرواز نہ ٹھہری جب ہاتھ اٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اس کا	۱۴۸	بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھہری بے صید کے صورتِ شہباز نہ ٹھہری پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا
پیری کبھی گہ خوں میں نہا کر نکل آئی کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی کیا ڈر اسے طوفاں کا جو چالاک ہوا ایسا	۱۴۹	ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہے ایسا
غصے میں گئی اور غضبناک پھر آئی بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو	۱۵۰	افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفاک پھر آئی یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو
دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا بد اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر	۱۵۱	نیزے پہ جسے ناز تھا سر اس کا قلم تھا یہ فتح کی جویا تھی قد اس واسطے خم تھا جو صاحب جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر
سرکش تھے جو اس فوجِ ستم گر میں ستمگار جل جل کے وہ اخگر کی طرح ہوتے تھے فی النار دو چار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا	۱۵۲	اک وار میں کرتی تھی دو لخت ان کو وہ تلوار ترکیبِ عناصر میں خلل پڑتا تھا ہر بار ہر مصرع قد اس کا رباعی نظر آیا
غل فوج میں تھا سیلِ فنا آئی ہے بھاگو جانیں نہیں بچتیں کہ وبا آئی ہے بھاگو ان دھالوں سے رد کو گے ہوش کہاں ہیں	۱۵۳	منہ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہے بھاگو سر اڑتے ہیں جس سے وہ ہوا آئی ہے بھاگو جھوکا کوئی آیا تو یہ سب نخل خزاں ہیں

۱۵۴
جلتی تھیں صفیں شعلہ فشانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ رکتی تھیں روانی تھی غضب کی
کٹتے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی
آفت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی
بجلی سی جو چمکی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبرئیلؑ
شہپر کو اٹھائے ہوئے تھراتے تھے جبرئیلؑ

۱۵۵
جب کوند کے اٹھتی تھی وہ شمشیر فشا دم
فوجیں تھیں نبی جان کی سب درہم و برہم
غل ہوتا تھا پریوں میں کہ یا حافظ عالم
مضطر تھے فلک کانپتا تھا عرش معظم
جب برق چمکتی تھی سرک جاتے تھے جبرئیلؑ
یا شیر خدا کہہ کے جھجک جاتے تھے جبرئیلؑ

۱۵۶
لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو
بس رحم کرو سید ذی جاہ اماں دو
اب پاؤں ٹھہرتے نہیں للہ اماں دو
اب بہر سپر خون یداللہ اماں دو
بخشو ہمیں اس تشنہ دہانی کا تصدق
پیارے علی اکبرؑ کی جوانی کا تصدق

۱۵۷
دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہ والا
پھر ہو گیا سینے میں کلیجہ تہ و بالا
کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا
پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا
اچھا نہیں اب لڑنے کے راضی بہ رضا ہیں
تو سر ہوں تو اکبرؑ کی جوانی پہ فدا ہیں

۱۵۸
پھر رو کے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے
اے شیر جواں باپ کی پیری کے سہارے
ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے
پر دشمن دیں بچ گئے صدقے میں تمہارے
رحم آنے کیا گو مجھے غم دیتے ہیں اعدا
اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا

۱۵۹
تم مر گئے بیجا ہے یہ کوشش یہ لڑائی
اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی
وہ کیا جیے جس پاس نہ بیٹا ہو نہ بھائی
ہو جائے کہیں جلد سر و تن میں جدائی
بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائیں گے بیٹا
بے جان دیئے ہم نہ تمہیں پائیں گے بیٹا

۱۶۰
فرما کے یہ شمشیر شرر ریز کو روکا
بیکل تھا مگر اسپ سبک خیز کو روکا
روکا اسے کیا شعلۂ سر تیز کو روکا
کس پیار سے چمکار کے شبدیز کو روکا
فرمایا کہ آہستہ کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے
راکب ترا اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے

۱۶۱
شمشیر ید اللہ ادھر میان میں آئی
پھر فوج عدو قتل کے میدان میں آئی
اور جان لعینوں کی ادھر جان میں آئی
فریاد کی زہراؑ کی صدا کان میں آئی
رونے کا اٹھا شور مدینے کی طرف سے
صاف آئی صدا ہائے حسینا کی نجف سے

۱۶۲
واں خیمے سے نکلے حرم احمد مختار
فریاد ہے اک تشنہ دہاں لاکھ ستمگار
یاں قبلۂ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوچھار
تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تن زار
گھر لٹتا تھا زہراؑ کا قیامت کی گھڑی تھی
بوچھار نہ تھی تیروں کی، ساون کی جھڑی تھی

۱۶۳

ٹکڑے ہوا تیغوں سے محمدؐ کا جگر بند
پرزے تھی قبا خون میں ڈوبا تھا کمر بند
کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
ہر زخم کے کوچے تو کھلے امن کے در بند
طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھراتے تھے شبیرؑ
جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شبیرؑ

۱۶۴

جب لگتی تھی برچھی تو یہ فرماتے تھے سرور
تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازوئے انور
زخمی تری چھاتی کے ہیں صدقے علی اکبرؑ
چلاتے یہ کہتے تھے کہ ہیہات برادر
کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شبیرؑ
لاشِ علی اصغرؑ کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

۱۶۵

تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا
جن و ملک و انس میں رقت ہوئی برپا
گھوڑے سے گرے شاہ قیامت ہوئی برپا
دنیا میں اُسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
ڈوبے کے جو پیکاں تنِ شفاف سے نکلے
سر کھول کے پریوں کے پرے قاف سے نکلے

۱۶۶

تڑپے جو زمیں پر کئی بار شہِ والا
اٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھالا
تھا شور کہ لو ہو گئی دنیا تہ و بالا
خم ہو گیا وہ فاطمہؑ کی گود کا پالا
طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اٹھتے وہ سنبھل کر
غش ہو گئے ریتی پہ لہو منہ سے اگل کر

۱۶۷

خنجر کو اُدھر شمرِ ستم گار نے دیکھا
فرزند کا منہ حیدرِ کرارؑ نے دیکھا
ڈیوڑھی سے اُدھر زینبِ ناچار نے دیکھا
خیمے کی طرف سیدِ ابرار نے دیکھا
غم تھا نہ کہیں زینبؑ خوش خو نکل آئے
خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

۱۶۸

جب خشک گلے پر ہوئی خنجر کی روانی
پیاسے ہی سدھارے نہ بجھی تشنہ دہانی
دو بار اشارہ کیا حضرت نے کہ پانی
سر کاٹ کے سینے سے اٹھا ظلم کا بانی
بھائی نے تڑپنا بھی نہ ماں جائی کا دیکھا
نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا

۱۶۹

ہاں حیدریو مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
پرسا دو کہ ہے فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
مذبوح تھا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اَٹ گئیں آقا
ہے ہے تری خنجر سے رگیں کٹ گئیں آقا

۱۷۰

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
اِن زخموں کے قربان دلِ محزوں کے تصدق
آقا ترے پیراہنِ پُرخوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدمِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
سید ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

۱۷۱

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے شانے پہ ردا رہنے نہ پائی

۱۷۲

وہ دھوپ وہ اوس آٹھ پہر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
لی آکے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا
ظالم نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

۱۷۳

خاموش انیسؔ اب کہ جگر چاک ہے غم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اُمم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
مولا مجھے محروم نہ رکھ اپنے کرم سے
کب تک غمِ دنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

رباعی

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانند حباب ہستیِ انسان ہے
لنگر ہے جو دل تو ہر نفس بادِ مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایمان ہے

رباعی

کیا فیض علیؑ کے قدمِ پاک سے ہے
روضے کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں درِّ نجف قطرۂ آب
پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

رباعی

جو بند کہا نذرِ حیدرؑ کے لیے
جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لیے
اس گرمی میں مصروفِ عرق ریزی ہوں
اک جامِ شرابِ حوضِ کوثر کے لیے

رباعی

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اسے سوا سمجھا ہے
ہے بحرِ جہاں میں عمر مانند حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

مرثیہ ۱

طے کر چکے حسینؑ جو راہِ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہِ گردوں رکاب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اس جناب کو
اک عید ہو گئی خلفِ بو تراب کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کا مل گیا

۲
صحرا پہ ہر طرف شہِ دیں نے نگاہ کی
سب تھم گئی سپاہ شہِ کم سپاہ کی
فرمایا آج چھٹ گئے ایذا سے راہ کی
ہاں اب کرو پسند جگہ خیمہ گاہ کی
آگے کہیں نہ جائیں گے اس ارضِ پاک سے
الفت ہماری خاک کو ہے یاں کی خاک سے

۳
مشتاق اس نواح کا تھا فاطمہ کا لال
رہتا تھا خواب میں بھی اسی دشت کا خیال
آفاق میں یہ ارضِ مقدس ہے بے مثال
سبزہ یہاں کا رحمتِ خالق سے ہے نہال
اب تک کسی صدف کو نہ ایسے گہر ملے
گردوں کو ایک اس کو بہتر قمر ملے

۴
شکرِ خدا کہ رنجِ سفر سے ہوا فراغ
غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
خاطر شگفتہ ہو گئی اور دل ہے باغ باغ
طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اس کار و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

۵
عالم میں قدر و منزلت اس کی سوا ہوئی
گرد اس کی بہرِ چشمِ ملک توتیا ہوئی
ہر درد کی خدا کے کرم سے دوا ہوئی
یہ خاکِ پاک آج سے خاکِ شفا ہوئی
بچنے عذابِ حق سے لحد میں پناہ ہو
طوفاں میں پاس ہو تو نہ کشتی تباہ ہو

۶
کی سروِ بوستانِ حسنؑ نے یہ گفتگو
آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے وطن کی بو
اکبرؑ یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خو
یاں کون سی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

۷
دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
پانی بھی خوش گوار ہوا بھی ہے معتدل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہاتھ منہ کو لبِ نہر دھوئیں گے
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

۸
فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا
موقع ہو جس جگہ وہیں خیمے کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا
رہتے ہیں دھوپ میں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

۹
زینبؑ نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام
محمل سے یوں پکاری کلیجے کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشتِ پر خطر میں اترنا تو قہر ہے

١٠

جنگل ہے سب یہ بشر کے بسے سو طرح کا ڈر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
بچے بھی مارے ہول کے ہیں ترپینے میں
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں

١١

اس سرزمیں کے گل نظر آتے ہیں مجھ کو خار
یہ بادِ تند تیر سی ہوتی ہے دل کے پار
نشتر سے کم نہیں رگِ جاں کو یہ سبزہ زار
اس بن کی خاک سے مری خاطر پہ ہے غبار
کیا رنگ آگے دیکھئے قسمت دکھاتی ہے
یاں کی زمیں سے خون کی بو مجھکو آتی ہے

١٢

لوگو مجھے بتاؤ یہ دریا ہے یا سراب
موجوں کو دیکھ دیکھ کے ہے دل کو پیچ و تاب
کاسے سروں کے ہیں کہ یہ ہیں ساغرِ حباب
ڈوبا ہے کون شور ہے کیسا میانِ آب
دھاریں لہو کی مل گئیں دریا کی موج میں
لہریں یہ ہیں کہ چلتی ہیں تلواریں فوج میں

١٣

پوچھو کسی سے مسلمؑ مظلوم کی خبر
بچوں کے اس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر
تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر
لاشے بہا دیے اسی دریا میں کھینچ کر
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھکو آئی ہے

١٤

یوں نہر کی ترائی میں کوئی ہے نوحہ گر
صاف آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر
مرتا ہے جس طرح سے کسی کا جواں پسر
یاں سوئے گا تو اے مرے عباسؑ نامور
دسواں اس کا مقام ہے جا گر تلق کی ہے
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیرِ حق کی ہے

١٥

غش کھا کے اب میں گرتی ہوں مجھ میں نہیں حواس
اصغرؑ بلک رہا ہے سکینہؑ کو ہے ہراس
عباسؑ کو بلاؤ کہ آئیں بہن کے پاس
خیمے یہاں ہوئے تو ہوئی زندگی سے یاس
نقشہ وہ پھر گیا مری چشمِ پُرآب میں
ایسا ہی دشت تھا جسے دیکھا تھا خواب میں

١٦

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
یہ نہر علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن
اترو یہیں کہ خوف کی جا گہ نہیں بہن
آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کے وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہاں ہوا تھا جنابِ امیرؑ کا

١٧

کچھ مال و زر نہیں کہ تلف کا ہو جس کے ڈر
مسکن یہی زمیں ہے یہی بے گھروں کا گھر
یکساں ہے بے وطن کے لیے شہر و دشت و در
کیا جانیں اس مقام سے ہو کس طرف سفر
انساں کو چاہیے کہ گناہوں سے پاک ہو
شاید ہماری خاک اسی بن کی خاک ہو

١٨

یہ سن کے بنتِ فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ
بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ڈوبے گا بحرِ خون میں دو عالم کا بادشاہ
سر پر اڑاؤ بیبیو اس سرزمیں کی خاک
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک

۱۹

اترے فرس سے حضرتِ عباسِؑ نیک نام
فراش جاتے تھے کہ برپا کریں خیام
بٹھلائے اونٹ خیمے کے سب کھینچ کر زمام
تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آ پہونچی فوج شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

۲۰

گھوڑا بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا
ہٹ جاؤ ابنِ سعد کے خیمے کی ہے یہ جا
بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ڈھونڈھو کنوئیں کہیں تمہیں دریا سے کام کیا
گرمی میں بند ہوئے گا پانی امام پر
ہوگا نہ کل ہوا کا گذر اس مقام پر

۲۱

چھپ جائے گی سپاہ کی کثرت سے سب زمیں
دریا بھی سوکھ جائے تو اس کا عجب نہیں
موسم وہ ہے کہ اتریں گے سب نہر کے قریں
جلدی کنارہ کش ہوں کنارے سے شاہِ دیں
دنیا میں آج شام کے حاکم کا زور ہے
یاں دوپہر سے شمر کے آنے کا شور ہے

۲۲

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسِؑ خوش خصال
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
غازی کو شیرِ حق کی طرح آ گیا جلال
اب کوئی ہم کو یاں سے ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستیں کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمیں کو

۲۳

دیکھیں ہٹا تو دو ہمیں ہٹنے کے یاں سے ہم
گر واں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
برپا کریں گے اب تو یہیں خیمۂ حرم
آلِ نبیؐ بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم
ہم اور خوفِ جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں

۲۴

گو فوج کم امامِ دلاور کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے
روحِ رسولؐ نائبِ حیدرؑ کے ساتھ ہے
لاکھوں تو لے سکیں یہ زمیں سر کے ساتھ ہے
لڑنے کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

۲۵

یاں سے کہیں بتول کا پیارا نہ جائے گا
لاشہ بھی اٹھ سکے گا یاں سے ہمارا نہ جائے گا
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا
رکھتے ہیں اس زمیں کے لیے سر کو ہاتھ پر
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر

۲۶

اعدا پکارے تب کہ نہ مانیں گے ہم یہ بات
بولا یہ سن کے بازوئے سلطانِ کائنات
اترے گی آ کے فوج ہماری لبِ فرات
ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دستِ خدا کا ہات
کیا تم کو ضربِ تیغِ علیؑ کی خبر نہیں
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں

۲۷

ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہلِ شر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر
عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضے پہ ہاتھ ادھر
بھائی خدا کے واسطے بھائیؑ کی لو خبر
للہ شیرِ بیشۂ حیدرؑ کو روکیے
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکیے

۲۸

عباسؑ کو یہ بڑھ کے پکارے شہِ امم
کھینچو نہ تیغ روحِ علیؑ کی تمہیں قسم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیِ ستم
خیمہ کریں گے اور کہیں یاں سے جا کے ہم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرضِ عین ہو
بے چین ہوں تو ہم ہوں یہ امت کو چین ہو

۲۹

غصہ یہ کس پہ میری طرف تم کرو نظر
تم کو ہٹا سکے کوئی کس کا ہے یہ جگر
پہچانتے نہیں تمہیں بھائی یہ اہلِ شر
جانے دو آؤ دور کرو دھیان ہے کدھر
منظور ناریوں کو ہے پانی کا آسرا
کوثر ہے اپنی تشنہ دہانی کا آسرا

۳۰

بیکس ہیں ہم کو تیغ پکڑنا نہ چاہیے
غربت میں قافلے سے بچھڑنا نہ چاہیے
گر جان پر بنے تو بگڑنا نہ چاہیے
امت سے نانا جان کی لڑنا نہ چاہیے
مشکل جنابِ خلق میں آخر خدا تو ہے
دریا اگر قریب نہ ہوگا خدا تو ہے

۳۱

کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل
مالک ہو تم تمہارا ہی دریا پہ ہے عمل
ہمت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل
غصے کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
مانو مرا کہا میں تمہارا امام ہوں
غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں

۳۲

سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب
ذرے کو تاب کیا ہے بھلا پیشِ آفتاب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب
ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابنِ بوتراب
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
حکمِ حضور حکمِ خدا و رسولؐ ہے

۳۳

بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہِ بحر و بر
مولا عدول حکمی کی کیا تاب کیا جگر
دے دیں گر ان کو آپ مرے ہاتھ باندھ کر
ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
گر یہ بدی کریں نہ شہِ کائنات سے
سر اپنا کاٹ دوں میں انھیں اپنے ہات سے

۳۴

فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار
سر میرا تیرے سر پہ تصدق ہزار بار
ہے ابنِ فاطمہؑ کی کمر تجھ سے استوار
بولا وہ باوفا کہ غلامی ہے افتخار
ہاں یہ ملال ہے کہ سر ان کے کٹے نہیں
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

۳۵

حضرت کے حکم سے تو لیا میں نے ہاتھ تھام
ہٹ جائیں پہلے یہ تو ہٹے آپ کا غلام
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے کہا اے سپاہِ شام
ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی ہو جاؤ گے تمام
لاکھوں ہوں گر تو ہوں اسے ٹوکا نہ جائے گا
بگڑے گا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا

۳۶

جس وقت یہ سنے شہِ ذی جاہ کے کلام
پسپا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہِ شام
بھائی کو ساتھ لے کے پھرے سیدالانام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباسِ نیک نام
کہتے تھے راہ میں کہ نہ وار اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

۳۷
وقت ایسا اب ہے آ گیا یا سیدِ اُمم
پانی بھی چھاگلوں میں بہت رہ گیا ہے کم
گرمی میں پیاس لگتی ہے بچوں کو دم بہ دم
فرمایا شہ نے چاہیے اللہ کا کرم
پانی کے بند کرنے پہ وہ ہیں تلے ہوئے
جنت کے در ہماری طرف ہیں کھلے ہوئے

۳۸
یہ کہہ کے آیا دھوپ میں زہراؑ کا آفتاب
تھا بھی موجِ رحمتِ حق جس کی ہر طناب
برپا ہوئے خیامِ امامِ فلک جناب
بے چوبہ فلک نظر آنے لگا حباب
صحن اس کا سب بتولؑ کے پیاروں سے بھر گیا
اک آسمان تھا کہ ستاروں سے بھر گیا

۳۹
خیمے میں اترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجیے نگاہ
آ آ کے اس طرف بھی اترنے لگی سپاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اک رات میں چڑھی ہوئی ندی اتر گئی

۴۰
اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
جس کے جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم
آ پہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم
اکثر ہیں یکہ تازِ جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئے گا

۴۱
یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشاں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں
امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادباں
بجتا تھا دخت کیں دہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

۴۲
جنگی وہ رومیوں کے پرے شامیوں کے دل
مکار و اہلِ نار و دغا باز و پُر دغل
خوفِ خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلیں مہیب دیو سے قد اژدروں پہ بل
بدخواہِ خاندانِ رسالت پناہؐ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

۴۳
تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دم بہ دم تھی صدا آسماں کے پار
غل ہو گیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
آگے بڑھے جلو میں نقیبوں کی تھی پکار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

۴۴
اترا قریبِ خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
سر پہ لگایا دوڑ کے خادم نے چترِ زر
بولا کسی سے پھر وہ سوئے نہر دیکھ کر
خیمہ ہے کس طرف کو شہِ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہراؑ کے لال کا

۴۵
خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر
آئے تھے یاں اترنے کی خاطر امامِ دہر
ہم نے اٹھا دیا انھیں لیکن بہ جبر و قہر
عباسؑ مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

۴۶

وہ دھوپ میں ہے خیمۂ زنگاریِ حسینؑ
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
پہروں علیؑ کی بیٹیاں روتی ہیں کر کے بین
آفت میں مبتلا ہے محمدؐ کا نورِ عین
بچوں کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ میں ہے نہ دریا قریب ہے

۴۷

بولا شقی کہ کتنی ہے فوجِ شہِ اُمم
سنتے تھے واں سپاہِ حسینی کی دھوم ہم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم
فاقوں کے مارے دم میں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے تو خود گنا ہے اِکاسی جوان ہیں

۴۸

ہے اِک علم یہ قلتِ لشکر کا ہے نشاں
یہ حال ہے فنا ہوا جیسے ہو کارواں
اردو میں جنسِ غم کے سوا جنس ہے گراں
غلہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحطِ آب و ناں
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہیں
کل سترہ تو اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں

۴۹

مطبخ ہے سرد آگ کا اس میں نہیں ہے نام
بچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
خاک آبدار خانے میں اُڑتی ہے صبح و شام
کیونکر لڑیں گے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
یاں سیکڑوں کمانیں ہیں فوجِ امیر میں
دو دو گریں گے خاک پہ ایک ایک تیر میں

۵۰

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ نوجواں ہیں کہل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
پس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگامِ دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائیں گے
اُن سے تو تیغ بھی سنبھالے نہ جائیں گے

۵۱

کیا جانے دل میں سوچے تھے کیا شاہِ کربلا
مقتل میں کھینچ کر انھیں لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
عمریں ہیں چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑیں گے کیا
کچھ آزمودہ کار نہیں کچھ مُسِن نہیں
اُن کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہیں

۵۲

ہم شکلِ مصطفےٰؐ کو تو اٹھارواں ہے سال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبّرؑ کا نونہال
نو دس برس کے ہوئیں گے زینبؑ کے دونوں لال
ہاں ایک جواں ہے حضرتِ عباسؑ خوش خصال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
خط اک طرف مسیں بھی کسی کی عیاں نہیں

۵۳

سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہِ نامدار
بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیرخوار
زینبؑ کے دو ہیں تین حسن کے ہیں گل عذار
دس ہیں عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار
زہراؑ کے جان و دل ہیں محمدؐ کے پیارے ہیں
یہ سترہ تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

۵۴

بتیس سب سوار شہِ دیں کے پاس ہیں
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر باحواس ہیں
غازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

۵۵

بولا وہ تب کہ ہوں گے جواں یاں کے کے ہزار
ہیں تین چار کوس کے گردے میں سب سوار
خولی نے کی یہ عرض یہ ممکن نہیں شمار
اک اک جواں ہے رستم میدانِ کارزار
ایسا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہیں صفیں کہ سمندر کی موج ہے

۵۶

پیدل ہیں اک طرف تو رسالے ہیں اک طرف
جاں باز ہاتھ قبضوں پہ ڈالے ہیں اک طرف
خنجر ہیں ایک سمت تو بھالے ہیں اک طرف
اور دس ہزار برچھیوں والے ہیں اک طرف
سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہِ دیں میں ہیں
کھینچے ہوئے کمانوں کو سرکش کمیں میں ہیں

۵۷

ہاتھوں میں پہلوانوں کے ہیں گرزِ گاؤ سر
ہر جا بچھی ہوئی ہیں کمندیں ادھر ادھر
ضربت سے جن کے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالوں کی نہر پر
سب لوگ جابجا پئے قتل و ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اوپی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

۵۸

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
نوک اس کی سینۂ علی اکبرؑ کے ہوگی پار
آئے تو رن میں حضرت شبیرؑ کا یادگار
اب کوئی دم میں گھر کی حسنؑ کے صفائی ہے
تلوار آج زہر میں میں نے بجھائی ہے

۵۹

تیغا اٹھا کے کوئی یہ کہتا ہے بد مزاج
دریا پہ اُن کو لائے تو پانی کی احتیاج
قیمت ہے اس کی شام کا اور روم کا خراج
عباسِ نامدار کے کاٹوں گا ہاتھ آج
جب دولتِ علیؑ کو قضا لوٹ جائے گی
فرزندِ فاطمہؑ کی کمر ٹوٹ جائے گی

۶۰

کہتا ہے کوئی تیر کو چلے میں جوڑ کے
سوئیں گے جب زمیں پہ جھولے کو چھوڑ کے
گزرے گا یہ گلا علی اصغرؑ کا توڑ کے
دونوں کڑے اتاروں گا پہونچے مروڑ کے
اصغرؑ کا طوق اپنے پسر کو پہناؤں گا
سوغات کربلا سے یہی لے کے جاؤں گا

۶۱

سنتا تھا میں کہ کہتا تھا اک شخص برملا
جو فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں سے ہے پلا
گھوڑے سے جب گریں گے شہنشاہِ کربلا
چھاتی پہ چڑھ کے کاٹوں گا اس شاہ کا گلا
وارث نہ کوئی ہوئے گا سید کی لاش کا
لوٹوں گا سب لباس تنِ پاش پاش کا

۶۲

کوفے کے لوگ کرتے ہیں آپس میں یہ سخن
سر پر ردا نہ ہوگی کہ بھائی کو دے کفن
اب بعدِ فتح بازوئے زینبؑ ہے اور رسن
خیمہ جلا کے لوٹیں گے اسبابِ پنج تن
ہے آرزو کہ دولتِ آلِ عبا لٹے
دیکھیں کہ کیسے علیؑ کی بہو کی ردا لٹے

۶۳

بولا خبر یہ سن کے وہ بانیِ ظلم و جور
حاکم ہیں آج زیرِ فلک ہے ہمارا دور
کل تک ابھی تو شام سے آئے گی فوج اور
سر کاٹ لیں گے صلح کا ہوگا اگر نہ طور
فرصت اب ایک دم کی نہ ہاں دو حسینؑ کو
بیعت اگر کریں تو اماں دو حسینؑ کو

۶۴
بولا کوئی کہ ہے ابھی بیعت سے اجتناب
کہنے لگا وہ تیرہ دروں کھا کے پیچ و تاب
مرنے کو راہِ حق میں سمجھتے ہیں وہ ثواب
یاں اب خیامِ شہ میں پہونچنے نہ پائے آب
پیاسوں پہ تیریاں سے بھی پڑتے ہیں کس طرح
دیکھیں حسینؑ لاکھوں سے لڑتے ہیں کس طرح

۶۵
یہ کہہ کے اپنے خیمے میں آیا وہ تیرہ سر
ظاہر ہوئی جو رن میں شبِ قتل کی سحر
یاں غازیوں نے رات عبادت میں کی بسر
پڑھ کر نماز شہ نے کسی جنگ پر کمر
گردوں نشیں سروں کو بہم پیٹنے لگے
بکھرا کے بال اہلِ حرم پیٹنے لگے

۶۶
زینبؑ تھی بے حواس پریشان سر کے بال
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت بہن کا حال
چلاتی تھی دہائی ہے یا شیرِ ذوالجلال
غل تھا کہ مرنے جاتا ہے خیر النساؑ کا لال
فرما کے الوداع ہر اک سوگوار سے
خیمے سے نکلے شاہ پیمبر مزار سے

۶۷
جب صدرِ زیں پہ دوشِ نبیؐ کا مکیں چڑھا
گویا کہ آسماں پہ مہِ نو زمیں چڑھا
خاتم پہ جیسے گوہرِ نجف کا نگیں چڑھا
غل پڑ گیا جہاد پہ ضرغامِ دیں چڑھا
ایک ایک رخ پہ قدرتِ حق کا ظہور تھا
لشکر نہ تھا حسینؑ کا دریائے نور تھا

۶۸
مجرے کو جھک گئے رفقا باندھ کر پرا
ہنس کر نظر عزیزوں کی جانب جو کی ذرا
حضرت نے سر پہ ہاتھ عجب پیار سے دھرا
سب باغِ فاطمہؑ نظر آیا ہرا بھرا
تھے اس طرح جوانوں میں لڑکے ملے ہوئے
ہوں جس طرح سے پھول چمن میں کھلے ہوئے

۶۹
ہنگام صبح تھی عجب اس باغ پر بہار
لٹکے ہوئے تھے چہروں پہ گیسوئے پیچ دار
جوں غنچہ مسکراتا تھا ایک ایک گلعذار
گھوڑے ہوا تو نکہتِ گل تھے وہ شہ سوار
شملے چھٹے جہاد پہ کمریں کسے ہوئے
خوشبوئے تنگی عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۷۰
قد چھوٹے چھوٹے سروِ گلستانِ اعتدال
چہرے بہ رنگِ لالہ شجاعت سے لال لال
شمشاد جن کے سایۂ قامت سے پائمال
رخ صاف صاف جن پہ نمایاں نہ خط نہ خال
کیا دخل نورِ حسن میں خالِ سیاہ کو
نقطے کی احتیاج نہیں حرفِ ماہ کو

۷۱
گل دستۂ حسینؑ میں اکبرؑ سا گل بدن
سنبل کو لائے پیچ میں وہ زلفِ پُر شکن
قرباں جس کے تن کی نزاکت پہ یاسمن
غل تھا کہ تنگ ترکیں غنچہ سے ہے دہن
مطلب کھلا ہوا ہے خطِ سبز رنگ کا
یہ حاشیہ لکھا ہے اسی متنِ تنگ کا

۷۲
تھی گرچہ پیاس سے دلِ نازک کو بے کلی
یوں مسکرائے بات شجاعت کی جب چلی
لیکن شگفتہ تھا وہ گلِ گلشنِ علیؑ
جیسے کھلی ہوئی ہو گلِ سرخ کی کلی
خوش بو مہک گئی چمن کائنات میں
بولے تو پھول جھڑنے لگے بات بات میں

٧٣

کیا رو ہلالِ عید کا ابرو کے سامنے
آئینہ دنگ آئینۂ رُو کے سامنے
بیجا ہے فخر مشک کا گیسو کے سامنے
پانی گلاب جسم کی خوشبو کے سامنے
مضمون صفاتِ قد کا قیامت سے لڑ گیا
قامت کے آگے سرو خجالت سے گڑ گیا

٧٤

عباسِ نامدار جوانوں میں لاجواب
حمزہ کا زور جعفرِ طیار کا شباب
قد سروِ باغِ حسن تو رُخ مثلِ آفتاب
شبّر کا خُلق شان و شکوہِ ابو تراب
لڑنے کو فوجِ کیں سے بہادر تُلا ہوا
سر پر نشانِ دیں کا پھریرا کھلا ہوا

٧٥

چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ بڑھے جب وہ گلعذار
ہیمز کی گو نہ بڑھا واں سے راہوار
اس دم فرس پہ مبتلائے عالم ہوئے سوار
حضرت کے مُنہ کو تکتا تھا پھر پھر کے بار بار
کو وہ الم گراں تھا دلِ دردناک پر
آنکھوں سے اس کے اشک ٹپکتے تھے خاک پر

٧٦

آزردہ ہو کے اس سے یہ بولے شہِ اُمم
بولا یہ کانپ کے وہ اسپِ خوش قدم
تو ساتھ اگر نہ دے تو پیادے ہی جائیں ہم
قدموں کو میں نہ چھوڑوں گا جب تک ہے دم میں دم
میری طرف حضور نہ رُک رُک کے دیکھیے
مولا مرے قدم کی طرف جھک کے دیکھیے

٧٧

جھک کر جو پشتِ زیں سے شہِ دیں نے کی نظر
کہتی ہے آنکھ مل کے قدم پر وہ نوحہ گر
دیکھا سموں سے لپٹی ہے زینبؑ برہنہ سر
اے ذوالجناح دخترِ زہراؑ پہ رحم کر
پاؤں گی پھر نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کو
لیجا نہ تو بہن سے چھڑا کر حسینؑ کو

٧٨

پچھلے سموں پہ رکھے ہے سر دوسری بہن
رو کے ہے راہ زوجۂ عباسِؑ صف شکن
پکڑے شکار بند کو ہے بیوۂ حسنؑ
گھونگھٹ دھرے ہے یاں پہ اک رات کی دلہن
حسرت سے ٹھہری ہے تنِ خوش خرام میں
ڈالے ہے ننھے ہاتھ سکینہؑ لگام میں

٧٩

گردن سے لپٹی کہتی ہے بانوئے نامدار
کرتا ہے مجھ کو رانڈ محمدؐ کا یادگار
صدقے میں تیرے اے مرے آقا کے راہوار
کام آگے ہوں علیؑ کی بہو میں جگر فگار
مر جاؤں گی میں ساتھ جو وارث کا چھٹ گیا
آگے قدم بڑھا تو مرا راج لٹ گیا

٨٠

اترے قدم رکابوں سے حضرت نکال کر
رو کر کہا ابھی سے نہ زینبؑ یہ حال کر
ہاتھوں سے خود بہن کو اٹھایا سنبھال کر
بولی وہ ہاتھ شاہ کی گردن میں ڈال کر
کچھ زورِ بے قراریِ دل سے نہ چل سکا
بھائی میں کیا کروں نہ کلیجہ سنبھل سکا

٨١

فرمایا تم کو فاطمہؑ کی روح کی قسم
بچوں کو ساتھ لے کے چلے پیٹتے حرم
جاؤ ابھی تو آئیں گے مقتل سے پھر کے ہم
رستے سے پھر کے بولی یہ زینبؑ بچشمِ نم
تسکیں نہیں مرے دلِ پُر اضطراب کو
گھوڑے پہ تم چڑھو میں سنبھالوں رکاب کو

۸۲

عباسؑ نے کہا کہ نہیں آپ کا یہ کام
تنہا ہمارے بعد جو رہ جائیں گے امام
خدمت کے واسطے ابھی حاضر ہے یہ غلام
تب تھا یہ سو رکابِ شہنشاہِ تشنہ کام
حیدرؑ نے دی صدا کہ ادھر دل حزیں بھی ہے
زہراؑ بھی ہے رکاب میں روح الامیں بھی ہے

۸۳

روتے ہوئے فرس پہ چڑھے بادشاہِ دیں
رخسار آفتاب تو مہتاب تھی جبیں
تھے پشتِ زیں پہ شاہ کہ خاتم پہ تھا نگیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
جن کے تنوں میں جان نہ تھی زندہ ہو گئے
ذرے زمیں پہ اخترِ تابندہ ہو گئے

۸۴

میداں میں جب سواریِ شاہِ امم چلی
فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
کس شان سے جلو میں سپاہِ حشم چلی
بدلی ہوا، نسیمِ ریاضِ ارم چلی
سرتاجِ عرش تھا جو کمیں صدرِ زین پر
قدسی پروں کو فرش کیے تھے زمین پر

۸۵

جوں جوں قدم بڑھاتا تھا سرور کا خوش خرام
تھا ارضِ کربلائے معلیٰ کا یہ کلام
بنتے تھے نقشِ سم سے زمیں پر مہِ تمام
گو فرش تھی پہ آپ میں ہوئی عرش احتشام
ذروں کا اس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
ہر سنگ ریزہ رشکِ دہِ شب چراغ تھا

۸۶

بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
بنتے تھے روئے مہر پہ ذروں میں تھا یہ نور
ہنستا تھا کہکشاں پہ یہ جادے کو تھا غرور
ہر سنگ ریزہ کہتا تھا میں ہوں چراغِ طور
تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبر سرشت ہوں
کہتی تھی گرد نکہتِ باغِ بہشت ہوں

۸۷

وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشیدِ خاوری
وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ حیدری
وہ صاف صاف آئنۂ چرخِ اخضری
راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
صدقے سواریِ شہِ گردوں رکاب کے
گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

۸۸

پہونچا جو اس حشم سے خدیوِ جہانِ دیں
کھولا نشانِ مرتضوی نے نشانِ دیں
صف باندھ کر کھڑے ہوئے سب ناصرانِ دیں
غل پڑ گیا کہ آج دو بالا ہے شانِ دیں
قدسی سب اٹھ کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے
طوبیٰ کا سر بھی جھک گیا تسلیم کے لیے

۸۹

ظاہر میں گرچہ تھے رفقا شاہ کے قلیل
جرأت میں بے نظیر، شجاعت میں بے عدیل
پیشِ خدا مگر وہ حقیقت میں تھے جلیل
سرگرم جان دینے پہ سب صورتِ خلیلؑ
فاقوں میں صبر و شکر سے دل اُن کے سیر تھے
جاں باز تھے جری تھے مجاہد تھے شیر تھے

۹۰

سر پر عمامے چاند سی پیشانیوں پہ نور
لب برگِ گل سے سوکھے ہوئے پیاس کا وفور
حاضر گلا کٹانے کو سب شاہ کے حضور
یکتا ہر اک مگر نہ تکبر نہ کچھ غرور
پیرو امام کے تھے نہ کیوں خوش طریق ہوں
آقا حسینؑ سا ہو تو ایسے رفیق ہوں

۹۱

ہر دم فروتنی کا لبوں پر کلام تھا
ایک ایک دل سے عاشقِ شاہِ انام تھا
شکرِ خدا ہے ان کی زبانوں کو کام تھا
آنکھوں میں نشۂ مئے حبِّ امام تھا
ہر حال میں وہ لوگ رضا جوئے شاہ تھے
رخ اُن کے مثلِ قبلہ نما سوئے شاہ تھے

۹۲

ذی جاہ و ذی جلالت و ذی فہم و ذی شعور
ہر شخص نشۂ مئے حبِّ علیؑ میں چور
شایقِ ریاضِ خلد کے مشتاقِ وصلِ حور
ذکرِ دعائے نور سے پیشانیوں پہ نور
ذرہ نہ زہرہ و ماہ میں اور اِن میں فرق تھا
اک اک جوان حُسن کے دریا میں غرق تھا

۹۳

ناگاہ فوجِ شام میں بجنے لگا دُہل
کڑکیں کمانیں آنے لگے ناوکِ اجل
تیغیں کھنچیں چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
شیروں کے تیوروں پہ پڑے اس طرح کے بل
تن تن کے ہونٹ چاب کے تھرا کے رہ گئے
تیروں کے زخم شاہ کو دکھلا کے رہ گئے

۹۴

بولے یہ رنگ دیکھ کے شبیرؑ خوش نہاد
جوں غنچہ کھل گئے وہ جواں ہو کے شاد شاد
ہاں اے مجاہدو رہِ حق میں کرو جہاد
سرخی لبوں پہ آ گئی پایا گلِ مراد
بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

۹۵

جس غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی حد
نعرہ ہر ایک ضرب پہ تھا یا علیؑ مدد
دو کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

۹۶

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
دریا کی سمت رُخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
اس شان سے کبھی نہ عجم سے عرب لڑے
پیاسے تھے تین روز کے لیکن عجب لڑے
بے دست ہو گئے تو یہ جوہر دکھا گئے
لوہے کو مثلِ شیرِ درندہ چبا گئے

۹۷

الحق تھے شیرِ بیشۂ ہیجا وہ صف شکن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن
مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخمِ تن
قربانِ بندہ پروریِ سرورِ زمن
غازی ستمگروں سے وغا کر کے مر گئے
حقِ نمک جو تھا وہ ادا کر کے مر گئے

۹۸

جب داخلِ جناں ہوئے وہ خاصگانِ حق
فرزندِ فاطمہؑ کو نہایت ہوا قلق
برہم ہوئے نبیؐ کے مرقع کے بھی ورق
صدمے سے ہو گیا رُخِ انور کا رنگ فق
چمکی جو اُن کی تیغ تو بجلی چمک گئی
شیروں کی آنکھ خوف کے مارے جھپک گئی

۹۹

لڑکے ہوئے جو معرکہ آرائے کارزار
پیدل تو اُن کی ضرب سے بچتا تھا نے سوار
واں کے جواں نہ روک سکے بچوں کا وار
کر دیتے تھے وہ ایک کو دو اور دو کو چار
چھوٹے سے بچوں سے ستمگر پہ تنگ تھے
گہہ سر پہ گہ کمر پہ کبھی زیرِ تنگ تھے

لشکر میں اہلِ ظلم کے غل تھا کہ الاماں	۱۰۰	دو بجلیاں چمکتی ہیں بھاگے کوئی کہاں
ان سے کہیں پناہ نہیں زیرِ آسماں		یہ کس کے شیر ہیں کہ نہیں جن کو خوفِ جاں
حضرت پکارتے تھے کہ دو دن کے پیاسے ہیں		جس کا پسر ہوں میں یہ اسی کے نواسے ہیں
پامال کر کے فوج کو جب وہ ہوئے تمام	۱۰۱	روشن کیا چراغِ حسنؑ نے تب اپنا نام
نکلا جہاد کرنے کو پھر بازوئے امامؑ		ایسا لڑا کہ ڈوب گئی خوں میں فوجِ شام
روئے امام اس کی جوانی کے واسطے		دریا پہ قتل ہو گیا پانی کے واسطے
رخصت ہوا پدر سے علی اکبرؑ دلیر	۱۰۲	لشکر کو سرکشوں کے کیا اس نے دم میں زیر
آخر ہجوم کر کے لیا ظالموں نے گھیر		برچھی جگر پہ چل گئی مارا گیا وہ شیر
صدمے سے حال سبطِ نبیؐ غیر ہو گیا		تا ظہر سب کا خاتمہ بالخیر ہو گیا
تنہا کھڑے تھے دل کو سنبھالے ہوئے حسینؑ	۱۰۳	ہلتا تھا چرخ کہتے تھے جب ہائے نورِ عین
خیمے کے در پہ بی بیاں کرتی ہیں رو کے بین		چلاتی تھی یہ فاطمۂ زہراؑ بہ شور و شین
صدمے سہوں کلیجے پہ کس کس کے داغ کے		افسوس پھول جھڑ گئے سب میرے باغ کے
راوی نے یہ لکھا ہے کہ اس دم بحالِ زار	۱۰۴	لائے حسینؑ ہاتھوں پہ اک طفلِ شیر خوار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار		مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گل عذار
تھا فرطِ غش سے ننھا سا مکھڑا ڈھلا ہوا		باندھے ہوئے تھا مٹھیاں منہ تھا کھلا ہوا
چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا زیبِ سر	۱۰۵	ا تھا جھنڈولے بالوں میں ہالے میں جوں قمر
ترچھی بھویں وہ جن پہ تصدق دلِ پدر		آنکھیں تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر
سایے میں دامنِ خلفِ بوترابؑ کے		رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے
پھیلا ہوا وہ آنکھوں میں کاجل ادھر ادھر	۱۰۶	خشکیدہ ہونٹ سوئے مژہ آنسوؤں سے تر
باچھوں سے تھا نمود بچے دودھ کا اثر		ہاتھوں میں نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینے پر
ننھے سے دل کو ماں سے بچھڑنے کا درد تھا		رن کی ہوائے گرم سے جسم اس کا سرد تھا
مہکی ہوئی تھی دشت میں گل سے بدن کی بو	۱۰۷	ان گورے گورے گالوں میں تھی یاسمن کی بو
شہ سونگھتے تھے دودھ بھرے اس دہن کی بو		گویا لبوں سے آتی تھی نسرینِ بن کی بو
آثارِ مرگ پھول سے رخ پر نمود تھے		ہچکی لگی ہوئی تھی مسوڑھے کبود تھے
تھے لعلِ لب نگینۂ یاقوتِ احمری	۱۰۸	رنگیں ہے جن کے وصف میں باغِ سخنوری
غنچہ کا منہ ہے کیا جو کرے ان سے ہمسری		وہ خار یہ رگِ گلِ بستانِ حیدریؑ
تھی نازکی میں اس پہ خزاں مارے پیاس کے		تالو سے لگ گئی تھی زباں مارے پیاس کے

۱۰۹

روشن گلا تھا شمعِ تجلّیِ طورِ حسن
گیسے ہوئے تھا تختی سی ہنسلی کو نورِ حسن
مثل ستارۂ سحری تھا وفورِ حسن
ہوتا ہے جس طرح مہِ نو سے ظہورِ حسن
چھیدیں گے وہی گلا یہ لعینوں کے جی میں تھا
یاں کنٹھ بیٹھ جانے سے جی دھکدھکی میں تھا

۱۱۰

گرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
سینہ تھا صاف صورتِ آئینہ جلوہ گر
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دمِ سحر
گرمی سے ہو گیا تھا شلوکہ عرق میں تر
چھاتی میں دم بہ دم جو دم اس کا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا تھا

۱۱۱

صدمے سے پیاس کے رخِ معصوم تھا جو زرد
ہچکی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد
حضرت فلک کو دیکھتے تھے بھر کے آہِ سرد
آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد
پانی کی جستجو تھی شہِ خوش صفات کو
تکتے تھے چشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

۱۱۲

جاری یہ لب پہ تھا کہ نہ آیا تجھے حجاب
دو دن سے خشک ہے چمنستانِ بوتراب
اے نہر مر گئے مرے بچے بغیرِ آب
محشر میں دے گی ساقیِ کوثر کو کیا جواب
سیراب سب چرند و پرند اور پیاسے ہم
شکوہ ترا کریں گے رسولِ خدا سے ہم

۱۱۳

یہ کہہ کے شامیوں کو صدا دی بہ چشمِ تر
نکلا یہ سن کے فوج سے ظالم بہ کرّ و فر
کہتا ہے کچھ مجھے عمرِ سعد سے کدھر
پہنے لباس فاخرہ باندھے ہوئے کمر
خادم تھے ساتھ ہاتھ میں مسند لیے ہوئے
اور ایک شخص چتر کا سایا کیے ہوئے

۱۱۴

بولے دکھا کے بچے کو شاہِ فلک سریر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر
مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودکِ صغیر
للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہماں ہے کوئی آن کا ہونٹوں پہ جان ہے
اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

۱۱۵

نالاں ہے تجھ سے روحِ رسولِ فلک اساس
موجود ہیں صراحیاں پانی کی تیرے پاس
اتنا بھی دل نہ سخت کر اے ناخدا شناس
اک گھونٹ دے اسے کہ ہے سولہ پہر کی پیاس
بچے پہ ظلم صاحبِ ایماں سے دور ہے
چھوٹے سے میہمان کی خاطر ضرور ہے

۱۱۶

برپا ہے اہلِ بیتِ محمد میں شور و شین
آنکھیں پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نورِ عین
در پر پھوپھی بلکتی ہے ماں کر رہی ہے بین
لایا ہے اس عطش میں ترے پاس اب حسینؑ
تجھ کو قسم ہے روحِ رسالت مآبؐ کی
ٹپکا دے اس کے حلق میں اک بوند آب کی

۱۱۷

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہِ بحر و بر
رویا جھکا کے سر پسرِ سعد خیرہ سر
دل دشمنوں کے ہل گئے تھرّا گئے جگر
فولاد موم ہو گیا اللہ رے اثر
مضطر تمام فوج کے پیر و جواں ہوئے
آنکھوں سے مرکبوں کی بھی آنسو رواں ہوئے

۱۱۸
بولے یہ ابن سعد سے سردارِ فوجِ شام
دیتے ہیں اُس کو آب جو کافر ہو تشنہ کام
واللہ اے امیر یہ ہے رحم کا مقام
بیکس و غریب تو سید ہے اور امام
کچھ شرم بھی ہے شرط مسلماں کے واسطے
ہوے حکمِ آب اصغرِ ناداں کے واسطے

۱۱۹
تب ابن سعد کرنے لگا شمر سے کلام
کہنے لگا بگڑ کے یہ وہ نطفۂ حرام
اصغرؑ کو خود پلا دے تو پانی کا ایک جام
ہم کو نہیں ہے تابِ عتابِ امیرِ شام
پیاسا کریں گے ذبح ہم اس نونہال کو
پانی نہ دیں گے بانوئے بیکس کے لال کو

۱۲۰
یہ کہہ کے ابن سعد کے کچھ کان میں کہا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ کربلا
حضرت کے سامنے سے ہٹا تب وہ بے حیا
سمجھا میں تیرے مکر کو اے بانیِ جفا
خیر اب کچھ آرزو نہیں اس آبِ زشت کی
لہرا رہی ہیں سامنے نہریں بہشت کی

۱۲۱
فرما کے یہ حسینؑ چلے سوئے خیمہ گاہ
تنہا کماں کشوں میں گھرا فاطمہؑ کا ماہ
گھوڑے بڑھا بڑھا کے ہوئی فوج سدِّ راہ
جھپٹے ادھر اُدھر پہ نہ پائی کہیں پناہ
چھایا ستم کا ابر شہِ نامدار پر
تیروں کا مینہ برسنے لگا شیرخوار پر

۱۲۲
آئے جو ہر طرف سے شہِ بحر و بر پہ تیر
غل تھا چلیں حسینؑ کے تختِ جگر پہ تیر
تلوار ہے قلم ہے روکے سپر پہ تیر
آنے دیا نہ شاہ نے لیکن پسر پہ تیر
آنسو رواں تھے آنکھوں سے بچے کے حال پر
مثلِ کماں جھکے ہوئے تھے اپنے لال پر

۱۲۳
پیہم پکارتے تھے شہِ آسماں جناب
منہ پھیرتے تھے سب کوئی دیتا نہ تھا جواب
یہ کیا خطا ہے روحِ نبیؐ سے کرو حجاب
نکلا پرے سے حرملۂ خانماں خراب
جلدی کماں میں جوڑ کے سرکش نے تیر کو
تاکا نگاہِ قہر سے حلقِ صغیر کو

۱۲۴
کتنا بچایا شہ نے اجل سے نہ بس چلا
آنسو بھر آئے آنکھوں میں منکا جو ہیں ڈھلا
تڑکی ادھر کمان ادھر چھد گیا گلا
آنکھوں سے شہ نے آنکھیں ملیں منہ سے منہ ملا
جو حسرتیں تھیں دل میں قضا نے نکال دیں
ننھی سی باہیں باپ کی گردن میں ڈال دیں

۱۲۵
اک آہ کر کے غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
رونے لگے صغیر کی صورت کو دیکھ کر
سینے میں فرطِ غم سے لہو ہو گیا جگر
منہ رکھ دیا کھلے ہوئے منہ پر بہ چشمِ تر
چوما گلا چھدا ہوا اس نونہال کا
ملنے لگے جبیں پہ لہو اپنے لال کا

۱۲۶
کھینچا جو شہ نے تیر تو بچہ دہل گیا
مردہ ہوئے حیات کا نقشہ بدل گیا
خوں جوش کھا کے زخمِ گلو سے اُبل گیا
ہچکی کے ساتھ ہونٹ کھلے دم نکل گیا
حضرت نے سر کو پیٹ کے اس طرح آہ کی
تڑپی لحد میں روحِ رسالت پناہ کی

۱۲۷

اے اہلِ بزم پیٹنے رونے کی ہے یہ جا
کیا شاہِ دیں پہ ظلم ہوئے وا مصیبتا
اولاد والو ہے یہ دمِ نالہ و بکا
گودی میں مر گیا چھ مہینے کا دل ربا
پھٹ جائے کیوں جگر نہ شہِ خوش خصال کا
ماتم اُدھر جواں کا اِدھر خورد سال کا

۱۲۸

غصے سے حرملا نے کہا یوں پکار کر
مجھ سے نکل کے جنگ اب اے نابکار کر
نازاں ہے تیر حلق پہ بچے کے مار کر
آتا ہوں ننھی لاش لحد میں اتار کر
سینے پہ میرے تیر لگاتا تو غم نہ تھا
بچہ مرا یہ ناقۂ صالح سے کم نہ تھا

۱۲۹

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہنشاہِ بحر و بر
یا شاہ اب نکلتی ہے بانو برہنہ سر
ناگہ پکاری ڈیوڑھی سے فضہ بہ چشمِ تر
اصغر جو رو رہے ہوں تو لے آئیے ادھر
بہنیں ہیں بے قرار پھوپھی بے حواس ہے
مادر کی گود خالی ہے جھولا اداس ہے

۱۳۰

چلائے منہ پھرا کے شہنشاہِ مشرقین
فضہ یہ شہربانو سے کہہ دے بہ شور و شین
اصغر تو کوچ کر گئے لا کے گئے حسینؑ
گھر میں بس اب نہ آئے گا زہراؑ کا نورِ عین
جن کی تمھیں طلب ہے وہ سوئے جناں گئے
جاتے ہیں ہم بھی اب وہیں اصغر جہاں گئے

۱۳۱

یہ کہہ کے ذوالفقار سے کھودی وہیں زمیں
تربت پہ منہ کو رکھ کے پکارے یہ شاہِ دیں
ہاتھوں سے کی سپردِ لحد لاشِ نازنیں
اب سوؤ خوب چین سے اے میرے مہ جبیں
تم یہ نہ جانیو کہ ہمیں چھوڑے جاتے ہیں
ہم بھی تمھارے پاس کوئی دم میں آتے ہیں

۱۳۲

یہ کہہ کے اٹھے واں سے بحسرت امامِ پاک
بازو سے خوں رواں تھا گریباں تھا چاک چاک
رخسار پر لگی تھی مزارِ پسر کی خاک
اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشمناک
دل دشمنوں کے خنجرِ ابرو سے کٹ گئے
الٹی جو آستیں تو پرے سب الٹ گئے

۱۳۳

نعرہ کیا تو رعد نے گردوں پہ کی فغاں
اٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیرِ آسماں
کھینچی جو تیغ برق پکاری کہ الاماں
گردش جو دی تو سب تہ و بالا ہوا جہاں
طبقے زمیں کے روحِ امیں کے پروں پہ تھے
یاں سر پڑے تھے خاک پہ اور تن سروں پہ تھے

۱۳۴

جس صف پہ کوندھ کر وہ گری سر اڑا دیے
پھل برچھیوں کے مثلِ گلِ تر اڑا دیے
بازو کماں کشوں کے برابر اڑا دیے
جو مرغِ تیر اُدھر سے اڑا پر اڑا دیے
جاں سرکشوں کی جانبِ ملکِ عدم چلی
ایسی ہوا کبھی گلشنِ عالم میں کم چلی

۱۳۵

شمشیرِ شہ کے وصف میں لکھتا ہوں چند بند
نیزے کا جس نے باندھا بڑھا کر سمند بند
جوہر شناس بھی یہ کریں گے پسند بند
کاٹا علیؑ کی تیغ نے گرتے ہی بند بند
کیا ضرب تھی کہ فتح کا دروازہ کھل گیا
اجزائے جسمِ نحس کا شیرازہ کھل گیا

۱۳۶

بجلی سی کوند کر صفِ اعدا پر جب گری
بے دم تھا جس پہ تیغِ شہِ تشنہ لب گری
ہر سمت غل ہوا کہ وہ برقِ غضب گری
کھلتا نہ تھا کب اٹھ گئی اور سر پہ کب گری
چل پھر سے اس کی فوجِ ستم دردناک تھی
گردوں پہ تھی کبھی تو کبھی زیرِ خاک تھی

۱۳۷

دو لاکھ پر وہ تیغ برستی چلی گئی
بجلی سی دونوں باگوں پہ گرتی چلی گئی
ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
دم میں جلا کے خرمنِ ہستی چلی گئی
زخموں کو اس نے آتشِ سوزاں بنا دیا
ہر نخلِ قد کو سروِ چراغاں بنا دیا

۱۳۸

اس تیغ کی برش سے زبردست زیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے
روباہ بن گئے تھے وہ دل جن کے شیر تھے
تودے تھے سرکشوں کے کمانوں کے ڈھیر تھے
غل تھا کہ اے نبیؐ کے نواسے پناہ دے
اے دو شبانہ روز کے پیاسے پناہ دے

۱۳۹

آئی ندائے غیب کہ اے ابنِ مرتضیٰؑ
کس کا یہ منہ ہے تجھ سے کوئی کر سکے دغا
سعی یہی ہیں جنگ کے شاباش مرحبا
وعدے پہ پہنچنے کے مناسب ہے اب وفا
ہم منتقم ہیں ان سے نہ تو انتقام لے
اے صابروں کے فخر بس اب ہاتھ تھام لے

۱۴۰

آوازِ غیب سنتے ہی ٹھہرا گئے امام
گردن پھرا کے منہ کو لگا تکنے خوش خرام
کی ذوالفقار میان میں اور روک لی لگام
فرمایا تجھ سے ہوتا ہے رخصت یہ تشنہ کام
رک جا کہ خاتمہ ہوا جنگ و جدال کا
اب سر چڑھے گا نیزے پہ زہراؑ کے لال کا

۱۴۱

ناگاہ تشنہ لب پہ چلے برچھیوں کے وار
تینوں سے ہاتھ کٹ گئے سر ہو گیا فگار
اک جسمِ نازنیں پہ چلے تیر دس ہزار
تیورا گیا وہ فاطمہ زہراؑ کا گلعذار
کھائی سناں جو غش میں دلِ دردناک پر
کرسی نشین عرش گرا فرشِ خاک پر

۱۴۲

پہونچی جو ضرب پھٹ گئے زخمِ تنِ حسینؑ
سر خاک پر ٹیکنے لگا توسنِ حسینؑ
سب خاک و خوں میں بھر گیا پیراہنِ حسینؑ
سجدے کو سوئے قبلہ جھکی گردنِ حسینؑ
اعدا نے کائنات کا دفتر الٹ دیا
تیروں نے لاشِ شہ کو زمیں پر الٹ دیا

۱۴۳

بولا یہ فوج سے عمرِ سعدِ روسیاہ
نکلے کہیں نہ خیمے سے زینبؑ باشک و آہ
ریتی پہ اب تو غش ہے محمدؐ کا رشکِ ماہ
ہاں کاٹ لو سر پسرِ ضیغمِ الٰہ
راحت کا بعدِ فتح سر انجام کیجیو
زہراؑ کے گھر کو لوٹ کے آرام کیجیو

۱۴۴

خولی علم کیے ہوئے شمشیرِ کیں بڑھا
خنجر کمر سے کھینچ کے شمرِ لعیں بڑھا
بڑھتے ہی اس کے اپنے پرے سے حصیں بڑھا
شہ کی طرف چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
زینبؑ نے دی دہائی تو منہ کو پھرا لیا
زانو سے شہ کا سینۂ زخمی دبا لیا

۱۴۵
پھیرا گلوئے خشک پہ خنجر جو ایک بار
شہ رگ پہ جب پہونچ گئی تیغِ ستم کی دھار
آثارِ صبحِ حشر ہوئے رَن میں آشکار
چلّائے ہاتھ اٹھا کے امامِ فلک وقار
بیکس ہوں تشنہ کام ہوں تیغوں سے چور ہوں
یارب گواہ رہیو کہ میں بے قصور ہوں

۱۴۶
یارب بحقِ گوہرِ دندانِ مصطفےٰؐ
یارب بحقِ حرمتِ زہراؑ و مجتبیٰؑ
یارب بحقِ خونِ سرِ شاہِ مرتضےٰؑ
کچھ اور مانگتا نہیں اصغرؑ کا خوں بہا
ہے تجھ سے التجا یہی مجھ دل ملول کی
امت کو بخش دے مرے نانا رسولؐ کی

۱۴۷
یہ کہتے تھے کہ حلق سے خنجر گذر گیا
دنیا سے بادشاہِ اُمم کوچ کر گیا
خورشیدِ آسمانِ شرف خوں میں بھر گیا
چلائی فاطمہؑ کہ مرا شیر مر گیا
برپا ہو جب یہ حشر تو کیا دل کو کل پڑے
باہر سب اہلِ بیتِ محمدؐ نکل پڑے

۱۴۸
زینبؑ نے خیمہ گاہ سے باہر جو کی نظر
لڑکی جو ساتھ تھی وہ پکاری بہ چشمِ تر
دیکھا اک آفتاب کو نیزے پہ جلوہ گر
میں لٹ گئی پھوپھی مرے بابا گئے کدھر
شہ ذبح ہو گئے نہ کسی کو خبر ہوئی
ہے ہے ذری سی عمر میں میں بے پدر ہوئی

۱۴۹
بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ
منہ پیٹ کے زمیں پہ گری پھر باشک آہ
ہاتھوں سے دل پکڑ کے کہا وا محمداہ
چلّائی ہائے خانۂ زہراؑ ہوا تباہ
ہم سب کے چین اب تہِ افلاک اٹھ گئے
ہے ہے جہان سے پنجتنِ پاک اٹھ گئے

۱۵۰
ہے ہے شہیدِ خنجرِ ظلم و جفا حسینؑ
ہے ہے غریب و بیکس و بے آشنا حسینؑ
ہے ہے گلو بریدۂ راہِ خدا حسینؑ
ہے ہے ذبیحِ ماریہ و بے نوا حسینؑ
ہے ہے لہو بھری ہوئی زلفیں لٹکتی ہیں
ہے ہے رگوں سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں

۱۵۱
لوٹا بلا کے گھر سے محمدؐ کی آل کو
ہے ہے دیا کفن بھی نہ زہراؑ کے لال کو
پیاسا کیا شہید شہ خوش خصال کو
لوگو خبر کرو اسدِ ذوالجلال کو
دیکھیں بغور زخم تنِ پاش پاش کے
ٹکڑے اٹھائیں آن کے بیٹے کی لاش کے

۱۵۲
بس اے انیسؔ حشر ہے مجلس میں اب خموش
ہے ماتمِ حسینؑ کا بزمِ عزا میں جوش
سر پیٹتے ہیں عاشقِ سرور بصد خروش
کیا مرثیہ پڑھا کہ کسی میں نہیں ہے ہوش
فرما رہے ہیں شیرِ خداؑ مرحبا تجھے
دیتی ہے روحِ فاطمہ زہراؑ دعا تجھے

رباعی

رعبِ شہِ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانے میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

رباعی

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ
ہے ابرِ کرم دستِ سخائے حیدر
یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ آدمؑ و نوحؑ
سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

رباعی

ایک ایک قدم لغزشِ مستانہ ہے
گلزارِ بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حُبِّ ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

رباعی

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فسا
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

رباعی

ہشیار کہ وقتِ ساز و برگ آیا ہے
ہنگامِ یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاجِ عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے اب چوبدارِ مرگ آیا ہے

رباعی

سینے میں یہ دم مثلِ سحر گاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس
اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

مرثیہ ۱

بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُرؑ
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر
ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
گو ہر تاجِ سرِ عرش ہو وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

۲

واہ رے طالعِ بیدار کہ ہے عزت و جاہ
پیشوائی کو گئے آپ شہِ عرش پناہ
حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا اللہ اللہ
خضرِ قسمت نے بتادی اُسے فردوس کی راہ
مدتوں دور رہے جو وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

۳

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر
ابھی ذرّہ تھا ابھی ہو گیا خورشیدِ منیر
تکیۂ زانوئے شبیرؑ ملا وقتِ اخیر
اوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

۴

اللہ اللہ حرِ صفدر و غازی کا نصیب
ہجر میں لطف ملاقات کا دوری میں قریب
جانِ محبوبِ الٰہی جسے فرمائے حبیب
وہی کام آتے ہیں محسن کے جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشق دلی کہتے ہیں
اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

۵

آیا کس شوق سے کعبے کی طرف چھوڑ کے دَیر
حق نے لکھدی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر
کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
فتنہ و شر سے بچا ہو گیا انجام بہ خیر
ذکرِ خیر اس کے موئے پر بھی ہوئے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر ایک وقت میں کام آتے ہیں

۶

کفر کی راہ سے کارہ تھا جو وہ نیک طریق
تھے تو لاکھوں پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق
کس بشاشت سے ہوا رہبرِ ایماں کا رفیق
خلق طینت میں ہے جس کی وہی ہوتے ہیں خلیق
اوج دیندار کو بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھی ہے وہی کستی ہے

۷

کیوں نہ بالیدہ ہوا اس کا چمنِ جاہ و جلال
ہو گیا فاطمہؑ کے باغ میں آتے ہی نہال
جس کو سرسبز کرے خود اسد اللہ کا لال
وہ ثمر پائے کہ پہونچے نہ جہاں دستِ خیال
کھل گیا غنچۂ دل عذر جو منظور ہوئے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ، گنہ دور ہوئے

۸

حر کہاں اور کہاں احمدِ مرسل کا خلف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے ہیں شرف
بخت نے دیر سے پہونچا دیا کعبے کی طرف
جبکہ آنکھیں ہوئی حق بیں تو ملا دُرِّ نجف
نیک جس امر میں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوئے بن جاتے ہیں

۹

وصفِ حر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
آمد آمد کی بہادر کا سنو اب مذکور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پہ بھی ستارے نکلے

۱۰

کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ اللہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ
کوئی ہم خلعتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ
چمنِ خلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھولدیا
بڑھ کے عباسؑ نے یاں سبز علم کھول دیا

۱۱

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ
رن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے عربی
آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
یکہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

۱۲

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماندار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبیؐ زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

۱۳

یہ سخن سن کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

۱۴

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
کیا بجاتے کہ بجاتے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا اُن کے سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ نبیؐ سے سرِ آواز ہوا

۱۵

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب اک بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہ ناہنجار
یوں گہربار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
قتلِ سادات کی لشکر ہیں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ یہ فرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا

۱۶

مجھکو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
کیوں نبیؐ زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں الٹ جائے گا

۱۷

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِ خاتم کا نگیں
میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ امکاں میں اندھیرا ہو جائے

۱۸

قلزمِ عز و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
آج گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں
وارثِ احمدِ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

۱۹
یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں جو میں سینہ فگار
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہردار
کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پہ ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے یہ تیغِ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے

۲۰
جنگ آئے گا تو رُکنے کا نہیں پھر شمشیر
ایک حملے میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بُرّاں شمشیر
شیر ہوں لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں

۲۱
مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ امت کا خیال
روک دیتا مجھے رستہ میں یہ حُر کی تھی مجال
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال
پوچھ لو دیکھا ہے سب نے مرے شمشیروں کا جلال
گفتگو میں سر اس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہونچوں سے قلم ہو جاتے

۲۲
غیظ سے ہاتھ چباتے تھے علیؑ کے دلدار
پیچے توتے تھے عونؑ و محمدؑ ہر بار
اُبلی پڑتی تھی جگر بندِ حسنؑ کی تلوار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رکے وہ جرار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

۲۳
تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیرِ جوان
سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سنان
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جان
رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امامِ دو جہان
کچھ تردد نہیں سر تن سے اتارا جائے
کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

۲۴
گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایان
گر کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حر تو ہے موجود عیاں راچہ بیاں
اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

۲۵
زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر
مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عباسِ دلاور سے کہا گھبرا کر
مشکوں والے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی
جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

۲۶
رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب
چھاگلیں جلد منگاؤ مرا دل ہے بیتاب
سقے مشکیزوں کے منہ کھول کے آپہونچے شتاب
متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے بے انھیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا اُسے دو جام دیے

۲۷
تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا
ٹھنڈے پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا
سقے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

۲۸

آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں
فرس و اشتر و تا طرّہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابن ید اللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

۲۹

اک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ
کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو گیا سب نے پھرا لی ہے نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

۳۰

کئی طفل اِن میں ہیں کمسن جو موئے جاتے ہیں
دم اکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو شرماتے ہیں
پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

۳۱

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمرِ سعد نے کی پھر کے رخِ حر پہ نگاہ
بولا وہ اشہدُ باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
اِن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
محسنِ حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

۳۲

ایک میں کیا ہوں زمانے پہ ہے احساں اِن کا
ابرِ رحمت ہیں خطا پوش ہے داماں اِن کا
خشک و تر پہ ہے کرم خلق میں یکساں اِن کا
ہے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں اِن کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئے گا
جو ادھر ہو گا خدا اُس کی طرف ہوئے گا

۳۳

یہ ابھی ہاتھ اٹھا کر جو دعا فرمائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں فوراً پائیں
جامِ کوثر ہمیں فردوس سے حوریں لائیں
مثلِ خورشید ہے روشن وہ شرف اِن کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

۳۴

اِن سے قطرہ کوئی مانگے تو گہر دیتے ہیں
ہیں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
اُس مجرم کی گنہ گار کی امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

۳۵

حر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعدِ شریر
یہ تو ہے صاف طرف داریِ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شبیرؑ
سن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
الفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

۳۶

نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج
سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

۳۷

کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال
قصرِ یاقوت میں پہونچا جو ترا رنگ ہے لال
مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال
کون سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے رال
دخترِ حق نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسلیم نے بیہوش کیا

۳۸

میں جہاں دیدہ ہوں سب مجکو خبر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری
قرۃ العینِ محمدؐ پہ نظر ہے تیری
جسمِ خاکی ہے اِدھر جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تو نے فرزندِ یداللہؑ سے سازش کی ہے

۳۹

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
حاکمِ شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور
لکھیں گے عمدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اُس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئیں گے
زن و فرزند گرفتارِ بلا ہوئیں گے

۴۰

نفع اس امر میں کیا جس میں ہو مردم کا ضرر
شجرِ قامتِ سرور پہ جو ڈالے گا نظر
آنکھیں نکلیں گی محبت سے جو دیکھے گا ادھر
سر چڑھے گا ترا برچھی پہ یہ ہے اس کا ثمر
الفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رخ دیکھا تو گھر خالصے لگ جائے گا

۴۱

بدرِ پیشانیِ سرورؐ کا ہے جو سر میں خیال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکل ہلال
تو اسی ماہ میں نقصاں ترا ہوئے گا کمال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا مآل
عشقِ رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ترا کٹ جائے گا

۴۲

خوف کس بات کا پیاسوں سے یہ تھرانا کیسا
ننگ کی بات ہے دشمن کی طرف جانا کیسا
لب پہ ہر مرتبہ بیکس کی ثنا لانا کیا
ہو نبیؐ یا کہ وصی جنگ میں شرمانا کیا
ابھی لے جائیں جو شبیرؑ کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اِس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

۴۳

حرؑ پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار
ابنِ زہراؑ ہے جگر بندِ رسولِ مختار
قابلِ لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار
میرا کیا منہ جو کروں مدحِ امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا اُن کی ثنا کرتا ہے

۴۴

وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے
کسی انساں نے ہیں دنیا میں یہ رتبے پائے
تین سو آیے ہوں تعریف میں جن کی آئے
اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
الفتِ آلِ نبیؐ میری خوش اقبالی ہے
ننگ ہے اُن کی محبت سے جو دل خالی ہے

۴۵

اسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
خاکِ پا اُس کا ہوں میں ہے جو سرِ عرش کا تاج
میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
کیوں ترے سامنے مکروں کہ نہیں بخشا ہے
ہاں مجھے شاہ نے فردوسِ بریں بخشا ہے

۴۶
باغ جو مجھکو دکھایا اسے کیا جانے گا تو
مجھکو اللہ نے بخشیں ہیں وہ حوریں خوش رو
راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو
نام کوثر کا نہ لے تو مجھے جوش آتا ہے
انھیں چھینٹوں سے تو بیہوش کو ہوش آتا ہے

۴۷
عزتِ دیں شرفِ کون و مکاں ہیں شبیرؑ
سنگ پانی ہو وہ اعجاز بیاں ہیں شبیرؑ
جانِ زہراؑ کی محمدؐ کی زباں ہیں شبیرؑ
جان کیوں ہو نہ اُدھر جانِ جہاں ہیں شبیرؑ
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہو جائے
وہ نہ بخشیں تو خدا تک نہ رسائی ہو جائے

۴۸
کیا میں اور کیا وہ ریاست مری کیا میرے عیال
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھکو خیال
جبکہ آفت میں پھنسی احمدِ مختار کی آل
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان نہ بچوں کا الم ہے مجھکو
خانہ بربادیٔ شبیرؑ کا غم ہے مجھکو

۴۹
دولتِ حاکمِ دوں پر ہے ترا دار و مدار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدار
دارِ دنیا سے تعلق نہیں رکھتے دیں دار
خوابِ غفلت ہے اسے میرا ہے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دارِ طوبیٰ کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

۵۰
ہے سرافراز سدا عاشقِ پیشانیٔ شاہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لیے نورِ نگاہ
سجدے کیجے کہ ہے بیت ابروؤں کی بیت اللہ
ہے وہ یوسف جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گہر دیتا ہے
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

۵۱
خالِ رخسار نہیں گوشۂ سعادت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو تو عبادت ہے یہ
مجھ سے مجرم کے لیے مُہرِ شفاعت ہے یہ
بخدا سلسلۂ بخششِ امت ہے یہ
شبِ معراجِ رسولِ دوجہاں سمجھا ہوں
اس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

۵۲
وصفِ دنداں میں رہے جس کی زباں گوہربار
شوق میں سیبِ ذقن کے جسے آئے نہ قرار
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھر دے غفار
حوریں غرفے سے دکھائیں اسے رنگِ رخسار
دم بہ دم چاہنے والوں کے ہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے گلے جس کے لیے کٹتے ہیں

۵۳
صدقے اس سینے پہ ہیں عاشقِ صافی سینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
خاک اُس دل پہ جو اِس سینے سے رکھے کینا
اُس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ جس دل میں ولا ہوتی ہے
چشم کو اُن کی زیارت سے جلا ہوتی ہے

۵۴
پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھائے
تو سرِ وسعتِ سرافرازیِ کونین وہ پائے
توتیا ہوئے تجلی کحلِ جواہر شرمائے
صدقے کردیں گے سر ان پاؤں پہ ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو یہ قدم ایسے ہیں

۵۵

عقل خیرے بہکا نہ مجھے او ابلیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکمِ ملعون و خسیس
یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس
کچھ تردد نہیں کہدے کہ لکھے پرچہ نویس
ہاں سوئے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
اے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

۵۶

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار
سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اک بار
پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
غل ہوا سیدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو طرف دارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جاتا ہے

۵۷

حر نے نعرہ کیا یا حیدرؑ صفدر مدد دے
زوجِ زہراؑ مدد دے نفسِ پیمبرؐ مدد دے
وقتِ امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے
تنِ تنہا ہے غلام اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حر ترے حامی ہم ہیں

۵۸

مل گئی راہِ حسن واہ رے اقبال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو خوشا حال ترا
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جلد جا جلد کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے جس کی یہ ہمت یہ ارادہ ہوئے
ہاں برادر تری توفیق زیادہ ہوئے

۵۹

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینی کے جوان
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضوان
شور کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

۶۰

تو بہشتی ہے یہ کافر ہیں کنشتی اے حر
دیکھ اب صورتِ حورانِ بہشتی اے حر
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی اے حر
کس تلاطم میں بچی ہے تری کشتی اے حر
غضب اللہ کا شبیرؑ کی ناراضی ہے
پنجتن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

۶۱

اور بالیدہ ہوا سن کے یہ مژدہ وہ ہژبر
اب تو اس فوج میں اک دم کی بھی تعویق ہے جبر
دلِ بیتاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لیے صحبتِ گبر
ہاں اٹھا باگ جو شیدا اے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

۶۲

سن کے یہ باگ جو لی اسپِ سبک تاز اڑا
کیا اڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماںؑ میں پری جاتی ہے

۶۳

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
کٹتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
کیا بھبک سوئے چمن بادِ بہاری پہونچی
ہم یہیں رہ گئے واں حر کی سواری پہونچی

۶۴
ہاں ہوئے علمِ امامت سے خبر دیں آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِّ ذی جاہ
ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

۶۵
ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اِک بار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
الغیاث اے جگر و جانِ رسولِ مختار
عفو کر عفو کر اے چشمۂ فیضِ غفّار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

۶۶
کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں اے شاہنشاہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
مدد اے نوحِ غریباں مرا بیڑہ ہے تباہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

۶۷
ترے دامن کے نثار اے مرے آقائے جلیل
دل خنک ہوئے جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمت نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

۶۸
خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
بات میں بخشدیئے سیکڑوں بندوں کے قصور
بخشدیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں میں لائقِ تعزیر نہیں
گر اسود سے زیادہ مری تقصیر نہیں

۶۹
اے مددگار و معینِ الضعفا اَدرِکنی
پاؤں لغزش میں ہیں اے دستِ خدا اَدرِکنی
اے خبرگیرِ گروہِ غربا اَدرِکنی
ہاتھ باندھے ہوں میں اے عقدہ کشا اَدرِکنی
دیجئے حر کو سند نار سے آزادی کی
آیئے جلد خبر لیجئے فریادی کی

۷۰
میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
ہوں گنہ گارِ خدا اے ازلی و ابدی
اے خداوندِ جہاں محمدؐ بیدی محمدؐ بیدی
جو تہی دست ہیں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

۷۱
ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
چھوڑ کر آپ کی سرکار کہاں جائے نحیف
اے سلیماں کہیں پامال نہ ہو مورِ ضعیف
کیجئے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہے خفیف
ہوں سرافراز جو اتنا ہی کرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

۷۲
استغاثہ یہ کیا حر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑھا ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہِ امم
جوش میں آگیا اللہ کا دریائے کرم
حر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا دی اسی دم
شکر کر سبطِ رسولُ الثقلین آتے ہیں
لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

۷۳

حر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے باتوقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

۷۴

کس لیے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو میں تنہا ہوں خجل
سہل کردیں اسے گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و توّاب ہے ربِّ عادل
جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

۷۵

حر پکارا بابی اَنتَ وَ اُمّی یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
ہر ذرے پہ جو ہو نیّرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

۷۶

کون مقدادؓ تھے سلمانؓ و ابوذرؓ تھے کون
آپ فرمائیں کہ عمارؓ دلاور تھے کون
شورِ عالم میں جو ہے مالکِ اشترؓ تھے کون
اے خداوندِ جہاں حضرتِ قنبرؓ تھے کون
انھیں قدموں کا تصدق ہے کہ ممتاز ہوئے
اسی سرکار کے خلعت سے سرافراز ہوئے

۷۷

شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو بندے میں یہ مقدور ہے کب
اُس مسبّب کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی منعم وہی محسن وہی رازق وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام اور درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے تو ہم دیتے ہیں

۷۸

لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کو وہ ایسا ہے جواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں اُسے ہر وقت ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد
وہ غنی ہے کبھی محتاج زمانہ اس کا
کبھی خالی نہیں رہتا ہے خزانہ اس کا

۷۹

جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ
صاحبِ جود ہے وہّاب ہے محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں معبود ہے وہ
پرورش جرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا واں سے عطا ہوتی ہے

۸۰

کہہ کے یہ ساتھ لیے حر کو چلے شاہِ اُمم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم
راست و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عباسؑ علم
دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے
رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

۸۱

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اے نیک انجام
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
عرض کی حر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

۸۲

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چورنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

۸۳

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
وا دریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری
تجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا میں ہوگا

۸۴

تجھ پہ مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال
راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا بعوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغرؑ کو نہ عابدؑ کو دوا ملتی ہے

۸۵

حُرؑ نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بادب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب
شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بدم یاں سے جو آوازِ بکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

۸۶

حُرؑ چلا فوجِ مخالف پہ اڑا کر توسن
وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون
چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
ہاتھ میں تیغ سپر دوش پہ، بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

۸۷

زورِ بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
برچھیاں اڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خود روی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

۸۸

نیزۂ حُرؑ کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی سپر عجز پناہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر اندازوں کی جانوں کے اُدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے آگ کے پرکالے تھے

۸۹ مطلع دوم

رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں دار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غم خوار آیا
کس بشاشت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرار آیا
طبقِ نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

۹۰

آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
اے خوشا رتبۂ فیضِ قدمِ پاک حضور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا پر اب اور ظہور
غل تھا آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مِس کو اک آن میں اکسیر طلا کرتی ہے

۹۱

واہ کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
نور یہ حور میں دیکھا نہ بنی آدم میں
ذرّۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
یہ وہی حُرِّ جری تھا جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو رخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاکِ نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

۹۲

ہر ذرہ ہے جہاں چہرۂ روشن ایسا
حرز ہے بازوئے داؤد کا جوشن ایسا
چاندنی جس سے کرے کسبِ ضیا تن ایسا
ہوش پریوں کے اڑے جاتے ہیں توسن ایسا
گلشنِ دہر میں تو بادِ بہاری آئی
قافلہ میں غل ہے سلیمان کی سواری آئی

۹۳

حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو لاشک لاریب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
دامنِ حضرتِ شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پاکر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

۹۴

مجکو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلام تو نے
نور بخشا پسرِ فاطمہؑ کے پرتو نے
گنج وہ لایا ہوں دیکھا جو نہ تھا خسرو نے
دور دورا آج سے میرا ہے زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہووے گا خزانہ میرا

۹۵

رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے
ل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجکو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

۹۶

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نیّرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اٹھ جائے گی
پھر تو ڈھونڈھو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

۹۷

اک سید کے مٹا دینے میں ہے کون سا نام
گر ہو دانا تو کہو بد ہے کہ ہے نیک کلام
اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
خوش نما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جسمیں امام
شکرِ احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

۹۸

یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر
لیے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا منہ سرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

۹۹

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ہاتھوں سے نشان چھوٹ گئے

۱۰۰

پھیر کر باگ فرس کو جو ذرا گر آیا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا
غیظ میں اُن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
روند ڈالا اسے دم میں جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا جو دشمن خرِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

۱۰۱

حشر برپا تھا کہ تیغِ جگر دوزی جاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیٔ ظفر راہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوئے جنگاہ چلی
گر بڑھی گاہ پھری گاہ تھمی گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

۱۰۲

کیں صفیں صاف مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
سیکڑوں خون کیے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

۱۰۳

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
چشم ہرچند کہ پتلی کو سپر کرتی ہے
پل نہ گذرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
ہے وہ طرار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اس کے افسوں سے جو ساحر ہو وہ جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

۱۰۴

پھونکے بجلی کو یہ اس آگ کی ہے پرکالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
کاٹ جائے تو کبھی تہ نہ سلے پھر کالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا ڈالا
اس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

۱۰۵

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
ہاتھ منہ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اُسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

۱۰۶

گل نئے پھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ کانٹا ہوا جنگل اس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کس بل اس کا
جو لڑا جنگ میں قصہ ہوا فیصل اس کا
شور تھا دیکھیے کیونکر یہ بلا ٹلتی ہے
اس قدر جلد تو سیفی بھی نہیں چلتی ہے

۱۰۷

جنگ میں تیغ کو دعوی تھا کہ یکتا ہوں میں
چرخ کہتا تھا کہ یا رب تہ و بالا ہوں میں
سر اُٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا ہوں میں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ یا ہوں میں
کس میں ہے یہ جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارے یہ چمک میری ہے

۱۰۸

نہ تھمی سنگ سے وہ اور نہ رکی آہن سے
نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
ہاتھ اڑا دیتی تھی پہونچوں سے تو سر گردن سے
چل گئی بادِ مخالف جدھر آئی سن سے
جوشِ طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر ایک کشتیٔ تن ڈوب گئی

۱۰۹

کثرتِ جوہرِ ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
پر تڑپ صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
کبھی مغفر میں کبھی سر پہ کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی تو چھری دل کے لیے

۱۱۰

صید کرنے کو جدھر صورتِ شہباز آئی
غل ہوا شہپرِ شاہیں کے تلے تاز آئی
لاکھ تڑپا وہ نہ بے جان لیے باز آئی
اڑ گیا طائرِ جاں اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی اسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں کاٹ کے سر چھوڑ دیا

۱۱۱

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
گھاٹ نے آئینۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

۱۱۲

خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
برش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
خضر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنت کی کلید
جابجا کفر کے پرزے بھی ہوئے قطع و برید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

۱۱۳

کئی حملے کیے پیہم جو کمانداروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفاکاروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

۱۱۴

نیزۂ فوجِ ستمگار تھے دیکھے بھالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
دم میں اس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کھل جاتے تھے

۱۱۵

الفِ گرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
کبھی برچھی کی انی تھی تو کبھی تیر کی پھال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی تلوار کبھی خنجرِ برّاں کبھی ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوجِ ستمگر بھی ثنا کرتی تھی

۱۱۶

شور تھا آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے
جل بھی کشتیِ تنِ خون میں طوفانی ہے
کہتا تھا حشر یہ فقط قوتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ دغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

۱۱۷

کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں تگِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

۱۱۸
گہہ چھپا اور گہے نکلا وہ مہِ برجِ شرف
گہے دریا کے کنارے گہے صحرا کی طرف
گہے اِس صف میں در آیا گہے روندی وہ صف
گہے نعرہ تھا کہ صدقے ترے یا شاہِ نجف
جتنے مجروح تھے دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نامِ علیؑ سُن کے دہل جاتے تھے

۱۱۹
کل تھراتے تھے سب گونج رہا تھا جنگل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
سرکی جاتی تھی زمیں رن کی غضب تھی ہل چل
منہ کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی فرق کے بل
حشر برپا تھا سواروں پہ فرس ٹوٹتے تھے
دو پہ چار ایک پہ دو پانچ پہ دس ٹوٹتے تھے

۱۲۰
بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزت و جاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ جری غازی واہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاء اللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۲۱
حیف جھگڑے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
لاکھ خوں ریز اُدھر اور اِدھر تنہائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

۱۲۲
سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر نہوڑا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعیدِ ازلی گرتا ہے

۱۲۳
شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر
ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

۱۲۴
عرض کی حضرت عباسؑ نے جاتا تھا غلام
میری الفت میں ہوا قتل حرِ نیک انجام
جوشِ رقت میں کہا شہ نے نہیں اے گلفام
دوست کیسے جو بُرے وقت میں ہم آئے نہ کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آویں گے
لاش کیا قبر میں مہمان کی ہم جاویں گے

۱۲۵
اس کے لاشے پہ نہ جائیں یہ مروت سے ہے دُور
قصرِ خلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفوِ قصور
اس سے ہم شاد ہوئے وہ بھی تو ہو کچھ مسرور
سرخ رو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

۱۲۶
یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبیرؑ
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حرِ باتوقیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستیِ مہماں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

۱۲۷

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر
میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسین آیا ہے

۱۲۸

واہ رے حرِ جری میں تری جرأت کے فدا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احسان بخدا
اِسکو کہتے ہیں محبت اِسے کہتے ہیں وفا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی
اِس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

۱۲۹

حر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
دیکھ دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہراؑ
آپ بیتاب ہیں اے حرِ جری ہوش میں آ
کوچ درپیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

۱۳۰

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام
بھائی فرماتے تھے شفقت سے شہِ عرش مقام
دیکھ تو رحم ترے واسطے روتے ہیں امام
اے خوشا حال خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

۱۳۱

نیم وا چشم سے حر نے رخِ مولا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
زیرِ سر زانوئے شبیر کا تکیا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حرِ جری کیا دیکھا
عرض کی حسنِ رخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

۱۳۲

باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
شاخ سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا جیاں کدھر تیرا ہے
دیکھا اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے

۱۳۳

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدِ مختارؐ کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے نانا کی سواری آئی

۱۳۴

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دمِ بازپسیں
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

۱۳۵

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
چل بسا حرِ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

۱۳۶

لاش اٹھا کر شہ دیں خیمے کے در پر لائے — پاؤں ماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غل ہوا ایمۂ عصمت میں کہ سرورؑ آئے — پیچھے پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی — فضہ پردے کے ادھر آکے بکا کرنے لگی

۱۳۷

شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و امِ کلثومؑ — ہم بھی مظلوم ہیں ماں بھی ہوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی دعوا ہے یہ تمھیں ہے معلوم — کون لاشے پہ کرے نالۂ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمھیں اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی — اس کو یوں روؤ کہ جس طرح بچے کو روؤ گی

۱۳۸

کہہ دو کبریٰؑ سے کہ ماتم کے لیے کھولے سر — روئے ناداں سکینہؑ اے عموؑ کہہ کر
جاں گزا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر — ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ ادھر
غل ہے فریاد کا آوازِ بکا آتی ہے — سن لو ماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۱۳۹

میری جانب سے کہو لاش پہ آئیں سجادؑ — بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیت مرے شیعوں کو ہے رکھیں اسے یاد — نام حرؑ سن کے کریں آہ و فغان و فریاد
جس عزا خانے میں وہ تعزیہ میرا رکھیں — اس کا ماتم بھی اسی بزم میں برپا رکھیں

۱۴۰

دوست کے دوست کا غم دوست سدا کرتے ہیں — حق محبت کا وفادار ادا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں سامانِ عزا کرتے ہیں — غیر مرجاتا ہے گھر میں تو بکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے — فاطمہؑ اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

۱۴۱

سن کے یہ شور ہوا حرِّ دلاور ہے ہے — اے مددگارِ جگر بندِ پیمبرؐ ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا روئے منور ہے ہے — تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
دھیان آتا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی — گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

۱۴۲

بس انیسؔ اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِّ عباد — لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہ والا کے رہیں خلق میں شاد — ان کے سائے میں برومند ہو ان کی اولاد
عشرۂ ماہِ عزا نالہ کشی میں گذرے — سال بھر شہ کے غلاموں کو خوشی میں گذرے

رباعی

افسوس زمانے کا عجب طور ہوا — کیوں چرخ کہن آہ نیا دور ہوا
بس یاں سے کہیں اور چلو جلد انیسؔ — اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

۱

طے کرچکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح — ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح — ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا — عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

۲

خورشید نے جو رخ سے اٹھایا نقابِ شب — در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب — دفتر کشائے صبح نے الٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا — سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

۳

پہونچا جو تیغِ مہر سے فرمانِ عزلِ شب — گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسماں سے دفتر ہوا طلب — بس جا بجا سے اٹھ گئی انجم کی فوج سب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی — برخاست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی

۴

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں — چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں — مرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں
دکھلائے طورِ بادِ سحر نے سموم کے — پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

۵

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو، ملک آسمان پر — جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

۶

وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار — وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار — پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے — آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

۷

تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں — تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں — نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر سبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا — صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

۸

وہ سر بلند خیمۂ زنگاریِ امام — جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام — قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا — درباں تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا

۹

گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر اک طناب — دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب
وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب و تاب — شمسے سے جس کے آنکھ چراتا تھا آفتاب
پڑھتا درود آ کے ملایک کا ورد تھا — سائے کے بدلے نور قناتوں کے گرد تھا

۱۰

وہ اوج اور وہ قبہ پر نور کی جھلک
دب دب کے سر جھکاتا تھا بے چوبہ فلک
ضو نور کی زمیں سے تھی آسماں تلک
آنکھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
خوشبو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا
وسعت سے اس کی صحن کا دل باغ باغ تھا

۱۱

تھا وہ سپہر دیں کہ ہر ایک چوب رکن دیں
تھا در پہ باب گلشن فردوس کا یقیں
چکر میں اس کے دور سے تھا چرخ ہفتمیں
پردے تھے رشک پردۂ چشمان حور عیں
جلوے سے حسن روئے شہ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے تختے قنات کے

۱۲

اس کی زمین پاک کو تھا آسماں پہ ناز
طوبیٰ سے سربلند تو کیوں اس سے سرفراز
ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سر نیاز
اور بیچ میں وہ مسند شاہنشہ حجاز
کرسی میں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اس کے فرش پر

۱۳

حاضر در حضور پہ وہ خاصگان رب
غربت زدہ گرسنہ و مظلوم و تشنہ لب
اک ایک جن میں فخر عجم زینت عرب
سنکر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

۱۴

نکلے حرم سے کر کے تیمم امام پاک
اکبر نے دی اذاں جو بآواز دردناک
سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
آنسو بھر آئے ہو گیا دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

۱۵

آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
اور مقتدی تھے سب عقب شاہ کربلا
بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھا وہ مقتدا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
جیسا امام ویسے ہی ابرار فوج تھی
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

۱۶

سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورت ہلال
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکل دال
پیشانیوں سے صاف عیاں نور ذوالجلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی

۱۷

وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیں دار حق پرست و دل آگاہ و با شعور
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشم حور
کریں کے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں

۱۸

حب حسین دل میں زبانوں پہ ذکر حق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیر نہ طبق
نے فکر کچھ عیال کی نے مرگ کا قلق
حقا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
کس آخرت عظیم میں ثابت قدم رہے
آقا کا دم بھرا کیے جب تک کہ دم رہے

۱۹

اللہ نے دل اُن کی وفا سے بنائے تھے
سینے خمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے
اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا دفترِ ازل سرنوشت میں
پہونچیں گے یہ حسینؑ سے پہلے بہشت میں

۲۰

باندھی تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور اُدھر
شکلِ ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر
باندھی تھی فوجِ کیں نے صف آرائی پر کمر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

۲۱

نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آلِ مصطفےٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسینؑ کا
تلواروں سے کریں گے قلم باغِ مرتضیٰ
خنجر سے اور سیدِ لب تشنہ کا گلا
مٹی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
گھوڑے سے روند ڈالیں گے بیکس کی لاش کو

۲۲

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا اُدھر سلام
تسبیحِ فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام
وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہلِ شام
اُٹھے نہ شہ یہ محو تھے یادِ اِلٰہ میں
یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

۲۳

گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہلِ بیت سب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغر کو ماں نے پیٹ کے نیچے چھپا لیا

۲۴

بچوں کو لے کے چھپنے لگے سب اِدھر اُدھر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینبؑ برہنہ سر
چہروں کے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
چلاتی تھی کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

۲۵

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز
ان تیروں سے بچائے انھیں ربِ بے نیاز
دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
اللہ مثلِ خضر کرے عمر کو دراز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
بھائی کے بدلے سینۂ زینبؑ نشانہ ہو

۲۶

جا کے کہے کوئی کہ سکینہؑ ہے بے قرار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بے شمار
اور چونک چونک پڑتا ہے اصغرؑ بھی بار بار
گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھیان نہ پردے کا لاؤں گی
خیمے سے میں نکل کے کھلے سر ہونے آؤں گی

۲۷

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں
اٹھ کر صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں
مصروفِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دوجہاں
بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے پناہِ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھی اور سپر بھی تھے

۲۸

ڈر کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا
دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
پیچھے کھڑے ہو کس لیے کیوں کیا ہے ماجرا
ہے خیریت حضور کریں طاعتِ خدا
خیمے میں تہلکہ ہے حرم غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا چلاتے ہیں

۲۹

عباسؑ سے یہ سن کے اٹھے قبلۂ امم
رونق فزا ہوئے طرفِ خیمۂ حرم
تسبیح جا نماز پہ رکھ دی بہ چشمِ نم
ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں

۳۰

داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بہ چشمِ تر
رو کر کہا سکینہؑ نے تم نے نہ لی خبر
زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
لے جاکے ہم کو کون سی جاگہ چھپاؤ گے
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے

۳۱

سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کربلا
یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بی بی میں بے قصور ہوں آگاہ ہے خدا
دشمن تمہارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
قربان ہو پدر یہ اجل کے پیام ہیں

۳۲

چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا
میں صدقے جاؤں تجھ کو تمہاری لگے بلا
شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں

۳۳

شبیرؑ وعدہ گاہ سے کس سمت پھر کے جائے
عاشق وہ ہے جو راہ الٰہی میں گھر لٹائے
دیکھیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا دکھائے
کٹ جائے تن سے سر پہ نہ وعدے میں فرق آئے
خواہانِ مرگ زیست کی کیا آرزو کرے
نانا کے منہ پہ مجھ کو خدا سرخ رو کرے

۳۴

یہ سن کے اہلِ بیت میں محشر ہوا بپا
زینبؑ پکاری پیٹ کے سر وا محمدا
بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر ردا
دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
فرزندِ فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
زینبؑ تباہ ہوتی ہے نانا مدد کرو

۳۵

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیرِ غم
پیٹو نہ سر تمہیں سرِ شبیرؑ کی قسم
چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہِ امم
یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینبؑ ابھی تو ہم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کر کے رویو
مر جائے گا حسینؑ تو جی بھر کے رویو

۳۶

مر جاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر
لے گا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہِ بحر و بر
ہر اک عزیز گنجِ شہیداں میں سوئے گا
بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا

۳۷

زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہِ زمن — کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مرے رسن
بے بے کہیں گی بیبیاں جاؤں گی جب وطن — بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
بھائی کو کھو کے آئی ہو اجڑے بکا نہیں — ایسا نہ سخت جاں کوئی ہوگا جہاں میں

۳۸

طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف — بیٹی ہیں جازۂ شاہنشہ نجف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف — تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
دشتِ بلا سے شام تلک ننگے سر گئی — کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی

۳۹

شہ نے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا — جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا — ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبیؐ و علیؑ کے ساتھ — دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ

۴۰

توڑا ہماری گود میں بھائی حسنؑ نے دم — مرنا کچھ ان کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
ان کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم — ہوتا جو اختیار تو کیا مر نہ جاتے ہم
تڑپے بہت لحد پہ گریباں پھاڑ کے — آخر پھر آئے ان کو بقیعہ میں گاڑ کے

۴۱

فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس — پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینبؑ بھی آس پاس
تھے اہلبیت مضطر و حیران و بے حواس — لب خشک رنگ زرد لبوں پہ ہجوم یاس
شہ دیکھتے تھے انکو جو غم کی نگاہ سے — بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

۴۲

صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر — کوئی تو رشکِ مہر کوئی غیرتِ قمر
تن پر سجے سلاح کسے جنگ پر کمر — گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پر
منھ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے — جن کے پسر تھے ان کے کلیجے دھڑکتے تھے

۴۳

اکبر کی شان دیکھ کے بانوئے نامدار — خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
لیکر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار — صدقے میں تیرے اور تری شان کے نثار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو — دولہا بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

۴۴

سب سے جدا تھی شوکتِ عباسؑ نوجواں — قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
حمزہ کا رعب شوکتِ جعفر علیؑ کی شان — رہ رہ کے دیکھتے شہنشاہِ دوجہاں
شان و شکوہ ختم تھی اس خوش نہاد پر — گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر

۴۵

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن — لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن
قاسم کو تم پہناؤ قبائے تنِ حسنؑ — اکبر کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن
ہم کو علیؑ کی تیغ دو دم لا کے دو بہن — عباسِ نامور کو علم لا کے دو بہن

۴۶

اس منصب بزرگ کا مختار ہے یہی
جعفرؓ کے مرتبہ کا سزاوار ہے یہی
آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہے یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہے یہی
بھائی بھی ہے جری بھی ہے اہلِ وفا بھی ہے
حکمِ علیؑ بھی ہے یہی حکمِ خدا بھی ہے

۴۷

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینب کے گلعذار
یعنی کہ ہم ہیں جعفرؓ و حیدرؑ کے ورثہ دار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
حکمِ امامِ دیں میں تمھیں کیا ہے اختیار
چپکے کھڑے رہو نہیں جا گہہ کلام کی
واجب ہر امر میں ہے اطاعت امام کی

۴۸

قابل علم اٹھانے کے کب ہیں تمھارے سن
دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
ظاہر ہے تم پہ رتبۂ سلطانِ انس و جن
صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن
جعفرؓ کے ورثہ دار ہو نہیں تم لا کلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہے کہ شہ کے غلام ہو

۴۹

بس آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
عباسؑ کوئی اور ہے پیارو کرو تو غور
ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور
شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی
مجھکو پڑی ہے سبطِ پیمبر کی جان کی

۵۰

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بچشمِ نم
لے آئیں ذوالفقارِ ید اللہ اور علم
قبضہ کو اس کے شاہ نے چوما بہ دردِ غم
شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ امم
پنجہ کی تابِ چرخِ چہارم ضیا گئی
بوئے علیؑ علم کے پھریرے سے آ گئی

۵۱

عباسؑ کو امام نے آگے کیا طلب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
نہوڑا کے سر حضور میں آئے بصد ادب
اس عہدۂ جلیل کی تھے آرزو میں سب
یہ مرتبہ کسی کو مقدر نے کم دیا
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

۵۲

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
بندہ پہ پنجتن کی عنایت کی ہے نظر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
ہیں اور حاملِ علمِ سیدِ البشر
ذرہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

۵۳

کس منہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا
تم پر نظر رہی ہے مری برورش سدا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا
اے افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

۵۴

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوش خصال کو
رکھیو علم کے سایہ میں زہراؑ کے لال کو

۵۵

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم
تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم
کیجو صلاح صلح کی لشکر ادھر ہے کم
تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا بھتیجوں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

۵۶

عباسؑ بولے بھائی نہیں ہیں تو ہوں غلام
تن بیچئے گا جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
بھر جائے دشمنوں سے جو روئے زمیں تمام
کیا منھ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام
بچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
ہر موئے تن پہ خمسہ کے مرا سر نثار ہے

۵۷

اتنے میں پاس آ کے سکینہ نے یہ کہا
چہرے کی لوں بلائیں میں صدقے جھکو ذرا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا
میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھکو دو گے کیا
میداں کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے

۵۸

بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں
ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کی میہماں
مر جاؤں گی اگر تو مجھے پاؤ گے کہاں
صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جاں
سوئے فرات جاتے ہو شاہِ امم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لیلو علم کے ساتھ

۵۹

عباسؑ نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو
عزت ہوئی ملا علم شاہِ نیک خو
سقا تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
جب تک ہے دم کروں گا میں آنے کی جستجو
مشکیزہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر کو جاؤں گا

۶۰

ناگہ سنا جو زوجۂ عباسؑ نے یہ حال
مارے خوشی کے ہو گیا چہرہ کا رنگ لال
ہمراہ لے کے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال
آئی حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی کمال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ امم کی بلائیں لیں
پھر دونوں ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں

۶۱

جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
کونین میں کیا مرے والی کو نامور
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
آقا! کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قائم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجئے اس نونہال کو

۶۲

خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دعا
وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
ہوں رانڈ ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
بانوئے دو جہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعوی برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام ہیں میں انکی کنیز ہوں

۶۳

بولے پسر سے جھک کے یہ عباسِ نیک نام
تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
لے چلئے ہم کو ہم علیؑ اصغر کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے

۶۴

حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں گے جنگ
پیریں گے خوں میں بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ
مردوں کا بیٹھنا ہے برا عورتوں میں ننگ
ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے امنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہِ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

۶۵

بولے گلے لگا کے اُسے شاہِ نامدار
آئی صدائے حضرتِ زہرا یہ ایک بار
کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں بچھا نثار
ہوتا ہے لال اہلِ وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا بھی جس کا شیر ہو نانا بھی شیر ہو

۶۶

اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اس کی پناہ میں
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

۶۷

تھا زینتِ سپاہِ پیمبر یہی علم
ہے افتخارِ حضرتِ جعفر یہی علم
حمزہؑ جہاد کرتے تھے لے کر یہی علم
خود دوش پر اٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

۶۸

صلِ علیٰ زہے علم و حاملِ علم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
ذرہ سے آشنا فلک ہے نظر میں کم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباسؑ کے نثار تصدق نشان کے

۶۹

نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزندِ بوتراب
برجِ شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
در پہ بلکتی رہ گئی زینب جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

۷۰

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار
یکسو پرا جمائے رفیقانِ گلعذار
خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایکبار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
ڈیوڑھی اداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا

۷۱

شبدیزِ طبع کا یہ اشارہ ہوا اب کہ ہاں
کیجئے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں
مولا کا کچھ جلوسِ سواری کروں بیاں
ایک ایک جن میں فخرِ عرب زینتِ جہاں
چہروں کی روشنی سے جنگل شمعِ طور ہے
لشکر نہیں حسینؑ کا دریائے نور ہے

۷۲

جاتی تھی یوں سواریِ سلطانِ بحر و بر
کھولے علم کو حضرتِ عباسِؑ نامور
انجم کی فوج لے کے چلے جس طرح قمر
گھوڑوں پہ قاسمؑ و علیؑ اکبر ادھر اُدھر
مرکب پہ بیچ میں خلفِ بوتراب ہے
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے

۷۳
آہن میں مثلِ جوہرِ شمشیر سب ہیں غرق
نعرے جو مثلِ رعد تو گھوڑے مثالِ برق
شملے ہیں زیبِ دوش عمامے ہیں زیبِ فرق
جن کے قدم تلے ہے سدا اسیرِ غرب و شرق
آہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
جن سے سمندِ وہم نہ آگے نکل سکے

۷۴
اک اک دلیر شیرِ نیستانِ کارزار
دیندار، سرفروش، نمودار، نامدار
رستم کی روح خوف سے جن کے کرے فرار
رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
للکار لیں جو فوج کو نیزے سنبھال کے
بھاگیں عدو زمیں پہ ہتیار ڈال کے

۷۵
آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
فدیہ ہو فاطمہؑ کے پسر کا زہے نصیب
ہاں غازیو! حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
آداب و قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

۷۶
تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
آگے پرا جمائے رفیقانِ باوفا
پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

۷۷
تھا زیبِ سر عمامۂ محبوبِ کبریا
پہنے قمیصِ حضرتِ یوسف تہِ قبا
مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
باندھے ہوئے کمر میں کمر بندِ مرتضیٰ
داؤدؑ کی زرہ شہِ والا کے بر میں تھی
اور ذوالفقارِ حیدرِ صفدر کمر میں تھی

۷۸
بالائے دوش حضرتِ حمزہ کی تھی سپر
چار آئینہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا پسِ قمر
تھے دو غلامِ خاص مگس راں اِدھر اُدھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسولؐ کا
رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتولؑ کا

۷۹
پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور
اک چہرۂ حسینؑ میں تھا پنجتنؑ کا نور
حیدرؑ کا فاطمہؑ کا نبیؐ کا حسنؑ کا نور
چہرے کی ضو جبیں کی ضیا اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
ایک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

۸۰
پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ
قائم رہے شکوہِ شہنشاہِ دیں پناہ
جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

۸۱
ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار
ان سے اُدھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار
اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
نیزے ہلا رہے ہیں سوارانِ ہرزہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال تھا
دریا تلک نگاہ کا جانا محال تھا

۸۲

اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
مولا کمالِ فکر میں ہے شمرِ خیرہ سر
تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

۸۳

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر
زور آورانِ فوج ہیں سب اس کے ڈر سے زیر
ہر بار دیکھتا ہے اِدھر منھ کو پھیر پھیر
اچھوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

۸۴

کیا کیا خطا شعاروں کو اس نے دیا جواب
تلواریں کھنچ گئیں ہیں اِدھر لے فلک جناب
ہے یہ یقیں کہ اس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
یاں کی برائی سننے کی اس کو نہیں ہے تاب
جو بڑا سے کسی کو یہ پاس ادب نہیں
آپس میں جنگ ہو تو کچھ اس کا عجب نہیں

۸۵

سنتا تھا میں کہ یہ عمرِ سعد نے کہا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا
آتا ہے بہرِ جنگ محمدؐ کا لاڈلا
جا پہلے لڑ حسینؑ سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو
جلدی کا بجھا مزارِ علیؑ کے چراغ کو

۸۶

قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام
سیدِ عیال دار، غریب الوطن، امام
مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
فاقہ سے تین روز کے، دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا
ہے کیا قصور فاطمہ زہرا کے لال کا

۸۷

پیاسے سے تشنہ کام سے بے پر سے میں لڑوں
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں
مختارِ کارخانۂ داور سے میں لڑوں
کھینچوں علیؑ پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں
امت کو چاہیے مدد آلِ رسولؐ کی
پاؤں گا کیا اجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی

۸۸

فرمایا شہ نے اس کو خدا دے جزائے خیر
رو کر گئے اس جری کو جن و انس و وحش و طیر
بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہے وہ غیر
لکھی ہے اس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں
وہ ہے تو حُر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

۸۹

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امامِ دیں
غرقِ سلاحِ حرب جوانانِ مہ جبیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوجِ کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شملے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

۹۰

عباسؑ آگے فوج کے کھولے ہوئے علم
پیدا تھی شانِ شیرِ خدا سر سے تا قدم
آنکھوں کو مل رہے تھے پھریرے سے دم بدم
حمزہؓ کا رعب جعفرِ طیار کا حشم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر
بڑھتے تھے مثلِ شیرِ ترائی کو دیکھ کر

۹۱
آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج
زغے میں بے قرار تھا شاہِ زماں کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو شکلِ موج
تھا تا بہ چرخ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوجِ عدو کو غرور تھا
ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

۹۲
چلایا ابنِ سعدِ جفا پیشہ و شریر
ہاں ابنِ فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھنچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ شریر
بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈر اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائیگا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

۹۳
اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام
ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام
سبطِ رسول ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبیؐ ہے ترا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

۹۴
بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف
بگڑی تھی باگ واں بھی نہ ہوگی خطا معاف
اس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف
واللہ ہے حسینؑ کا دل آئینے سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

۹۵
اس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ بھی کام
تجھکو بُرا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام
عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے مری مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
مردوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

۹۶
مجھکو برا کہے تو کہے حاکمِ جہول
مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدمِ نائبِ رسولؐ
بیدیں کی بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول
نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیٔ خدا و پیمبرؐ سے کام ہے

۹۷
دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانبِ ارم
روکے تو مجھکو آ کے ترا لشکرِ ستم
پھیرا فرس کو کہہ کے جو یا سیدِ امم
طاؤس کی طرح سے اڑا اسپِ خوش قدم
ہاں ہاں کیا کئے یہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

۹۸
جب آدھی راہ کر چکا طے حُرِّ نامور
بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
میں دستگیرِ خلق کا مجرم ہوں اے پسر
تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچکر
دستِ خدا پدر ہے شہِ کائنات کا
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا

۹۹
روکر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
پہلے چلو تو ابنِ یداللہ کے حضور
آقا نہ تم سے دور رہیں نہ تم ہو ان سے دور
تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور
چل کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو

۱۰۰

اس نے کہا پسر سے کہ خیر اے نکو شعار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار
رو ہاں سے تو باندھ دے دستِ گناہ گار
ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تو لدو
باندھے ہیں اس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو

۱۰۱

واں سے چلا غلام اِدھر سے بڑھے امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
صدقے ترے کرم کے میں اے قبلۂ انام
مجوب ہوں بہت شہِ والا صفات سے
بندے کے ہاتھ قطع کر داہنے ہاتھ سے

۱۰۲

پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
ہے تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ
لگ جا گلے سے رک کی تو رو کی ہماری راہ
تیری نہ کچھ خطا ہے نہ ہاتھوں کا ہے گناہ
مجکو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہے
روکا تھا ہم کو موت نے تو بے قصور ہے

۱۰۳

احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب
پھر جانے کی صلاح مجھے دی تھی وقتِ شب
لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی

۱۰۴

یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیے اس کے شاہ نے
پوچھا غبارِ چہرے کا شبیرؑ آہ نے
لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
ذرّہ کو مہر کر دیا زہراؑ کے ماہ نے
حُر کے قدم کی آ کے فلک خاک لے گئے
مہماں کو اپنے پنجتنؑ پاک لے گئے

۱۰۵

جب سب سے مل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام
رو کر یہ اس سے کہنے لگے شاہِ تشنہ کام
امیدوارِ حرب کی رخصت کا ہے غلام
اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
ہم پہلے داغ خویش و برادر کے دیکھ لیں
تو ہم کو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

۱۰۶

حُر نے کہا بہشت میں ہے آپ کا تو گھر
خادم کو اب نہ روکیے یا شاہِ بحر و بر
ہو گا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

۱۰۷

چڑھنے لگا فرس پہ جو بادیدۂ پُر آب
کی عرض حُر نے تب کہ یہ کیا اے فلک جناب
عباسِ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
عباسؑ نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
شیدائے جاں نثارِ امامِ انام ہوں
تو جن کا مہماں ہے میں اُنکا غلام ہوں

۱۰۸

چڑھ کر سمند پہ جو چلا وہ بصد حشم
ٹھہرایا حُر تو کہنے لگے شاہِ باکرم
پیچھے پیادہ ہو کے چلے سیدِ امم
مجکو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم
زہراؑ بھی تیرے ساتھ ہیں حیدرؑ بھی ساتھ ہیں
تنہا نہیں حسینؑ پیمبرؐ بھی ساتھ ہیں

۱۰۹
حر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گناہگار
یہ سُن کے وانفسے روتے پھرے شاہِ نامدار
کیونکر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
میداں میں حر پہنچ گیا چمکا کے راہوار
بازارِ حرب گرم جو تھا سرد ہو گیا
دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

۱۱۰
دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حر کا نور
حُر نے کہا کہ عقل کا تم سب کی ہے قصور
غل پڑ گیا یہ حور ہے یا روشنیِ طُور
حر ہوں، غلام شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حور
ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہر و ماہ سے
خلعت ملا ہے نور کا سرکارِ شاہ سے

۱۱۱
واں لٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے
ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے
ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے
سرکارِ ابنِ فاطمہؑ میں فیضِ عام ہے

۱۱۲
بھولے ہو راہِ راست تو رہبر کے پاس جاؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ
دنیا محل فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
زہراؑ کا نورِ عین تمہارا کفیل ہے
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے

۱۱۳
کعبہ سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکنِ کنشت
سرسبزیاں نہ ہوں گی کبھی عاقبت کی کِشت
لازم ہے عاقلوں کے لیے ترکِ فعلِ زشت
دوڑو کہ لٹ رہے ہیں اُدھر حلۂ بہشت
دینِ نبیؐ میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو

۱۱۴
دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا اُدھر
یہ دبدبہ یہ اوج یہ حشمت یہ کر و فر
یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
مولا کی اک نگاہِ عنایت کا ہے اثر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
یہ سب شرف حسینؑ کے صدقے سے پائے ہیں

۱۱۵
اس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ کیں خجل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل
کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
چلایا شمر آن کے ہر صف سے متصل
مارو اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں

۱۱۶
یہ سن کے حر پہ چلنے لگے تیر بے شمار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار
نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
لشکر میں مثلِ شیر در آیا وہ نامدار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
دیکھی جو تیغِ حر کی چمک دم نکل گئے

۱۱۷
چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے
پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
پہونچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا

۱۱۸

ہر دم نئی جنگ میں برشِ تیغ دو چند
دستِ اماں کیے تھے ادھر کے علم بلند
خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرف سمند
تھرا رہے تھے برچھیوں والوں کے بند بند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بارِ دوش تھا

۱۱۹

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے
ترخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اتر گئے
ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
تقدیر نے نشانۂ تیرِ قضا کیا

۱۲۰

گھوڑا وہ برق تھا کہ جو راکب اُسے چلائے
اُس کے قدم کی گرد کو صرصر بھی نہ پائے
افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
پیکِ خیال و وہم یہ سُرعت کہاں سے لائے
جس غول پر گرا تو اُڑا اُس شکوہ سے
پرواز کبک کرتا ہے جس طرح کوہ سے

۱۲۱

بجلی سی تیغ شعلہ نشاں چار سو پھری
دم میں ستمگروں کا بہا کر لہو پھری
میدان میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
پیدا جو تیغ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا

۱۲۲

غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور کمر جدا
زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور ادھر جدا
شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
گاوِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی

۱۲۳

روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی
آئی ادھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئی
دو کر کے خود کاٹ کے سر سے نکل گئی
سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئینہ والے بھی دنگ تھے
کہتے کہ تھی وہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے

۱۲۴

تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھا دیئے
بہ خشمِ غضب نے شیر کے تیور دکھا دیئے
اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
بجلی فلک سے گرتی ہے جس طرح کوند کر

۱۲۵

دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے
آیا ادھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے
ترکش سے تیر جس نے نکالے قلم ہوئے
حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اُڑا دیئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

۱۲۶

یوں تن سے سر اُڑاتی تھی شمشیر آبدار
دم ہو گیا وہ صاف کیا جس پہ ایک وار
جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار
غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبی کی دہائی کا شور تھا

۱۲۷
چلائے تب حسینؑ کہ بس اے دلیر بس
اعدا دہائی دیتے ہیں گھوڑوں کو پھیر بس
مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
امت ہے یہ نبیؐ کی بس اے میرے شیر بس
شاباش حق دوستیِ پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہے یہ

۱۲۸
یہ سن کے ہاتھ روک لیا اس جری نے جب
یاں غم سے بیقرار ہوئے شاہِ تشنہ لب
بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب
تیغوں کے وار چلنے لگے حر پہ بے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اس دلیر کے
تکنے لگا حسینؑ کو، منہ پھیر پھیر کے

۱۲۹
سینہ سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دلفگار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حرِّ نامدار
اے فاطمہؑ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

۱۳۰
جس دم سنی امامِ امم نے صدائے حر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حر
خیمے میں پیٹنے لگی زینبؑ برائے حر
کھینچی جو شہ نے آہ دلِ بیقرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہؑ زہرا مزار سے

۱۳۱
دوڑے اُدھر سے رن کی طرف سیدِ امم
آواز دی نبیؐ نے کہ حر کو لیے ہیں ہم
آئے نجف سے حیدرِ صفدر بچشمِ نم
اُس وقت یہ پہنچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
تہاں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

۱۳۲
زانو پہ رکھ لیا سرِ حر اور یہ کہا
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا
بھائی حسینؑ آیا ہے آ ہوش میں ذرا
مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
جن کے لیے زمیں پہ ملک سر جھکاتے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آتے ہیں

۱۳۳
زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہِ بحر و بر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر
محبوبِ کبریا ہیں ادھر شیرِ حق اُدھر
شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں برہنہ سر
تو حشر تک امامِ دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسینؑ کے ماتم کے ساتھ ہے

۱۳۴
یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علیؑ کا لال
زانوئے شاہِ دیں پہ کیا حر نے انتقال
سب بیبیوں نے کھول دیے اپنے سر کے بال
زینبؑ یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

۱۳۵
بس اے انیسؔ مرثیہ ہوتا ہے اب طویل
اس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل
مصرع ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبولِ بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
شاہانِ خلق سب اُسی در کے فقیر ہیں

رباعی

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے
مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

رباعی

انساں ذوی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن تو بتلایئے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

رباعی

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر نعرہ یہ دارِ شاہِ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر گُنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

رباعی

منہ چاہیے وصفِ رخِ اکبر کے لیے
تھا حُسن اُسی سروِ سمن بر کے لیے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گل چاہیے مسطر کے لیے

رباعی

پابندہ ہوں وہ اوج نہ مجھے آج ملا
ظلِّ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

رباعی

عمر اپنی غمِ شہ میں بسر کر لے تو
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شغلِ ماتم میں سدا
پھر قصرِ جناں انیسؔ مر کر لے تو

مرثیہ ۱

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے
کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا اہلِ یقیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

۲

وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومن کامل
دی تھی اُنھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

۳

دنیا کے نہ خواہاں تھے نہ تھی خواہشِ اجلال
تھے دوست فقیروں کے نہ تھی حُبِّ زر و مال
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں الفتِ اطفال
شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بخت خوشا حال
مذکور یہ تھا جی سے گذر جائیں گے پہلے
اس بات پہ مرتے تھے کہ مرجائینگے پہلے

۴

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

۵

مقبولِ خدائے دوجہاں تھے وہ جوانمرد
مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
تابندہ تھے خورشید کی صورت رُخِ پُر گرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں

۶

مستِ ملے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
تھی غیرِ خدا سب کی اُنھیں یاد فراموش
دنیا سے بری بارِ علایق سے سبکدوش
دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

۷

وہ صوتِ حسن اور وہ اثر دار دعائیں
وہ چاند سے رُخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ ان کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں
وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نہ حور میں یہ حسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

۸

ہمت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار
مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت، الم، فاقہ کشی، زردیِ رخسار
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیحِ خدائے دوجہاں وردِ زباں تھی
بیداریِ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

۹

مقبولِ خدا صاحبِ دیں زاہد و ابرار
ایسے نہ پیمبرؐ کو ملے یاور و انصار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوار
پیدا نہوں اس طرح کے اصحابِ وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر اُن لوگوں نے ہم سر نہیں سکتے

۱۰

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر
سر دینے کو موجود فدا ہونے کو حاضر
مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
اس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر یہ غمخواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

۱۱

مرقوم ہیں قرآں میں رتبے شہدا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے
بیجاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے
طالب تھا خدا اُن کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیل سعادت کا صلا تھا
آقا بھی انھیں سبطِ پیمبر سا ملا تھا

۱۲

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہ ابرار
ہمشکل پیمبر سا جواں فوج کا سالار
جن لوگوں کا عباسِ دلاور سا علمدار
مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

۱۳

چہرے تھے خدا نے ید قدرت سے سنوارے
کس صبر سے آفت میں کئی روز گذارے
زیبندہ تھے اس چاند کو ایسے ہی ستارے
خیبرکُش کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیر دودم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

۱۴

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں
یہ قصد کہ قبضے پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں
نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے

۱۵

کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت
سر تا بقدم خوں میں بھرنا ہے سعادت
سر سے رہِ خالق میں گذرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہے

۱۶

تھے داہنے طرف جمع عزیزِ شہ ذیشاں
زہرا کے جگربند محمد کے دل و جاں
جن کے رخِ روشن سے منور تھا وہ میداں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میداں میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے
حیدر کے مرقع کے ورق رنگیں کھلے تھے

۱۷

اٹھارہ تھے فرزند پیمبر کے یگانے
پالا تھا انھیں گود میں شاہ شہدا نے
اک رشتے میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
عاشور کو ہاتھ اُن پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

۱۸

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوشرو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوشخو
تھی کوسوں تلک ان فاطمہ کے پھولوں کی خوشبو
مرجائیں گے فاقے میں یہ غم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے

۲۰

چلنے لگے تلوار کھلیں تیغوں سے جو ہر سر
میداں سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون
دیکھیں تو بھلا کس نے کیے کر دیا بے سر
ہاں دیکھیں تو کس نے تہ و بالا کیا لشکر
فوجِ ستم آرا کے نشاں لے کے پھرا کون

۲۱

وہ لاکھ ہیں کس نے پسرِ سعد کو مارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آ کر
کس نے سرِ شمرِ ستم ایجاد اُتارا
خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
گڑتا ہے نشاں کس کا درِ کوفہ پہ جا کر

۲۲

بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
لاچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے
لڑکے ہیں پہ زورِ اسد اللہ دکھا دیں
اک حملہ میں دو چار صفوں کو تو ہٹا دیں
تم اسکی قسم یہ لوگ جیتے نہ پھریں گے

۲۳

کیا حضرتِ مسلم کے یتیموں کا کہوں حال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
وہ چاند سے رخ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے
نُہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
پوشاکِ سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

۲۴

ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں
لب خشک تھے اندھیر زمانہ تھا نظر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آ کے ملیں گے
تھے داغِ غمِ بے پدری اُن کے جگر میں
دنیا تھی فراموش اُنھیں یادِ پدر میں
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے ملیں گے

۲۵

چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اُتارے گئے ہوں گے
بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہوں گے

۲۶

ماموں کے قریں زینبِ دلگیر کے دلدار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہے
اک حیدرِ کرار تھا اک جعفرِ طیار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کفار
روباہ ہیں وہ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

۲۷

اور تین تھے لختِ جگرِ شبرِ ذی جاہ
دولھا کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
عبد اللہ و زید حسن و قاسم نوشاہ
کل تیرہ برس کا تھا پہ تھا چودھویں کا ماہ
دولھا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

۲۸

وہ حسن وہ سن اور وہ پوشاک شہانی
خُلقِ حسنی کم سخنی غنچہ دہانی
تلوار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بر میں
قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اُس میں روانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
تصویرِ حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

۲۹
تھی صبحِ شبِ عقد کہ پیکِ اجل آیا
بانو نے سرِ شام دلہن جس کو بنایا
دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
قسمت نے سحر کو اُسے رنڈ سالہ بٹھایا
دولہا کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

۳۰
عباسؑ سوا پانچ تھے فرزندِ یداللہ
ایک ایک دلاور تھا ہژبرِ صفِ جنگاہ
ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابنِ ولی تھے
سب قوتِ بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھے

۳۱
عباسِؑ علی حیدرِ صفدر کا نشاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا
بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
چہرے سے جلالِ اسد اللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرِ طیار کا رتبہ

۳۲
کیا وصفِ جنابِ علی اکبر کروں تحریر
اٹھارہ برس کا تو سن اور صاحبِ تدبیر
حُسنِ نبوی خُلقِ حَسَن غیرتِ شبیر
تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا ہیں رسولِؐ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

۳۳
تھے بیچ میں اُس غول کے شاہنشہِ عالم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم
گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیرِ اعظم
فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سیدِ اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہِ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشیدِ زمیں ہے

۳۴
ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ
لشکر کے زرہ پوش نے گھوڑوں کے کسے تنگ
کھلنے لگے ہر صف کے علمہائے سیہ رنگ
جا خالی نہ تھی فوجِ ستم میں کئی فرسنگ
بیدینوں کے رخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد و دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

۳۵
اُمڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ کفار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اُس پار
جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
بے خوں میں ہوئے غرق بجز اُس کے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علیؑ کے
کشتی میں نباہی تھی سفینے پہ نبیؐ کے

۳۶
تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز
پیغامِ اجل ان کے ہر اک تیر کی آواز
قالب سے کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو
رخ سب کے جگر گوشۂ زہراؑ کی طرف کو

۳۷
بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پھلّا
الفت ہے نہ حیدرؑ سے نہ احمدؐ سے تولّا
کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ حملا
کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلّا
دنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبیؐ کا
بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۳۸

واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر
غل خیمہ میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیرؑ
تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
بیتاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ رعشہ تھا بدن میں

۳۹

کہتی تھی سکینہ سے کہ آ اے مری پیاری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری
سن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
پھر خیر سے آ جائے مرے بابا کی سواری
اس سن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہووے
پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہووے

۴۰

یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر ادھر سے
تلواریں نکلنے لگیں شیروں کی کمر سے
عباسؑ بچانے لگے حضرت کو سپر سے
لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

۴۱

پہلے حرؑ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا
پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہلِ حرم میں
رونے کو بتولؑ آئی تھیں میدانِ ستم میں

۴۲

میداں میں سلم پسرِ عوسجہ آیا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اٹھایا
تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیرؑ
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیرؑ

۴۳

ضرغامہ و وہب و انس و مالکِ دیندار
عمران و شعیب و عمرو و شوذبِ ابرار
حجاز و زہیر و اسدی عامر و عمار
قربانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہو گئے اکبار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پرا تھا
دو روز تلک دشتِ ستم خون سے بھرا تھا

۴۴

باقی جو رفیق شہِ دیں رہ گئے دو چار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا
فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

۴۵

اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا
چھاتی سے انھیں احمدِ مرسل نے لگایا
زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
میں بھی اسی دولت کی ہوں امیدیہ آیا
وہ کیجیے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے
جنت میں پہونچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

۴۶

حقا کہ سخی ابنِ سخی کا ہے یہ دربار
آقا مرا وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار
محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
حر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبہ کو اکبار
بے قدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو
جس ذرہ کو چاہو اسے خورشید بنا دو

۴۷

پہونچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت — پاتا ہے کوئی حور کوئی حُلۂ جنت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت — محبوب خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اس کا بھی تو حق ہے

۴۸

حضرت نے سنا دردِ دل اس دوست کا جس دم — اک آہ بھری سرد اور آنکھیں ہوئیں پُرنم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم — اس وقت مجھے اپنی جدائی کا نہ دے غم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے
اک چاہنے والا تو ہے پاس ہمارے

۴۹

منظور نہیں مجکو کہ تو مجھ سے جدا ہو — باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو — تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانیے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی نہ تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

۵۰

اس عالمِ پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر — رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اُٹھے گی نہ شمشیر
مانندِ کماں خم ہے کمر حال ہے تغییر — چلّے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دمِ حرب غش آجائے گا رن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چواؤں گا دہن میں

۵۱

ہے عالمِ طفلی سے تجھے جس سے محبت — وہ آج ہے دنیا میں گرفتارِ مصیبت
ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت — جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربارِ شہ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لیے امن کی جا ہے

۵۲

جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور — ہے پرورشِ شاہ و گدا ایک سے منظور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور — پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرمادیا پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

۵۳

ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے — آبِ دمِ شمشیر سے خوں اس کا بہاتے
حضرت کا یہ عالم تھا کہ جب کھانے کو کھاتے — کہتے تھے کہ حق سے کچھ اسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
بازو بھی نہ باندھو کہ علیؑ عقدہ کشا ہے

۵۴

جس وقت کہ دربارِ ید اللہ میں جانا — اس مرقدِ پرنور کو آنکھوں سے لگانا
آداب بجالا کے یہ بابا کو سنانا — بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقیِ کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

۵۵

بیٹھے ہیں لبِ نہر ستمگاروں کے دستے — بچے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے — پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دور وطن سے بھی جدا ہوں
امداد کو پہونچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

۵۶

یا شاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا
سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا
دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
ہے سخت مصیبت نہ سمجھے کچھ بن نہیں آتا
جب سر ترا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
کیا جانئے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا

۵۷

اے کل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ
تم صاحب اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
پر زینب بیکس کو اسیری سے بچاؤ
پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
بے پردہ جو ہو دختر زہرا تو ستم ہے

۵۸

رو دیا یہ سخن سن کے حبیب جگر افگار
قربان ترے اے خلف حیدر کرار
گر کر قدم شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمکخوار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
جنت تو ہے نزدیک نجف دور ہے آقا

۵۹

کس منہ سے میں دربار ید اللہ میں جاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں
زوّاروں کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
فرمائیں گے شبیر سے منہ موڑ کے آیا
تلواروں میں بچے کو مرے چھوڑ کے آیا

۶۰

میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدر بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرت شبر بھی یہیں ہیں
حمزہ بھی یہیں آئے ہیں جعفر بھی یہیں ہیں
زہرا یہیں روتی ہیں پیمبر بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
دو روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے

۶۱

بچپن سے تو سایہ کی طرح ساتھ رہا ہوں
سمجھوں گا کہ میں عاشق نقش کف پا ہوں
آیا جو برا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہے مولا

۶۲

حضرت کے غلاموں کے لیے عید کا ہے روز
راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز
دولت سے شہادت کی ہوئے سب شرف اندوز
گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدان ستم میں
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہ عدم میں

۶۳

ہر چند کہ ہے عالم پیری سے نقاہت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہے طاقت
باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
ہوتا ہے جوانوں کی طرح جوش شجاعت
بے سر دیے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے

۶۴

احوال ہر اک دوست کا ہے آپ کو معلوم
رعشہ فقط اس خوف سے ہے اے شہ مظلوم
مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشق قیوم
رہ جائے بدن زخم شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے
سر بار ہے تن پر کہ اسواسطے خم ہے

۶۵
بچپن کی تو الفت سے مری آپ ہیں آگاہ
ہمسن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ
کچھ یاد ہے اُس روز کا حال اے شہ ذی جاہ
یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہو جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا

۶۶
لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیاں
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ اے شہ ذیشاں
اور پیار سے منہ آپ کا میں تکتا تھا ہر آں
نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قرباں
تھی کھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی
خاکِ کفِ پا میرے لیے کحلِ بصر تھی

۶۷
ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
اور چار طرف نور لگا پھیلنے اکبار
تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی
ہر ذرہ سے آتی تھی صدا صلِ علا کی

۶۸
ناگاہ وہاں آئے شہِ یثرب و بطحا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے یہ تمنا
اور آپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آئیے نانا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے نانا

۶۹
فرماتے تھے احمد کہ میں قربان تمہارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
لو آؤ لگو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھول سے تلوؤں میں نہ گڑ جائے

۷۰
پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کو ہونٹوں سے ملایا
اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے

۷۱
مجھ پر نظرِ فیض اثر پڑ گئی اک بار
اُس دم متعجب ہوئے اصحابِ وفادار
خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمدِ مختار
بیجا نہیں اس طفل پر الطاف نبی کا
یہ جاں دینے والا ہے حسینؑ ابنِ علی کا

۷۲
تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اس خاک کو لے کر
جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر
شبیر کے عاشق پہ تصدق ہے پیمبر
مرقوم ہے نام اس کا ازل سے شہدا میں
دیوے گا خدا قبر اسے خاکِ شفا میں

۷۳
فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمدِ مختار
مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار
کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہِ ابرار
کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

۷۴

دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
مرنا ترا اس دن کا ہے اللہ کو بھایا
ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لیے آیا
جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
ہے صاحبِ قسمت تری کیا بات ہے بھائی
دامانِ حسینؑ اور ترا ہات ہے بھائی

۷۵

جب شہ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر
بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیرؑ
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر
چھٹتا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

۷۶

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور
کچھ بن نہ پڑا روکے چلے اپنے یہ مقدور
تقدیر کی تحریر سے شبیرؑ ہے مجبور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پھر آئیں گے ہم بھی
منزل پہ سرِ شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

۷۷

فرما کے یہ چھاتی سے لگایا کئی باری
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
اب کون بچائے گا شہِ جن و بشر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہراؑ کے پسر کو

۷۸

سنتی ہوں اُدھر فوج پہ فوج آتی ہے ہر دم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم
یاں کم ہوے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم
جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم
حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بہینا
بچپن کا مرا دوست جدا ہوتا ہے بہینا

۷۹

یہ سنتے ہی کہرام ہوا اہلِ حرم میں
کامل تھا زبس عشقِ شہنشاہِ امم میں
پہونچا وہ جری شیر سا میدانِ ستم میں
بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیرؑ کی جانب

۸۰

پیری میں عجب شان تھی اس شیرِ ژیاں کی
تھی جلوہ گری نورِ خدائے دو جہاں کی
پڑتی تھی سراپے پہ نظر پیر و جواں کی
گردوں پہ چمک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
پیشانیِ پرنور پہ عالم تھا قمر کا
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارہ تھا سحر کا

۸۱

باہم صفتِ تیر و کماں ابرو و مژگاں
آنکھیں وہ غزالانِ حرم جن پہ ہوں قرباں
سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
نظروں سے ہو یعنی رخِ شبیرؑ نہ پنہاں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کر
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کر

۸۲

خورشید سے افزوں ہے صفائے رُخِ نیکو
غنچے سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو
مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
اور وردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوش خو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے
بن پانی مگر خشک ہیں جو میں پہر سے

۸۳
بے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُرِ دنداں
وہ ریش سپید اور وہ اُس کا رخِ تاباں
یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچہ میں ہیں پنہاں
آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے
شب گذری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

۸۴
گردن جو جھکی جاتی ہے سر تن پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے
افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے
جانے کا بھی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

۸۵
سر پر عوضِ خود ہے اللہ کا سایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
زخموں کے لیے تن کو زرہ سے نہ بچایا
کیا فائدہ ہے چھپنے سے جب ہاتھ اُٹھایا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے
اک ہاتھ میں دامانِ حسینؑ ابن علیؑ ہے

۸۶
اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
ہشیار کہ اب میان سے کھنچتی ہے یہ صمصام
اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
وار اس کا ہے دشمن کے لیے موت کا پیغام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رُکے گی
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رُکے گی

۸۷
یہ سن کے پکارا عمرِ سعدِ جفاکار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیے زنہار
آتا ہے بڑا سبطِ پیمبرؐ کا مددگار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدار
میں تیری طرح دشمنِ شبیرؑ نہیں ہوں
ہوں پیر تو واللہ یہ بے پیر نہیں ہوں

۸۸
گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالمِ گمراہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ
گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ
ہے قدر شناس ان کا جگر بندِ یداللہ
پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

۸۹
میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرِ کرار
دیکھا ہے محمدؐ کا انھیں آنکھوں سے دربار
زہراؑ کی نوازش رہی شبیرؑ نے کیا پیار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دو جہاں ہے
اب ساتھ ہے شبیرؑ کا اور سیرِ جناں ہے

۹۰
پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفری ہوں
دیندار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
بےخوف چلا جاتا ہوں میں شیر کے منہ پر
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

۹۱
مشہور ہے دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب
ہر دم ہے عنایاتِ خدا سے مددِ غیب
جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
شک اس میں نہیں بندۂ شبیرؑ ہوں لاریب
تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا
اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھروں گا

۹۲

آقا مرا وہ ہے جو امام ازلی ہے
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہے
مظلوم ہے سید ہے ولی ابنِ ولی ہے
اُس شیر کے بیٹے میں پلا ہوں جو علیؑ ہے
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا
ہر طرح سے مر کر اسی میداں میں گڑوں گا

۹۳

منھ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں
ہاتھ آؤ تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں
نیزوں کا ہر اک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں
جیتا نہ مظلوم کے دشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

۹۴

ہے کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خدا داد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد
ہے جنگِ ید اللہ کا انداز مجھے یاد
پھر جاتا ہے پنجہ سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو، دلیروں کا طمانچہ
ہے ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

۹۵

شبیرؑ سے بیکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے بُرائی
اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
پیدا ہوئی ہے جس کے لیے ساری خدائی
فرزندِ پیمبرؐ پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہے زہراؑ کا یہ کیا کرتے ہو یارو

۹۶

بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سید پہ اُٹھاؤ
کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ
ہلتی ہے زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
شمعِ حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ
کون اِسکے سوا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے
شبیرؑ سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے

۹۷

سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
تیرے زن و فرزند بھی ہو دینگے مقرر
ہر چند بہادر ہے تو اے رستمِ لشکر
لازم وہ ہے تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
گو سمتِ دلِ صاحبِ معراج ہے شبیرؑ
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہے شبیرؑ

۹۸

کیوں آپ کو تیروں کا بناتا ہے نشانہ
قبضہ میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ
ساتھ اُس کا نہ دے جس سے ہے برگشتہ زمانہ
دو روز سے پانی نہ میسر ہے نہ دانہ
لازم ہے کنارہ پسرِ شیرِ خدا سے
ہو اُس کا ملازم جو سر بھر دے طلا سے

۹۹

ٹھرا گیا یہ سن کے حبیبِ جگر افگار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار
چلا کے کہا دور ہو اے ظالمِ غدار
نہ ملک سے مطلب ہے نہ دولت سے سروکار
شبیرؑ کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا

۱۰۰

ممکن ہے کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں
فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں
گر کوہِ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
کیا دے گا مجھے کوئی جو آقا نے دیا ہے
شبیرؑ سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہے

۱۰۱

یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز بکتاز
اڑ کر صف اعدا پہ گیا صورت شہباز
رنگ رخ افواج ستم کر گیا پرواز
گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
مڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے

۱۰۲

چمکی عجب انداز سے اس شیر کی تلوار
گویا سر اعدا پہ گری برق شرربار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
اس دست زبردست کا رکتا تھا کوئی وار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
سینے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

۱۰۳

کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس ان پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

۱۰۴

تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا
برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سر اعدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

۱۰۵

چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر
دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے

۱۰۶

بیکار تھے جلادوں کے نیزے دم پیکار
تلوار سے ملتی تھی نہ مہلت کہ چلے وار
حلقے کئے اوس شیر کے درپے تھے کماندار
چلے سے مگر جس نے ملایا لب سوفار
شہباز سا سر پر فرس تیز قدم تھا
نکلا ہی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

۱۰۷

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت
دل سے کہا اب عالم فانی سے ہے رخصت
نے لشکر اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مڑ کر رخ شبیرؑ کو دیکھا

۱۰۸

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزے کا لگا وار
چاہا اسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجے کے ہوئی پار
کٹتے تھے تن و جان شہ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیرؑ کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دوپارا
رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
شیرازۂ اجزائے بدن کھل گیا سارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
یاں آپ کا آنا مری بخشش کی سند ہے
اے شیر الٰہی کے پسر وقت مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذیشاں	۱۱۰	دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغاں		اے دوست مرے تیری محبت کے میں قرباں
دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی		بھائی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی
اس عالمِ پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا	۱۱۱	کس طرح نہ روؤں ترا احساں نہیں تھوڑا
میرے لیے تونے زن و فرزند کو چھوڑا		فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا		وہ تونے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا
آقا کی صدا سن کے اُسے ہوش جو آیا	۱۱۲	گردن کے تلے زانوئے شبیرؑ کو پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا		اکبرؑ کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
بچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے		حضرت یہ اُٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے
للہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ	۱۱۳	شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اُٹھاؤ		حیدرؑ یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنؑ سبز قبا آتی ہے مجھ کو		فریاد کی زہراؑ کی صدا آتی ہے مجھ کو
یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے	۱۱۴	نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے		چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی		صدقے ابھی ہوتے تجھے ابھی مر گئے بھائی
ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور	۱۱۵	ہے ہے مرے سلماں مرے مقداد و ابوذر
ہے ہے مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر		ہے ہے مرے عمار مرے مالکِ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا		خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا
پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم	۱۱۶	سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبِ پُرغم
میداں میں حبیب ابنِ مظاہر ہوئے بیدم		ماتم کرو بیکس کا بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اس کے زن و فرزند نہیں ہیں		مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں
خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا	۱۱۷	پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا		اے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے		مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رباعی

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باجِ نبیؐ	اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
فرماتے ہیں میں تن ہوں علیؑ سر ہے مرا	اب کہئے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

مرثیہ

۱

جب زلف کو کھولے ہوئے سلائے شب آئی
فریاد کناں روحِ امیرِ عرب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
غل تھا کہ شبِ قتلِ شہ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

۲

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اس شب کی سیاہی
مرغانِ ہوا بر میں طپاں بحر میں ماہی
ہے چار طرف حبس کی سیاہی سے تباہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اداسی تھی نجف میں

۳

صدمے سے ہوا رنگ رخِ ماہ کا فور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور
اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

۴

شمعِ طربِ محفلِ عالم تھی جو خاموش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش
تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش
ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہراؑ
مقتل تھا جہاں شاہ کا واں روتی تھی زہراؑ

۵

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی نہ شمعوں کا اجالا
آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

۶

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

۷

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری
غش ہو گئی تھی پیاسی سکینہ کئی باری
یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

۸

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بیتاب
مژگاں سے رخِ پاک پہ تھی بارشِ خوناب
فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورتِ مہتاب
تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

۹

کہتی تھی کبھی آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹتا ہے مادر نہیں ہے ہے
حال اپنا دکھاؤں کسے حیدرؑ نہیں ہے ہے
شبیرؑ مصیبت میں ہے شبرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سنا یہ جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

۱۰
در پیش ہے کل فوج ستمگر سے لڑائی
بے سر ہوئے رن سے نہ پھرے گا مرا بھائی
یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں اُدھر ساری خدائی
ہو جائے گی حیدرؑ کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے منہ دھوتی تھیں اماں
کل دن وہ ہے جس دن کے لیے روتی تھیں اماں

۱۱
تھے دوسرے خیمہ میں اُدھر سبطِ پیمبرؐ
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اکبرؑ کے اِدھر لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسِؑ علیؑ سامنے بیٹھے تھے ادب سے

۱۲
سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کل کا مددگار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

۱۳
یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دو پہر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

۱۴
اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
ہر وقت ہے ربِ دو جہاں حاضر و ناظر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
اجر اُن کا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

۱۵
نام اُس کا رہے وِردِ سفر ہو کہ حضر ہو
سجدے ہی کرے دکھ میں کہ راحت میں بسر ہو
موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عاشق گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

۱۶
چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگیں تیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر
دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رگ میں بو الفتِ اللہ کی نکلے

۱۷
شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے
اشک آنکھوں میں سب عاشقِ صادق کی بھر آئے
سجادے وہیں لاکے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں شکرِ احد و نبی میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

۱۸
تسبیح کہیں تھی کہیں سجدے کہیں زاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری
تھا صوتِ حسن سے کوئی قرآن کا قاری
اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
حرمت سے شریکِ شہدا کیجیو یا رب
تو حوصلۂ صبر عطا کیجیو یا رب

۱۹

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار / مرنے کے لیے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
یہ بندہ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار / کر رحم کہ ہے ذات تری ارحم و غفار
ناقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے / تجھ سے طلب قوتِ ثابت قدمی ہے

۲۰

بیکس ہیں مسافر ہیں وطن دور ہے گھر دور / ہفتم سے ہیں گھیرے ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غربال کہ تیغوں سے بدن چور / احمدؐ کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
پھر منہ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں / کیونکر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

۲۱

مردوں کے لیے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا / راحت ہو کہ ایذا یہیں جینا یہیں مرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گذرنا / اے کل کے مددگار مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے دغا ہو تو مزا ہے / کچھ حقِ نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

۲۲

کرتے تھے مناجات ادھر یاور و انصار / پڑھتے تھے نمازِ شب اِدھر سیدِ ابرار
تھی نیتِ تسبیحِ بتولِ جگر افگار / آواز بکا خیمے سے آنے لگی یکبار
اکبر سے اشارہ کیا مڑ کر یہ کیا ہے / کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

۲۳

یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بیتاب / راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب / روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُر نور کہیں ہے / اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

۲۴

سب بیبیاں ہیں اور ہیں بچوں کو لیے پاس / ایک ایک کو اندیشہ ہے ایک ایک کو وسواس
جو پوچھتا ہے وجہ تو کہتی ہیں بصد یاس / لوگو مجھے شبیر کے بچنے کی نہیں آس
مانگو یہ دعا غیب سے بیکس کی مدد ہو / صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو

۲۵

ان کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم / اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہ تھی اک دم
اصغرؑ کی کبھی ہے فکر سکینہؑ کا کبھی ہے غم / شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بیدم
گودی میں اٹھائیں اسے یا اسکو سنبھالیں / دو روز کے فاقے ہیں وہ کس کس کو سنبھالیں

۲۶

رو آتی ہیں عابدؑ کے سرہانے کبھی جا کر / گہوارۂ اصغرؑ پہ کبھی گرتی ہیں آ کر
[illegible] کی ہوا دیتی ہیں غش میں اسے پا کر / بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر
وہ کہتی ہے تا صبح یونہیں روؤں گی اماں / بابا ہی جب آ دیں گے تو میں سوؤں گی اماں

۲۷

بتلاؤ شہِ جن و بشر کیوں نہیں آتے / اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے
آزردہ ہیں کچھ مجھ سے ادھر کیوں نہیں آتے / کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سنتے / حضرت مرے رونے کی صدا کیا نہیں سنتے

۲۸

رو کر علی اکبر نے جو کی شہ سے یہ تقریر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرت شبیر
قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیر نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

۲۹

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال
نہ سر پہ عصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
بیٹھو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینب
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینب

۳۰

جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطم
ہوتے ہیں مرے ہوش و حواس آئے ہوئے گم
یہ کرب یہ دکھ درد یہ زاری یہ تظلم
خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح تجھے تم
بس صبر کرو جی سے گذر جائیں گے بچے
تڑپو گی تم اسطرح تو مر جائیں گے بچے

۳۱

تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر
گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر
سینہ ابھی تیروں سے مشبک نہیں خواہر
مر جائے گا بھائی تمھیں ثابت ہوا کیونکر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دور ہے قدرت سے خدا کی

۳۲

زینب نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے
خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے
بھائی تمھیں اللہ اس آفت سے بچائے
بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتے
بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتے

۳۳

آتا ہے سکینہ کی یتیمی کا مجھے دھیان
سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان
ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران
پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے موت کا سامان
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لیے جاتا ہے کوئی

۳۴

منہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر
اماں کبھی چلاتی ہیں بالوں کھولے ہوئے سر
تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبر
بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینب
شبیر اسی رات کا مہمان ہے زینب

۳۵

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہ نے پکارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا
سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

۳۶

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان
اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

۳۷

کیا ہوے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کہیں پائیں
مجبور ہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
بی بی کو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

۳۸

جب عمر تھی کم ہم بھی چھٹے تھے یونہیں ماں سے
کوچ ان کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے
سوتے تھے لپٹ کر یونہیں خاتونِ جناں سے
ماتم سے ملیں وہ نہ بکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جئے ہیں

۳۹

رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں وہ چند
کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
کیا زور ہے بندے کا جو مرضیِ خداوند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

۴۰

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی
اک دم میں بہار اور ہوئی باغ جہاں کی
گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی
تلوار چلی گلشن انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے

۴۱

گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا
انجم کا وہ چھپنا کبھی اور گاہ چمکنا
مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا
وہ سرد ہوا اور وہ سبزے کا لہکنا
اُس دشت میں رونق تھی جو شبنم کے اثر سے
تھا موتیوں کا فرش زمرد کی زمیں پر

۴۲

جلوہ وہ دمِ صبح کا وہ نور کا عالم
سرخی وہ شفق کی افقِ چرخ پہ کم کم
دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم
وہ گل کے کٹوروں پہ دُر افشانیِ شبنم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالکِ گلزارِ جناں تشنہ دہاں تھا

۴۳

لشکر میں ادھر مورچے بندی کی ہوئی دھوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم
یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

۴۴

خیمہ تھا فلک آپ قمر دوست ستارے
خم ہو گیا تھا پیرِ فلک شرم کے مارے
تارے بھی وہ تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں روشنیِ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

۴۵

جو صف ہے وہ اک سطر ہے قرآنِ مبیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی
دیوار ہے قبلہ کی طرف کعبۂ دیں کی
افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

۴۶

اس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت
نہ پیاس کا شکوہ ہے نہ فاقوں کی شکایت
اے قدسیو دیکھو مرے بندوں کی عبادت
یہ زہد، یہ تقویٰ، یہ اطاعت، یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحبِ اقبال و شرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

۴۷

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں بیکس ہیں مسافر ہیں یہ بندے
دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
تھوڑے سے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں ولی سے مرے ان سب کو ولا ہے
ان کا وہ صلہ ہے جو رسولوں کو ملا ہے

۴۸

پرسش نہ لحد میں نہ حساب ان کے لیے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لیے ہے
یہ لائقِ رحمت ہیں ثواب ان کے لیے ہے
میں جس کا ہوں ساقی وہ شراب ان کے لیے ہے
اس نخلِ ریاضت کے ثمر ان کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

۴۹

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیندار
فرمانے لگے حضرتِ عباسِ علمدار
پوشاک پہننے کو اٹھے سیدِ ابرار
ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

۵۰

آمادۂ شر لشکرِ کفار ہے کل سے
درپیش ہے جنگ و جدل اس فوج کے دل سے
ہونا ہے تمھیں آج ہم آغوشِ اجل سے
آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو! وقت ہے نصرت کی دعا کا
کھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

۵۱

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں کب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے
اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
صف باندھ کے آؤ درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعتِ نور آج ملیں گے

۵۲

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی
اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
نعرے تھے کہ قربانِ شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

۵۳

تھے گردِ حرم بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا
بازوئے دو عالم کا جگر سینے میں شق تھا
مانندِ سحر رنگ ہر اک بی بی کا فق تھا
زینبؑ پہ تڑپتی تھی حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہؑ

۵۴

شہ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اٹھ جائے گا سر سے
سینہ مرا شق ہوتا ہے لپٹو نہ پدر سے
ہے ہے میں تمھیں ڈھونڈھ کے لاؤں گی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں اسی خوف سے سوئی نہیں بابا

۵۵

سمجھاتے تھے حضرت کہ میں صدقے مری پیاری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کے واری
میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
در پیش لڑائی ہمیں گر فوج شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپھی سے

۵۶

اس آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا
باؤ مرے پیچھے نہ سکینہ کو رُلانا
کیوں کہتے تھے زینبؑ اسے چھاتی پہ سُلانا
پانی جو میسر ہو تو پیاس اس کی بجھانا
بھلائیو جب روکے، مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

۵۷

میں سُنتی تھی عابدؑ سے جو کچھ کی تھی وصیت
ہے ہے یہ مری عمر یہ صدمہ یہ مصیبت
اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
لے لو مجھے ہمراہ گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اس دارِ محن سے
کوئی مری گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

۵۸

نادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا
حضرت کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا
ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
ڈیوڑھی تک اُسے گود سے اپنی نہ اُتارا
جس دم وہ چھٹی جیتے ہی جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

۵۹

جس دم درِ دولت پہ امیرِ اُمم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا
بیٹھے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی چمکتے ہی ضیا عرش تک اس کی
خورشید کو پنجہ میں لئے تھی چمک اس کی

۶۰

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریِ لشکر
دیکھیں یہ ہُما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
عباسؑ کو دیں گے شہِ دیں منصبِ جعفرؑ
اک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

۶۱

زینبؑ کے پسر کرتے تھے یہ مشورہ باہم
تائیدِ خدا چاہیئے گو عمر میں ہیں کم
کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

۶۲

دادا بھی علمدار ہے نانا بھی علمدار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار
ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

۶۳

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
عزت رہے بھائی یہ دُعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علم فوجِ خدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

۶۴
روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر
فضّہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
سب اُس نے مفصّل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
دونوں کو اشارے سے بُلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سُن لیں اسے فرصت انھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

۶۵
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار
اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے کہ نہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا انھیں منصب کی پڑی ہے

۶۶
واللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار
بچّو! تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار! خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

۶۷
کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے
اِستادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
میں خوش ہوں بجا لائیں وصیّت کو علیؑ کی

۶۸
دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سِن بھی تمھارا ابھی کم ہے
تم فکرِ علم میں ہو مجھے سخت اَلم ہے
کھیل اس کو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہ سے کہنا

۶۹
مانا کہ بہو زیبتا ہے تمھیں منصبِ جعفرؑ
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گلہ گر کوئی اسلوب کرو گے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

۷۰
زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار
یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

۷۱
زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو
بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زورِ علیؑ کا

۷۲
صدقے گئی سُن لو کہ میں کہتی ہوں مکرّر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ
تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کا وہ لعل جو کام آئے نہ ماں کے

۷۳

ان میں سے اگر ران کی طرف ایک سدھارا
جس وقت سنوں گی کہ سر ان دونوں نے وارا
زہرا کی قسم منھ نہ میں دیکھوں گی تمہارا
اس وقت تمھیں ہوگا مرا دودھ گوارا
بیجاں ہوئے بعد ان کے تو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مَرَ دوں گی کبھی تو ناراض مروں گی

۷۴

ہیں دونوں بھتیجے مرے پیارے مرے محبوب
جینا نہیں بہتر کسی صورت کسی اسلوب
تم ان پہ تصدق ہو یہی ہے مجھے مطلوب
بے سر دیے دودھ اپنا میں بخشوں تمھیں کیا خوب
ایذا جو اٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

۷۵

دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار! خبردار
شیروں کے یہ ہیں کام کھنچے جب گھڑی تلوار
جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خوں خوار
اُلٹی ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنات کے لشکر سے علیؑ یوں ہی لڑے ہیں

۷۶

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ
اجلالِ حسنؑ شوکتِ شبیرؑ دکھاؤ
تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

۷۷

جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو
جرار ہو، کرار ہو، صفدر ہو دلیرو
حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
ضرغام ہو، ضیغم ہو، غضنفر ہو دلیرو
شیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

۷۸

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
بچے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلب کو

۷۹

خاقاں کا رہا تخت نہ قیصر کا رہا تاج
چڑھتا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کو معراج
ہاں غازیو! چین و حلب و زنگ سے لو باج
کھنچی تہِ بالا ہو وہ تلوار چلے آج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعدِ ظفر آتے تھے گھر میں

۸۰

میلے نہ ہوں تیور، یہ سپاہی کے ہنر ہیں
گو عطر میں ڈوبے ہیں گے خون میں تر ہیں
جس کے ہیں بس اس کے ہیں جدھر ہیں بس ادھر ہیں
صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

۸۱

یہ سن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ
کس پیار سے منھ دونوں کا تکتے تھے سرور
تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی ادھر فوجِ ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

۸۲

شہ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ
عاشق کو، مددگار کو، یاور کو بلاؤ
پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
جلدی مرے حمزہؑ مرے جعفرؑ کو بلاؤ
یہ اوج، یہ رتبہ، یہ حشم اس کے لئے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے علم اس کے لئے ہے

۸۳

سب کہنے لگے صورتِ عباسِؑ فلک جاہ
یعنی مرا حامل ہے نشانِ اسد اللہ
نازاں ہوا خود اوج پہ اپنے علمِ شاہ
بالیدہ تھا پرچم تو پھریرا تھا ہوا خواہ
جان آگئی تھی سنتے ہی اس خوشخبری کو
پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

۸۴

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علیؑ اکبر
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر
جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

۸۵

بوسہ دیا عباسِؑ دلاور نے علم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر
تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

۸۶

اس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پر
یہ آیہ مرے سر پہ، یہ طوبیٰ مرے سر پر
اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پر
قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر
سلطانِ دو عالم کی غلامی کے صلے ہیں
سب اوج یہ نعلین اُٹھانے سے ملے ہیں

۸۷

حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
حصّہ یہ تمھارا تھا سو پہونچا تمھیں بارے
حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمھارے
مالک ہو تمھیں ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

۸۸

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توسن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن
ہتھیار لگائے ہوئے پہنے ہوئے جوشن
اللہ رے ضیا، خانۂ زیں ہو گیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لئے باعثِ ضو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے

۸۹

زانوں کے اشارے سے لگا کوندنے شبدیز
گرما کے جو شبیرؑ نے تازی کو کیا تیز
اسوار کے دل کا تھا اشارہ اُسے مہمیز
اعدا پہ چلا غول سواروں کا جلو ریز
ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا علم سر بہ فلک تھا

۹۰

کیا فیضِ سواری تھا کہ زر ریز تھی یہ راہ
مابینِ دو خورشید تھی فوجِ شہِ ذی جاہ
طالع تھا اِدھر مہر، اُدھر تھا علمِ شاہ
پنجے پہ تجلّی تھی کہ اللہ رے اللہ
بالا تھی چمک مہرِ منوّر کی چمک پر
ضو اس کی زمیں پر تھی ضیا اس کی فلک پر

۹۱
ایک ایک جواں زیورِ جنگی کو سنوارے
جعفرؑ کے جگر بند یداللہ کے پیارے
نیزوں کی چمک اور وہ سمندوں کے طرارے
رستم سے ہر اک جنگ کرے شیر کو مارے
بیتاب ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کیا نداد کو اک تیر سے ماریں

۹۲
کم سن کئی لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے
رو کے ہوئے باگوں کو شہ دیں کے ادب سے
سوئے بھی نہ تھے دلولۂ جنگ میں شب سے
آعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے
ہتھیار جو باندھے تھے تو کیا تن تو کھِلے تھے
سب نیچے تولے ہوئے مرنے پہ تُلے تھے

۹۳
وہ چاند سا منھ اور وہ گورے بدن اُن کے
یوسفؑ کی طرح عطر فشاں پیرہن اُن کے
شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن اُن کے
مُر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے
کیا حسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

۹۴
عمریں تو کم و بیش، یہ سب گیسوؤں والے
ذی مرتبہ سیدانیوں کے گود کے پالے
اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
غنچہ تھا وہ سب اکبرِؑ گل رو کے حوالے
ان تازہ نہالوں میں نمودار یہی تھے
اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے

۹۵
مقتل کو جو پُر نور کیا عسکرِ دیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے
دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
اُٹھ اُٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

۹۶
کھولا جو پھریرے کو علمدارِ جری نے
تاروں کو اُتارا فلکِ نیلو فری نے
لوٹے گلِ فردوس نسیمِ سحری نے
پرچم جو کھلا کھول دیئے بال پری نے
عیسیٰؑ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے منھ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

۹۷
ترتیبِ صفِ فوج کا جس دم ہوا اعلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گل اندام
باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
کوفے کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفا و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

۹۸
ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکرِ سفّاک
فریاد سے کرنا کی ہلا گنبدِ افلاک
تا چرخ گیا غلغلۂ کوسِ شغب ناک
تھرا گیا آوازِ دہل سے کُرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

۹۹
واں شور تھا باجوں کا اِدھر نعرۂ تکبیر
ناگاہ سوئے فوجِ خدا آنے لگے تیر
ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
عباسِؑ علمدار نے دیکھا رُخِ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

۱۰۰

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کل کے شہنشاہ
ہفتاد و دو تن یاں ہیں ادھر سیکڑوں گمراہ
یہ شیر نیستانِ علیؑ ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

۱۰۱

فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مرا لشکر
بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مرا سر
پانی نہیں ملتا کہ لبِ خشک کریں تر
غازی نے کہا شیر گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے اُلٹ دیں گے پرے فوجِ عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے تو پیاسے ہیں لہو کے

۱۰۲

حضرت نے کہا خیر! لڑو فوجِ ستم سے
دُنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے
معلوم ہے سب آج جدا ہو دیں گے ہم سے
کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

۱۰۳

جس دم یہ سُنی قبلۂ کونین کی گفتار
تھے پیاسوں کے حملے غضب حضرتِ قہار
جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
چوٹی کے جوان بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے قدم اُٹھ جاتے تھے سب کے

۱۰۴

لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار
سر بیچتے تھے جنسِ شہادت کے طلبگار
دن چڑھتا تھا یاں گرم تھا واں موت کا بازار
بڑھ بڑھ کے خریدار یہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

۱۰۵

آیا جو عزیزوں کے لیے موت کا پیغام
اولادِ عقیل آ چکی شبیرؑ کے جب کام
فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کئے نام
لڑنے کو گئے مسلمِ بیکس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے اُلٹ دی تھیں صفیں فوجِ عدو کی

۱۰۶

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار
منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار
بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
ہم جائیں گے بعد اُن کے سوئے لشکرِ کفار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

۱۰۷

کچھ اُن سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذیشاں
لاشے بھی اُدھر آ چکے سب خون میں غلطاں
جو غل ہوا مارے گئے مسلم کے دل و جاں
پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھ دیے ماموں کے قدم پر

۱۰۸

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت
مایہ ہو تمھیں اس کا تھیں اس کی بضاعت
کیا کہتے ہو لٹوا دوں میں ہمشیر کی دولت
چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت
جھوٹے نہیں ہم آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی شب سے

۱۰۹
بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
فرمایا چھڑاتا ہے تمھیں بھی فلک پیر
ان دونوں کا منھ دیکھ کے رونے لگے شبیر
اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضیٔ ہمشیر
وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض ہے ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

۱۱۰
یہ سن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ
کی سوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ
خورشید کے آگے مہِ نو بن گئے دو ماہ
وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سوئے جنگاہ
ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکارِ شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

۱۱۱
سلطانِ دو عالم نے خلع کیا واری
پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری
تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری
لو دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

۱۱۲
تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبؑ خوشخو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

۱۱۳
میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے
غل مچ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے
گویا کہ ہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حسن گرانمایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے ان کا

۱۱۴
وہ چاند سے منھ اور وہ گیسوئے معنبر
سب شان یداللہ کی سب شوکت حیدرؑ
وہ بدر سے رخسار رہے قدرتِ داور
چتون وہی، غصہ وہی، سارے وہی تیور
یہ دیدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

۱۱۵
تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ
شمشاد سے قامت نہ دراز اور نہ کوتاہ
چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو ید اللہ
کھیلے ہوئے تیغوں میں فنِ جنگ سے آگاہ
ناخن سے دلیروں کے سب انداز دغا تھے
بچے تھے مگر بچۂ ضرغام خدا تھے

۱۱۶
تھے حسن میں ان دونوں کے آئینہ رو ایک
شان ایک، شکوہ ایک، جو رنگ ایک تو بو ایک
پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
دل ایک، جگر ایک، جسد ایک، لہو ایک
اور ان سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

۱۱۷
پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور
ہر بیت تھی دشمن کے لئے تیغ دو پیکر
اللہ ری فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر مصرعِ برجستہ میں تھی تیزیٔ خنجر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
دال قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

۱۱۸
اظہارِ نسب میں جو محمد کا لیا نام
سب پڑھنے لگے صلِّ علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نامِ علیؑ لے کے وہ گلفام
دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

۱۱۹
آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ
ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر
تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہئے تو جدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

۱۲۰
فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی
تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی
کر دیتے ہیں سر کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

۱۲۱
نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ
تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ
ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منھ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

۱۲۲
چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر
بس کھینچ لئے نیمچے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر
نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رد میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

۱۲۳
ان چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے
تھیں کنٹھیاں پہونچوں سے جدا ہاتھوں سے بھالے
شل اپنی جائے تھے جو بے شل رسالے
تھے جائزہ ان سب کا یہی دیکھنے والے
ناز اپنے ہنر پر تھا شجاعانِ عرب کو
نیزوں کو قلم کر کے ندارد کیا سب کو

۱۲۴
موت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے
جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
گر سینے تلک آئے تو کبھی تا کمر آئے
خالی نہ پھرے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
ہر نیمچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو مہِ نو خوں کی شفق میں

۱۲۵
اٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خوں خوار کی گردن
سر خود کا جھک جاتا تھا تلوار کی گردن
دو چار کے منھ کٹ گئے دو چار کی گردن
اسوار کا سر اُڑ گیا رہوار کی گردن
دو نیمچے بجلی سے گذرتے تھے گرے سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

۱۲۶
دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی
معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی
لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی
بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منھ اہلِ جفا کے
دریا کے تھپیڑے تھے طمانچے تھے قضا کے

۱۲۷
گردن سے بڑھے کاٹ کے پیکر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے
جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
صابون سے دو تار برابر نکل آئے
محراب کے نیچے کسے جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

۱۲۸
ہر غول میں غلطاں و طپاں تھے سر و پیکر
جب نیچے ان دونوں کے اُٹھتے تھے برابر
دستانے کہیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر
منھ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
روکے انھیں طاقت یہ نہ تھی پیر و جواں کی
صورت نظر آنے لگی تیغ دو زباں کی

۱۲۹
غارت تھی وہ صف جس سے وغا کر کے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھرے وہ
دو ہاتھ میں سّو، سّو کو فنا کر کے پھرے وہ
ہر غول میں اک حشر بپا کر کے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

۱۳۰
گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو اُدھر گرم عناں تھے
جنگل میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
بجلی تھے کسی جا تو کہیں آبِ رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے

۱۳۱
بے آب تھے دو دن سے پہ جاندار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے، کبھی اُس پار تھے گھوڑے
ہر مرتبہ اُڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
نقطہ تھے وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دشمن جنھیں جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطے سے اجل کے

۱۳۲
تانے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں
تلواروں کی موجوں سے گذر جاتے تھے دونوں
سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی

۱۳۳
دم لے کے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرّار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرّار
اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرّار
دو کرتے تھے یکجا جسے پاتے تھے وہ جرّار
شیروں نے جو مارا بھی تو رہواروں کو مارا
جب آنکھ ملی چن کے نموداروں کو مارا

۱۳۴
جمعیتِ لشکر کو پریشاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دم میں
جو فوج کی جاں تھے انھیں بے جاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بے دست تھے علموں کو جو بے دین لئے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

۱۳۵
دو لاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا
اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا
تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا
دم اس نے لیا اس نے لڑائی کو سنبھالا
یک جا فرسِ تیز قدم ہو گئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہو گئے دونوں

۱۳۶
وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا
جب شیر سا بپھرا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا
دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جاں آ گئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

۱۳۷
کچھ بھائی سے بڑھ کر جو دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی الفت کا ادا کرتا تھا بھائی
بچ جانے کی بھائی کے دُعا کرتا تھا بھائی
ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

۱۳۸
کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب
بھائی میں بھگا دوں ابھی ان کو جو ملے آب
سینے میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ تحمل کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

۱۳۹
کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پیئیں جام
ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
غش ہم کو بھی آ جائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

۱۴۰
اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل
پل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل
رو دیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے کیا دل
بتلایئے پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعب ہے
اماں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

۱۴۱
اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب
اپنے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب
ہر دم ہے رضا مندیٔ مادر ہمیں مطلوب
منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اُٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

۱۴۲
جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہلِ جفا سے
کچھ ہم علی اکبرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہت بہہ گیا تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

۱۴۳
ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذی جاہ
پردے سے کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے جنگ گاہ
اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

۱۴۴
اس بی بی کے فاقوں سے ہیں پالے ہوئے یہ لال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن و سال
دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گل ہو گئے پامال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفرؑ کے چمن میں
مر جائے گا باپ ان کی خبر سن کے وطن میں

145

رو کر درِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار
آگاہ صعوبات سفر سے نہیں زنہار
میں شاہ کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
اے دخترِ زہرا مرے بیٹوں سے خبردار
میں کہہ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں
اب تو یہی دونوں مرے پیری کے عصا ہیں

146

شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد
ہے ہے مری الفت میں لٹی زینبِ ناشاد
ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
رو لے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیونکر
منھ زینبِ دلگیر کو دکھلائیں گے کیونکر

147

عباس نے کی عرض کلیجہ ہے دوپارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اکبر کو پکارا
ان کو تو کبھی کی نہیں امداد گوارا
جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

148

حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں
لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروروں میں گھریں گے
لے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

149

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذی جاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ
اکبر نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
رہتی ہے کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

150

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینب یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری
سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
بتلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسمِ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسِ دلاور بھی نہ جائیں

151

زہرا کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان
وہ آئے تو سو اس سے دل ہوگا پریشان
بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود رو دوں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

152

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر
دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر
مر جاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمِ دلگیر
سمجھاؤ میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیر
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لئے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں

153

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ
ہے شرم کی یہ وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ
میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب رو دیں نہ للہ
سو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذی جاہ
ممتاز ہے فدیہ ہے جو زہرا کے پسر کا
شان اس کی بڑھے فخر ہو جو جد و پدر کا

۱۵۴

باپ اُن کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا
زہرا کے کلیجے کے عوض برچھیاں کھاتا
بیٹوں کو یوں ہی میری طرح نذر کو لاتا
اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا
جو پاس ہے اس کے وہ عطا ہے شہِ دیں ہے
کہہ دے مرے ماں جائے کہ حق کس پہ نہیں ہے

۱۵۵

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
سرور مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

۱۵۶

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

۱۵۷

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے تھیں پاس
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجف پر
زینب کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

۱۵۸

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
زینب بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتے ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

۱۵۹

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی
دامانِ مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی
دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں دو ماتمی صف کا

۱۶۰

سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وسواس
اک شب کی دلہن گھر میں ہے اس کا بھی نہیں پاس
شبیرؑ تو سر بر ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس
اکبرؑ مری اُمید ہے قاسمؑ ہے مری آس
اب خلد میں نانی کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

۱۶۱

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار
یہاں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

۱۶۲

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہِ نو سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر بہ پہلو
بھنچتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

۱۶۳

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر
ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ صفدر
بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیدِ ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

۱۶۴

سن کے یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار
دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

۱۶۵

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے
بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے
پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

۱۶۶

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی
زینب نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی
رانڈوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
فضّہ یہ پکاری کہ دُہائی ہے دُہائی
لو چاک گریبان کیے آتے ہیں شبیر
معصوموں کے لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیر

۱۶۷

بچھی صفِ ماتم یہ اُدھر شاہ کی خواہر
لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شہِ صفدر
سیدانیوں نے اُٹھ کے اُدھر کھول دیے سر
زینب کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمھارے

۱۶۸

شبیر نے جب دودھ کا زینب سے لیا نام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام
ہر چند کیا ضبط پہ تھرّا گیا اندام
آپ ان سے رضا مند ہیں یا شاہِ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے
میں ان سے خوشی ہوں مرا اللہ خوشی ہے

۱۶۹

عاشق تھے مرے اور مرے غم خوار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں
بچے تھے مگر صادق الاقرار تھے دونوں
حیدر کی طرح صفدر و جرار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینب
دونوں یہ نہیں مر گئے میں مر گیا زینب

۱۷۰

افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی
ہوتی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی
میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی
پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

۱۷۱

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو رو دیے شہِ ابرار
تھرائی ہوئی خاک سے اٹھی وہ دل افگار
بس آ گیا فرزندوں کی ہمت پہ اُسے پیار
پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینب
منھ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینب

۱۷۲

دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی امنڈ آئی — نزدیک تھا مرجائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی — سب سے یہ کہا نیک گئی میری کمائی
بچے مرے قرباں ہوئے احسان خدا کا — اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

۱۷۳

رو کر شہ والا نے کہا صدقے میں تم پر — دم بھر انھیں رو لو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
بانو نے اشارہ کیا اے سبطِ پیمبر — قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ — یہ ماتمِ اولاد ہے مرجائیں گی زینبؑ

۱۷۴

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ — فرزندوں کو چلّانے لگی زینبؑ ذیجاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ — صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیر تو جاں اپنی میں دوں گی — اچھا میں انھیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی

۱۷۵

لو بچے کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو — تنتے ہوئے شبیر کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو — یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو
اٹھو بچو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے — اس طرح تو جاگے ہوئے دولہا نہیں سوتے

۱۷۶

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل — بچو! تمھیں کیا سن کے کہیں گے شہِ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل — سلجھاؤ یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا — ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

۱۷۷

پھر دونوں کے سر زانوؤں پر رکھ کے پکاری — لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری
بیہوشی میں کچھ مجھ کو خبر بھی نہ تمھاری — اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آ گئی بچو! — ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

۱۷۸

بچو! تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا — حسرت رہی ماں نے تمھیں دولھا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا — دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمنِ دہر میں پھولے نہ پھلے تم — جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

۱۷۹

میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم — دروازے پہ دم بھر کے لئے آ نہ گئے تم
ہے ہے دُلہنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم — پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گذر جانے کے دن تھے — یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مرجانے کے دن تھے

۱۸۰

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار — کافی ہے رُلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار — فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا — کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

مرثیہ ۱

زینبؑ نے سنی جب یہ خبر شاہِ اُمم سے
دل ہل گیا رنگ اُڑ گیا افراطِ الم سے
مسلمؑ کے پسر خوب لڑے فوجِ ستم سے
آنسو رُخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے
کام آتا تھا جو عونؑ کے خجل ہوتی تھی زینبؑ
فرزندوں کا منھ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؑ

۲

کچھ منھ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اسے دھیان
آگے کو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان
چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں

۳

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا
مشہور ہے زینبؑ شہِ مظلوم کی شیدا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا
کس کو خبر اس کی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؑ
لاش آتی ہے اوروں کی مری جاتی ہے زینبؑ

۴

میں آپ تو بیٹوں سے کروں گی نہ یہ تقریر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرتِ شبیرؑ
ماموں کے عوض سینے پہ کھائیں تبر و تیر
اس سوچ میں دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں جو محبت میں تو کام آئیں گے دونوں
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

۵

ماموں نے انھیں دل کی طرح گود میں پالا
کیا دل میں نہیں ان کے ولائے شہِ والا
آقا کی رضا قسمت سے ہوئی قدر دوبالا
پروان چڑھے نامِ خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے کھانے کے دن ہیں
یا آپ سے ان دونوں کے مر جانے کے دن ہیں

۶

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیّدِ ابرار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات پہ تکرار
کیا قصد ہے مجھ سے تو کریں دردِ دل اظہار
مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھے ہیں تلوار
کھلتی ہیں نہ کریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

۷

میرے لئے روتے ہیں تو بجا ہے یہ زاری
مر جانے کی ہمت دے انھیں ایزدِ باری
ماموں پہ تصدق ہوں جو ماں ہے انھیں پیاری
میں گرد پھروں ان کے جو منگوائیں سواری
بیٹا ہو، بھتیجا ہو، غنی ہو، کہ گدا ہو
مجھ کو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

۸

کیا زوجۂ مسلمؑ کی بھی تھی نیک کمائی
ممنون ہوئی احمدِؐ مختار کی جائی
شبیرؑ کے جو کام بُرے وقت میں آئی
رُتبہ ملا، عزّت ملی، توقیر بھی پائی
کس طرح نہ ہو مادرِ غمناک رضامند
چاروں سے ہوئے پنجتنِ پاک رضامند

۹

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عونؑ نے گفتار
اتنے میں پسر آ کے گرے قدموں پہ اک بار
ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

۱۰

کب تک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں
زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں
سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مَردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑبے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

۱۱

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونِ خوش اطوار
بس آنکھوں کو مَل مَل کے وہ رونے لگا یکبار
صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
کی عرض سُنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

۱۲

ہم نے تو کبھی ان کو اکیلا نہیں چھوڑا
سر پاؤں پہ سَو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا
خدمت سے غلامی کی کبھی منھ نہیں موڑا
فرما کے جدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید یہ ہمیں جنگ کے قابل نہیں سمجھے

۱۳

چھوٹے ہیں جواب اس کا بڑے بھائی کو کیا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہیں سزا دیں
اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں ملکِ عدم دُور
نہ فوجِ ستم دور، نہ یہ دور، نہ ہم دور

۱۴

دُنیا میں کوئی اور بھی ہے ہم سا دلاور
اک حملے میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر
ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دے کے پھریں گے
یارن سے سرِ شمر و عمر لے کے پھریں گے

۱۵

بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینبؑ
قربان گئی سمجھی ہیں تم دونوں کا مطلب
ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھُلا اب
ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمھیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے سبقت نہ کرو نام کا دن ہے

۱۶

آپس کی جدائی جو گوارا نہیں پیارو
ماموں کے جو دشمن ہیں انھیں گھیر کے مارو
جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
سرداروں کے سر چوٹی سے تیغوں سے اُتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

۱۷

جاتے تھے ہم پر جو کبھی احمدِ مختار
کرتے تھے وغا ایک طرف جعفرِ طیارؑ
اور لشکرِ اسلام پہ چڑھ آتے تھے کفار
لڑتے تھے علیؑ ایک طرف کھینچ کے تلوار
مشکل نہیں کچھ فوجِ دغاباز سے لڑنا
صدقے گئی تم بھی اُسی انداز سے لڑنا

۱۸

اک شیر سا شیروں کے نیستاں میں در آئے
جس شامی پہ تلوار پڑے دو نظر آئے
اک برچھیوں والوں کے پرے خوں میں بھر آئے
لڑتا ہوا اک جائے اُدھر اک اِدھر آئے
میداں میں جری نام پہ دیتے ہیں سر اپنا
ایک ایک الگ لڑ کے دکھا دو ہنر اپنا

۱۹

حلقے میں اگر ایک کو لیں برچھیوں والے
تم اُس کے مددگار ہو وہ تم کو بچالے
اک بھائی اُسے دوڑ کے نرغے سے نکالے
اک دم لے تو اک بڑھ کے لڑائی کو سنبھالے
شیرانہ رہے ایک دلیرانہ رہے ایک
جب بھیڑ پڑے ایک کا پروانہ رہے ایک

۲۰

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے
چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
چھاتی نہ ہٹے سینے پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

۲۱

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
جل جائے وہ صف دار جدھر تیغ کا چل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ جب دراس چڑھے جائیو واری
رولے ہوئے اعدا کو بڑھے جائیو واری

۲۲

نانا کی طرح کون وغا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں
سر کون ہزاروں کے جدا کرتا ہے دیکھوں
ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھوں گی لڑائی کا تماشا

۲۳

دیکھوں تو پرا زیر و زبر کردیا کس نے
خوں میں عمرِ شمر کو تر کردیا کس نے
دو حملوں میں اس جنگ کو سر کردیا کس نے
تلواروں میں سینے کو سپر کردیا کس نے
سر تن سے بہت کون سے دلدار نے کاٹے
چار آئینہ کس شیر کی تلوار نے کاٹے

۲۴

نیزے کے ہلانے کا تو فن سیکھے ہو واری
تقریرِ شہنشاہِ زمن سیکھے ہو واری
اکبرؑ سے لڑائی کا چلن سیکھے ہو واری
عباسؑ سے اندازِ سخن سیکھے ہو واری
تعریف کریں ڈر کے تو خورسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات میں تم بند نہ ہونا

۲۵

پیاسے ہو بہت تم کو جو سمجھائیں ستمگر
دیجو یہ جواب ان کو کہ اے قومِ بداختر
پانی تمھیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدمِ شہ پہ گریں گے
پانی کے لئے قبلۂ عالم سے پھریں گے

۲۶

غصے سے میں کہتی ہوں خبردار! خبردار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمھیں دریا سے سروکار
پانی جو پیا دودھ نہ میں بخشوں گی زنہار
وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذّت ہے نہ پانی میں مزا ہے

۲۷

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیرؑ
خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
اللہ نے بخشی ہے تمھیں عزت و توقیر
جلتے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کم سن ہو بہت اس لئے سمجھاتی ہوں واری

۲۸

مجھ کو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے
میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
حیدر کی طرح رونقِ اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل ابھی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

۲۹

فرما کے یہ ارشاد کیا اے مرے پیارو
عمامے رکھو فرق پہ زلفوں کو سنوارو
خلعت تو میں لے آؤں یہ ملبوس اُتارو
دولھا سا یہ ماں تم کو بنا لے تو سدھارو
غمخواریِ فرزندِ ید اللہ کا دن ہے
مہندی کی یہی شب ہے یہی بیاہ کا دن ہے

۳۰

آخر انھیں زینبؑ نے وہ پوشاک پنھائی
منھ دوسرے بھائی کا لگا دیکھنے بھائی
آگے ہی سے جو بیاہ کے خاطر تھی بنائی
ماں گرد پھری اور سخن لب پہ یہ لائی
روؤں گی مگر شادی بھی اس آن تو ہو لوں
پروان چڑھے آؤ میں قربان تو ہو لوں

۳۱

چہروں کی بلائیں تو مجھے لینے دو واری
اس وقت تو بیٹوں پہ بھی رقت ہوئی طاری
پھر کاہے کو تسکیں نہ ہو اُس کی تمھاری
سر رکھ دیا مادر کے قدم پر کئی باری
ماں شاد تھی پر غم کے بھی پہلو نکل آئے
چاہا کہ نہ روؤں مگر آنسو نکل آئے

۳۲

منھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے کئے پاک
فرمانے لگی خواہرِ سبطِ شہِ لولاک
سب اہلِ حرم رونے لگے با دلِ غمناک
بیٹے مرے پہنے ہوئے ہیں بیاہ کی پوشاک
سُن لیں نہ کہیں شاہ یہ کیا ہوتا ہے لوگو
شادی میں کسی کی بھی کوئی روتا ہے لوگو

۳۳

مجرے کئے دونوں نے جو جھک جھک کے برابر
سہرے بھی ذرا باندھ دو ان دونوں کے سر پر
سب بیبیاں کہنے لگیں اے شاہ کی خواہر
بیٹوں نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر
صندوق سے اماں نہ ابھی لائیو سہرے
اب بیٹوں کے تابوت پہ بندھوائیو سہرے

۳۴

گھبرا کے سکینہؑ نے کہا کیا ہے میں قربان
اچھا ہوا مدت سے یہی تھا مجھے ارمان
شاید ہے مرے بھائیوں کے بیاہ کا ساماں
میں باندھوں گی دستاروں پہ سہرے کو پھوپھی جان
حق ہے مرا جھگڑا میں کئے بن نہ رہوں گی
خوش ہو کہ خفا، نیگ لیے بن نہ رہوں گی

۳۵

صد شکر کہ یہ دن مجھے قسمت نے دکھایا
اس بیاہ میں صغرا کو وطن سے نہ بلایا
جو ساتھ ہی ان دونوں کو نوشاہ بنایا
شربت کے لئے پانی بھی پایا کہ نہ پایا
پیاسی ہوں بہت عرض کروں کچھ جو رضا دو
لو نیگ کے بدلے ہمیں پانی ہی پلا دو

۳۶

بانوؑ نے سکینہؑ سے کہا چپ رہو واری
میداں کی طرف جاتی ہے بیٹوں کی سواری
ہوتی ہیں خجل تم سے پھوپھی جان تمھاری
شادی نہیں ماتم ہے کرو گریہ و زاری
فدیہ انھیں دیتی ہوں شہِ کون و مکاں کا
کیا کہتی ہو تم بیاہ کہاں نیگ کہاں کا

۳۷

کچھ سوچ کر اتنے میں اٹھی بنت ید اللہ
روتے ہوئے سب اہلِ حرم بھی ہوئے ہمراہ
بیٹوں کو چلی لے کے حضورِ شہِ ذیجاہ
عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہیں زینبؑ
کیا بیٹوں کو رخصت کے لئے لاتی ہیں زینبؑ

۳۸

بس اتنے میں آئی سرِ مظلوم کی خواہر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبطِ پیمبر
بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گردِ برادر
صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قرباں میں تم پر
قسمت سے یہ دو نورِ نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کس لئے بندھوائے ہیں تم نے

۳۹

واللہ مری جان ہیں فرزند تمھارے
ہے مجھ کو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے
ہیں برجِ شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاعِ ازلی ہیں
یہ جوشنِ بازوئے حسین ابنِ علیؑ ہیں

۴۰

زینب نے یہ کی عرض کہ اے سیّدِ ابرار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار
کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
باپ ان کا نمک خوار ہے یہ بھی ہیں نمک خوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

۴۱

آپ ان کو سمجھتے ہیں بجائے علی اکبرؑ
پیارا ہے مجھے کون سوائے علی اکبرؑ
یہ دونوں ہیں خاکِ کفِ پائے علیؑ اکبر
سَو ایسے پسر ہوں تو فدائے علیؑ اکبر
اللہ سلامت مرے اس لال کو رکھے
دنیا میں خدا آپ کے اقبال کو رکھے

۴۲

بیٹوں کی محبت سے میں کہتی نہیں یا شاہ
نے باپ کی ایسی ہے محبت نہ مری چاہ
زہرا کی قسم مجھ کو بہ روحِ اسد اللہ
کہتے ہیں فقط آپ کے عاشق ہیں یہ واللہ
قائم رہیں ماموں یہ دعا کرتے ہیں دونوں
سوتے میں بھی حضرت کا یہ دم بھرتے ہیں دونوں

۴۳

اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی
میں بیٹے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی
تشویش میں تا صبح انھیں نیند نہ آئی
کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے تھے دونو
سمجھاتی میں کیا خود مجھے سمجھاتے تھے دونو

۴۴

سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی
ساتھ ان کو وطن سے میں اسی واسطے لائی
حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ہوتی ہے بُرے دن کے لئے نیک کمائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے

۴۵

کچھ ان کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی
دنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی
گوہر کوئی جز جوہرِ عزت نہیں رکھتی
محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

۴۶

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار
قربان گئی اب تو نہایت ہوئی تکرار
سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
محروم نہ رکھیئے کہ سخی کی ہے سرکار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی

۴۷

کس دن کے لئے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش
میداں میں شجاعت یہ دکھائیں گے کم و بیش
نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہرِ دل ریش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجے کہ مری دل شکنی ہو

۴۸

یہ سُن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
اچھا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
دُو اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

۴۹

اک دل ہے سو کس کس کا بھلا داغ اُٹھائے
رو کے کہے یہ خستہ جگر کس کو بچائے
اب خود متردد ہوں کہ جلدی اجل آئے
جو بچھڑے سو بچھڑے جسے جانا ہو سو جائے
کچھ غم نہیں گو راہِ عدم خوف کی جا ہے
پیچھے جو رہے جاتے ہیں ان کا بھی خدا ہے

۵۰

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ
لو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کئے جاتے ہو پیارے
زینت مرے لشکر کی لئے جاتے ہو پیارو

۵۱

وہ پاؤں پہ گرنے کے لئے دوڑ کے آئے
مُنھ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے
شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

۵۲

ڈیوڑھی میں جو پہونچی تو کہا عونؑ سے رو کر
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر
پھر دو کہ پھرا لوں تمھیں گردِ علیؑ اکبر
تم جا کے نہ ہو آئے نثارِ علی اصغر
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس سے خفا ہو
صدقہ تمھیں دیتی ہوں کہ رد انکی بلا ہو

۵۳

ہم شکل پیمبرؐ پہ ہوا عونؑ تو قربان
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں نہ رہا دھیان
چھوٹے نے کہا دست ادب جوڑ کے اس آن
اولادِ یہ ماموں کی تصدق ہے مری جان
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم مار یو اماں
گہوارۂ اصغر پہ ہمیں وار یو اماں

۵۴

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہ رو
بس بیٹھ گئے خاک پہ، بہنے لگے آنسو
اس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
چلاتی تھی پردے سے لگی زینبؑ خوشخو
دو روز کے پیاسوں تمھیں اللہ کو سونپا
حیدرؑ کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

۵۵

ہاں صدقے بزرگوں کے چلن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا
سیکھے ہوئے کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
جو ہم نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت کو خدا داد ہے اماں
تشویش نہ کیجے ہمیں سب یاد ہے اماں

۵۶

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے
تن تن کے جو کاندھے پہ رکھے بچّوں نے بھالے
گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسوؤں والے
ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

۵۷

سرعت وہ سمندوں کی، وہ چھل بل، وہ طرارے
تھم ایسے کہ قدموں پہ فلک بدر کو وارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور ہوں تارے
اڑ جانے کو افلاک پہ تیار یہی تھے
کیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیارے یہی تھے

۵۸

گھوڑوں کی وہ شوکت وہ سواروں کا تجمّل
قد ایک سے دو سروِ ہیں رخ ایک سے دو گل
غل تھا یہ جری ہیں پسرِ صاحبِ دلدل
پایا ہے عجب زلفِ مسلسل نے تسلسل
ان گیسوؤں میں نکہتِ مشکِ تتری ہے
سنبل کو بھی گلزار میں شوریدہ سری ہے

۵۹

پیشانیاں روشن مہِ انور سے زیادہ
خم ابروؤں کے نشتر و خنجر سے زیادہ
سجدوں کے نشاں نور میں اختر سے زیادہ
پلکیں کہیں سرتیزی نشتر سے زیادہ
آفت میں غزالوں کو گرفتار کیا تھا
نرگس کو انھیں آنکھوں نے بیمار کیا تھا

۶۰

لشکر میں یہ تھا شور کہ لیں دونوں نے باگیں
جو بیٹھے ہیں اٹھیں جنھیں غفلت ہو وہ جاگیں
غل پڑ گیا شیر آتے ہیں کس سمت کو بھاگیں
یہ وہ ہیں جنھیں ہیں عمر و شمر سے لاگیں
دعویٰ ہے انھیں مثلِ علیؑ صف شکنی کا
ہاں غازیو یہ وقت ہے شمشیر زنی کا

۶۱

ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے سارے
یہ شیر ہیں دونوں اسد اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے نقیبانِ جفاکار پکارے
اسپ و زرہ و جاگیر دو لے جو انھیں مارے
پیچھے نہ ہٹو گو یہ جواں مرد بڑے ہیں
دو طفل کہیں لاکھ سواروں سے لڑے ہیں

۶۲

یہ سنتے ہی بس چھوٹی سی تیغوں کو اٹھا کر
لو ہم تو چلے آتے ہیں گھوڑوں کو بڑھا کر
ایک ایک سے دونوں نے کہا آنکھ ملا کر
رد کے تو کوئی وار بھلا سامنے آکر
کھینچی ہے جہاں تیغ وہاں کھیت پڑے ہیں
چھوٹے ہیں جو اس گھر کے وہ تم سب سے بڑے ہیں

۶۳

ہم سا بھی کوئی اور ہے دنیا میں جواں مرد
گرماتے ہیں گھوڑوں کو جو اپنے دمِ ناورد
ہم وہ ہیں کہ رستم کی شجاعت ہے جہاں گرد
ہو جاتا ہے بازارِ شجاعانِ جہاں سرد
لاشوں ہی سے میدانِ وغا پاٹ دیے ہیں
اک ضرب میں جبریلؑ کے پر کاٹ دیے ہیں

۶۴

تلوار جنھیں حق نے عطا کی ہے وہ ہم ہیں
خوجن میں شہِ عقدہ کشا کی ہے وہ ہم ہیں
جن غازیوں نے دیں کی بنا کی ہے وہ ہم ہیں
دولت جو رسولِؐ دوسرا کی ہے وہ ہم ہیں
کیا عرشِ الٰہی پہ جگہ آج ملی ہے
کاندھے پہ نبیؐ کے ہمیں معراج ملی ہے

۶۵

بُت توڑ کے کعبے کو صفا کر دیا کس نے
عالم کو طلبگارِ خدا کر دیا کس نے
دم میں حق و باطل کو جُدا کر دیا کس نے
اسلام کی قوت کو سوا کر دیا کس نے
در کفر کا خالق کی عنایات سے توڑا
عُزّا کا سرِ نحس و نجس لات سے توڑا

۶۶

تقسیم ہوئی دولتِ دیں گھر سے ہمارے
ہے پیشِ نظر خلدِ بریں گھر سے ہمارے
شاہوں کو ملا تاج و نگیں گھر سے ہمارے
تعلیم ہوا روحِ امیںؑ گھر سے ہمارے
دیر آئے کہ مسکن تھا بہت دور ہمارا
آدم سے جو پہلے تھا وہ ہے نور ہمارا

۶۷

خوشنود رہا ایزدِ باری اسی گھر سے
کفار ہمیشہ رہے عاری اسی گھر سے
سب سیکھ گئے شکر گزاری اسی گھر سے
احکام ہوئے شرع کے جاری اسی گھر سے
آتے ہیں زباں پر وہی جو کلمۂ حق ہیں
ہم مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق ہیں

۶۸

یوسفؑ کو گرفتاریِ زنداں سے بچایا
چاہی جو مدد نوحؑ کو طوفاں سے بچایا
یعقوبؑ کو تیغِ غمِ ہجراں سے بچایا
اندامِ خلیلؑ آتشِ سوزاں سے بچایا
کونین میں ہے آج تلک شور ہمارا
خیبر کا در اُکھڑا تو کھُلا زور ہمارا

۶۹

وہ کون سا لشکر تھا ظفر جس پہ نہ پائی
لاحد ہے اُحد والوں کو قوت جو دکھائی
کفار نے خندق میں ہزیمت آتے ہی کھائی
اور بدر کی بھی شمس سے روشن ہے صفائی
مشہور ہے فطرس پہ جو احسان کیا ہے
مشکل کو فرشتوں کی بھی آسان کیا ہے

۷۰

بیر العلم اک چاہ ہے مابین بیاباں
انساں کا تو کیا ذکر ہے جن ہو گئے بیجاں
واں کود پڑے تیغ پکڑ کر شہِ مرداں
جب لڑ نہ سکے وہ تو کیا سب کو مسلماں
جب سے نہ ذرا کھلتے زباں تھے پڑھتے ہیں جنّات
اس روز سے ابتک کلمہ پڑھتے ہیں جنّات

۷۱

زہرا سی تو نانی اسدُاللہ سا نانا
دادا وہ مُقِر جس کی شجاعت کا زمانا
جس شیر کی تلوار کو سب خلق نے مانا
ماموں شرفِ کون و مکاں عالم و دانا
ماں صبر میں اور زہد میں مریمؑ سے زیادہ
کس کا ہے زمانے میں شرف ہم سے زیادہ

۷۲

تیغوں کو جو کھینچیں تو صفیں دم میں الٹ جائیں
سرتن سے سواروں کے ہر اک ضرب میں کٹ جائیں
آگے جو بڑھیں ہم تو پرے فوج کے ہٹ جائیں
للکاریں تو شیروں کے کلیجے ابھی پھٹ جائیں
اُمت پہ کرو رحم یہ حکمِ شہِ دیں ہے
ناچار ہیں سبقت کا ہمیں حکم نہیں ہے

۷۳
ہم کو یہی سمجھاتے ہوئے دور تک آئے
راضی ہوں اگر جان مری جائے تو جائے
تب لڑیو کہ جب تم پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
کوئی مرے نانا کی نہ اُمت کو ستائے
نافہمی سے دشمن تو وہ ہر چند ہیں میرے
پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ فرزند ہیں میرے

۷۴
کچھ ہٹ گئے کچھ رونے لگے سن کے یہ گفتار
نیزوں کی اِدھر اور اُدھر سے ہوئی بوچھار
تلواروں کو چمکا کے بڑھے کتنے جفاکار
حیدر کے نواسے بھی بڑھے کھینچ کے تلوار
نیزے جو سواروں کے چپ و راس سے چمکے
دو نیمچے بھی پرچۂ الماس سے چمکے

۷۵
چھوٹے نے بڑے سے یہ کہی بات کہ بھائی
اس وقت الگ ہو، کہ نہایت ہے لڑائی
ہر چند گوارا نہیں دم بھر کی جدائی
اماں نہ کہیں یہ کہ مری بات بھلائی
جو سامنے ہے کاٹ کے اس فوج کی صف کو
میں دہنی طرف جاتا ہوں تم بائیں طرف کو

۷۶
ارشاد کیا عونؑ نے اللہ نگہبان
اے جانِ برادر میں ترے عزم کے قربان
پر کیا کروں تا قلب میں رہے گی نہ مری جان
لاکھوں سے لڑائی ہے رہے چار طرف دھیان
تکبیر کی ہر بار صدا دیجیو بھائی
گھر جاؤ تو بھائی کو بلا لیجیو بھائی

۷۷
یہ کہہ کے کیے دونوں طرف شیروں نے حملے
کیا دخل تھا حلقے میں انھیں فوجِ ستم لے
لہراتے تھے کاکل کی طرح دوش پہ شملے
ملتی نہ تھی مہلت کہ کوئی ٹھہر کے دم لے
بجلی کی طرح نیمچے چل جاتے تھے دونوں
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتے تھے دونوں

۷۸
آیا جو سوئے عونؑ کوئی تیغ اُٹھا کر
خم ہو گیا مردود سپر چہرے پہ لا کر
دو کر دیا پہونچے کو بس اک ہاتھ میں جا کر
پھر خطِ شکست اس پہ لکھا تیغ نے آکر
قرطاس سا پُرزے تنِ سفاک ہوا تھا
سر سینے تلک شکلِ قلم چاک ہوا تھا

۷۹
آیا جو محمدؐ کی طرف کوئی ستمگار
اتنے میں اُدھر سے تو ستمگر نے کیا وار
تلوار کو چمکا کے پکارے کہ خبردار
بجلی سی اِدھر سے بھی چلی شیر کی تلوار
تیزاب کا اس شعلۂ آتش میں اثر تھا
آنکھ اس کی جھپک کر جو کھلی خاک پہ سر تھا

۸۰
اک تیر سا جاتا تھا جو شمشیر زنوں پر
ہوتی تھی فدا روحِ علیؑ صف شکنوں پر
اک گھوڑے کو دوڑاتا تھا ناوک فگنوں پر
نہ واں نظر آتے تھے نہ یاں سر بدنوں پر
ان تیغوں سے سب فوج نے منہ پھیر لیا تھا
دو لاکھ کو دو بجلیوں نے گھیر لیا تھا

۸۱
وہ لڑکے جو نکلا تو یہ لشکر میں در آیا
مارا اُسے اس نے جو اُدھر سے اِدھر آیا
لاکھوں تھے مگر ایک نہ جرأت میں بر آیا
بھاگا جو اِدھر سے وہ اُدھر دو نظر آیا
تھی ساتھ اجل ان کی جہاں بھاگ کے جاتے
گرتی ہوئی بجلی سے کہاں بھاگ کے جاتے

۸۲

چن چن کے نودار ستمگاروں کو مارا
پیدل جو گریزاں ہوئے اسواروں کو مارا
لشکر کے علم کاٹ کے سالاروں کو مارا
تیروں کو قلم کر کے کمانداروں کو مارا
عقدہ جو پڑا ناخنِ تدبیر سے کھولا
نیزے کے ہر اک بند کو شمشیر سے کھولا

۸۳

غل میں جو نہ بھائی کی صدا بھائی کو آئی
چھوٹے نے بڑے بھائی کو آواز سنائی
دونوں کے کلیجے پہ چلی تیغِ جدائی
کیا حال ہے جیتے ہو کہ مارے گئے بھائی
بڑھ بڑھ کے ہٹاتے ہیں بہت اہلِ ستم کو
تصویر تمہاری نظر آتی نہیں ہم کو

۸۴

قربان برادر مجھے بتلاؤ کہاں ہو
لب سوکھ گئے ہوں گے بہت تشنہ دہاں ہو
کس غول میں، کس فوج میں، کس صف میں نہاں ہو
میداں میں ہو یا نہر پہ ہو یاں ہو کہ واں ہو
غش آیا ہے یا جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
آواز دو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

۸۵

بس اتنے میں مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس وقت سناں سینے سے باہر نکل آئی
نیزے کی انی پشت محمد پہ لگائی
چلایا کہ لو ہم تو چلے خلق سے بھائی
اللہ کس آفت میں مجھے چھوڑ دیا ہے
نیزے نے کلیجے کو مرے توڑ دیا ہے

۸۶

تڑپنے میں سنی بھائی نے جو بھائی کی آواز
گھوڑے کو اٹھا کر وہ چلا صورتِ شہباز
نزدیک تھا یہ روح کرے جسم سے پرواز
برسانے لگے تیر ہزاروں قدر انداز
حائل تھیں صفیں زور سے تلوار کے نکلا
روکا اسے جس نے وہ اسے مار کے نکلا

۸۷

بھائی کی تجسس میں نہ تھا بھائی کو کچھ ہوش
چلاتا تھا اے غنچہ دہن سبز قبا پوش
الفت کا بھی تھا جوش شجاعت کا بھی تھا جوش
آواز سنا کر ہمیں کیوں ہو گئے خاموش
ماں سے ہمیں شرمندہ کئے جاؤ گے بھائی
کیا ساتھ نہ بھائی کو لئے جاؤ گے بھائی

۸۸

ہر دم یہ دعا تھی وہ دلاور نظر آئے
حلقہ کئے اک جا پہ ستمگر نظر آئے
مظلوم برادر کو برادر نظر آئے
ہاتھوں میں چمکتے ہوئے خنجر نظر آئے
آلودہ لہو میں تنِ صد پاش کو دیکھا
ریتی پہ تڑپتے ہوئے اک لاش کو دیکھا

۸۹

زانو کو دھرے ننھی سی چھاتی پہ ستمگر
وہ کہتا ہے ہاتھ اپنے دمِ تیغ پہ دھر کر
کرتا ہے ارادہ کہ کرے تن سے جدا سر
میں بھائی سے مل لوں تو پھرا حلق پہ خنجر
ہم ساتھ چلے مرنے کو ساتھ آئے وطن سے
بے ان کے ملے جان نہ نکلے گی بدن سے

۹۰

جس وقت سنی عون نے بھائی کی یہ تقریر
گھوڑے سے تلے کود پڑا پھینک دی شمشیر
خنجر تو چلا دل پہ، کلیجے پہ لگا تیر
آغوش میں لی دوڑ کے وہ چاند سی تصویر
اک جا جو بچھڑ کر ہوئے ماں جائے برادر
دونوں نے گلے مل کے کہا ہائے برادر

۹۱
کہتا تھا بڑا اے مرے جانی مرے پیارے
زخمی تری اس چھاتی پہ کوئی مجھے وارے
منھ سے نکل آئی ہے زباں پیاس کے مارے
اعضا تو ہوئے جاتے ہیں کچھ سرد تمھارے
کیا بھائی لب لعل کو کھولا نہیں جاتا
کرتا تھا اشارا وہ کہ بولا نہیں جاتا

۹۲
ناگاہ بڑھا شمر لعیں فوج کی صف سے
وعدہ کیا خلعت کا ہر اک تیغ بکف سے
دونوں پہ چلے تیر ستم چار طرف سے
آنے لگی فریاد کی آواز نجف سے
غل تھا کہ نواسوں کو علیؑ کے اجل آئی
سر کھولے ہوئے قبر سے زہراؑ نکل آئی

۹۳
پڑنے لگی معصوموں پہ تلوار پہ تلوار
کٹ کٹ کے وہ چھوٹے سے عمامے ہوئے گلنار
جب چھاتیوں سے ہوتی تھی نیزے کی انی پار
تن تن کے وہ کہتے تھے کہ یا حیدرؑ کرار
ملتے تھے گلے پیار سے منھ چوم رہے تھے
لپٹے ہوئے شیروں کی طرح جھوم رہے تھے

۹۴
نیزے کو جو دونوں پہ کوئی تول کے آتا
گھبرا کے تب اک بھائی کو اک بھائی بچاتا
پاس آکے جو چھوٹے پہ کوئی تیغ لگاتا
چھاتی کے تلے اس کو بڑا بھائی چھپاتا
لیتے تھے سپر سینہ پہ نہ ہٹ جاتے تھے دونو
تلواروں سے اٹھ اٹھ کے لپٹ جاتے تھے دونو

۹۵
تلوار لگانے جو لگا ایک ستمگر
چھوٹے نے رکھا ہاتھ بڑے بھائی کے سر پر
ہیہات کہ ہاتھ اس کے گرے خاک پہ کٹ کر
دو ٹکڑے ہوا تا بہ جبیں عونؑ کا بھی سر
اس کو تو ملا حیدرؑ کرار کا رتبہ
ہاتھ آیا اسے جعفرؑ طیار کا رتبہ

۹۶
غل طبل ظفر کا صف دشمن میں ہوا جب
پردے سے لگی رن کی طرف دیکھنے زینبؑ
اور کہتے تھے سر کھولے ہوئے اہل حرم سب
زینبؑ کی کمائی کو بچا لیجیو یا رب
وہ کہتی تھی دنیا سے سفر کر گئے دونو
تم جن کی دعا کرتی ہو وہ مر گئے دونو

۹۷
میں خوب سمجھتی ہوں یہ ماتم کے ہیں انداز
جنت کو سدھارے مرے صفدر مرے جانباز
دونوں ہوئے خلعت سے شہادت کے سرافراز
صاف آتی ہے اماں کے بچے رونے کی آواز
آثار ہیں فریاد رسولؐ دوسرا کے
نعروں کو میں پہچانتی ہوں شیر خدا کے

۹۸
ہے ہے مرے پیارو جو صدا آتی ہے ہر بار
یہ روتے ہیں پوتوں کے لئے جعفرؑ طیار
لوگو کوئی دیکھو تو کدھر ہیں شہ ابرار
عباسؑ سے کہہ دو مرے بھائی سے خبردار
ہنگامہ ہے واں برچھیاں کھانے کو نہ جائیں
رن سے بھی وہ لاشوں کے اٹھانے کو نہ جائیں

۹۹
بس اتنے میں فضہ نے یہ کی آن کے تقریر
لو دونوں کی لاشیں تو لئے آتے ہیں شبیرؑ
گھر لٹ گیا ہے ہے مری شہزادی کی تقدیر
نزدیک تھا غش کھا کے گرے زینبؑ دلگیر
یہ بھی نہ کہا آئے پسر فوج سے لڑ کر
چپ رہ گئی ہاتھوں سے کلیجے کو پکڑ کر

۱۰۰

شہ لاشوں کو چھاتی سے لگاتے ہوئے آئے
آنسو رخ انور پہ بہاتے ہوئے آئے
دونوں کو عبا اپنی اُڑھاتے ہوئے آئے
زینبؑ کے قریں سر کو جھکاتے ہوئے آئے
فرمایا بہن اب انھیں آغوش میں لو تم
دو شیر مرے مر گئے پُرسا مجھے دو تم

۱۰۱

وہ بولی کہ ہے ہے یہ نہ فرمائیے بھائی
کونین میں عزت مرے فرزندوں نے پائی
حضرت کے کہاں لال کہاں میری کمائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی
ماتم کا بھرے گھر میں نہ سامان کروں گی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کروں گی

۱۰۲

اکبرؑ جئے کیوں پیٹ کے سر میں انھیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں مضطر انھیں روؤں
ہو نیند میں اصغرؑ کے خلل گر انھیں روؤں
دیکھوں انھیں یا گود میں لے کر انھیں روؤں
ان دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کروں گی
ہاں آپ کے فدیہ ہیں انھیں پیار کروں گی

۱۰۳

پھر گود میں لاشوں کو لیا ہاتھ بڑھا کر
سیدانیوں کے رونے سے برپا ہوا محشر
لپٹا کے گلے پیار سے زانوں پہ رکھا سر
تھا شور کہ لوٹ گئی شبیرؑ کی خواہر
سب روتے تھے کچھ منھ سے نہ فرماتی تھیں زینبؑ
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھیں زینبؑ

۱۰۴

مخدومۂ عالم کی صدا آئی یہ اُس آن
فرزندوں کو جی کھول کے رو لے ترے قرباں
میں آئی ہوں پُرسے کے لئے با سرِ عُریاں
ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کے نکل جائے مری جاں
اولاد کسی کی نہ جدا ہوئے کسی سے
بیٹی کوئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے

۱۰۵

زہراؑ کی صدا سن کے پڑا اور بھی کہرام
حالِ شہِ دیں نظم کیا کر سحر و شام
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ ارقام
اس کام سے بہتر نہیں دُنیا میں کوئی کام
عزت مری اللہ کو منظورِ نظر ہے
شبیرؑ کے مداح کا فردوس میں گھر ہے

رُباعی

غافل تجھے کیوں خواہشِ دنیائے دنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
سوتے ہیں تہِ خاک گلے میں کفنی ہے

رُباعی

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

مرثیہ

جب حضرتِ زینبؑ کے پسر مر گئے دونوں
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں
تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں
دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں
زہراؑ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؑ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؑ

۲

دو بیٹوں کے مرنے کی یکایک خبر آئی
منھ سے نہ کہا یہ کہ لٹی کس کی کمائی
نے روئی، نہ ماتم کیا، نہ خاک اُڑائی
پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی
سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

۳

فرزندوں سے ماں کو کوئی ہوتا نہیں پیارا
بے دم ہوئے دو لعل یہ دم اُس نے نہ مارا
جن بیٹوں کی عاشق تھی اُنھیں بھائی پہ وارا
پوچھا نہ کہ جنت کی طرف کون سدھارا
چادر نہ گری سر سے نہ چیں آئی جبیں پر
دو شکر کے سجدے کئے جھک جھک کے زمیں پر

۴

پُرسے کے لئے آئیں جو سب بیبیاں باہم
ہے ہے نہ کرو صاحبو کچھ مجھ کو نہیں غم
فرمایا بھرے گھر میں مناسب نہیں ماتم
مانگو یہ دُعا خلق میں بھائی کا رہے دَم
کونین میں رُتبے مرے پیاروں کے بڑے ہیں
میں جانتی ہوں آج وہ پروان چڑھے ہیں

۵

کچھ قاسمؑ و اکبرؑ سے سوا ان کا نہ تھا پیار
تو ایسے پسر ہوں تو نثارِ شہِ ابرار
کیوں روؤں سلامت رہیں دونوں مرے دلدار
میں شاد ہوں رحم ان پہ کرے ایزدِ غفار
جب تک نہ وہ مارے گئے تھے مجھ کو قلق تھا
حق بھائی کا مجھ پر تھا تو اُن پر مرا حق تھا

۶

تھی مجھ کو بڑی فکر کہ کیا ہو گا الٰہی
مرتے نہ پسر آج تو تھی ماں پہ تباہی
پر دونوں نے جو بات کہی تھی وہ نباہی
میں کہتی تھی جو ہوتا تھا میدان کو راہی
سر دینے کو رن میں نہ شہِ جن و بشر جائیں
میں نے تو دعا کی تھی کہ پہلے ہی مر جائیں

۷

کہتے ہیں بڑا نام کیا خوب وغا کی
سنتی ہوں اُلٹ دیں تھیں صفیں اہلِ جفا کی
ہر ضرب پہ خود قبلۂ عالم نے ثنا کی
میں ایسی نہ تھی کچھ یہ عنایت ہے خدا کی
ہاں صاحبِ ہمت تھے وفا کر گئے دونوں
حق دودھ پلانے کا ادا کر گئے دونوں

۸

مرنا مجھے دونوں کا مبارک کرے اللہ
قاسمؑ کو تو قسمت نے دکھایا مجھے نوشاہ
پائیں ظفر اُس لشکرِ کیں پر شہِ ذیجاہ
اب دھوم سے اپنے علی اکبرؑ کا کروں بیاہ
تم روؤ نہ ماں ہو کے میں روتی نہیں لوگو
اکبرؑ سے زیادہ مجھے کوئی نہیں لوگو

۹

جب مر چکے زینبؑ کے پسر فوجِ ستم میں
تاریک جہاں تھا نظرِ شاہِ اُمم میں
اور گلشنِ ہستی سے گئے باغِ ارم میں
زینبؑ نے بُرا حال کیا بیٹوں کے غم میں
چلاتی تھی دولت مری سب لُٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھٹ گئی لوگو

ان باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم
کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم
پر شدتِ گرمی سے نہ یارا تھا سخن کا

۱۰
میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
قاسمؑ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم
منھ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا

مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
کہتا تھا پسر جان بچا سے نہیں پیاری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذنِ وغا دیں

۱۱
چھپکے رہو گھونگھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری
کچھ آپ سفارش کریں اب ان سے ہماری
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

رخصت کا سخن منھ سے نکلتا نہ ہمارے
کچھ منھ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دلہن کی

۱۲
فرزند پھوپھی جان کے دنیا سے سدھارے
جو دیں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
اب سیر کرو اٹھ کے شہادت کے چمن کی

ہر چند نہیں دل کو فراق ان کا گوارا
واللہ کہ صدمے سے کلیجہ ہے دو پارا
کیا راحت و آرام میں جلدی خلل آیا

۱۳
جز خواہشِ تقدیر کچھ اس کا نہیں چارا
کس وقت میں افسوس ہوا بیاہ ہمارا
باتیں بھی نہ کیں تھیں کہ پیامِ اجل آیا

فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلہن صورتِ تصویر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے

۱۴
بانوؑ نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
دولھا کا سخن سن کے کلیجے پہ لگا تیر
کچھ منھ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

جوں شمع لگی آتشِ غم فرق سے تا پا
تصویر بنی غم کی دلہن بن کے سراپا
پوشاک سے پیدا تھا کہ رنڈسالہ ہے تن میں

۱۵
رنگ اڑنے لگا چھا گیا چہرے پہ رنڈاپا
پیشانی کا صندل بھی ہوا خاک کا چھاپا
کنگنے سے یہ ثابت تھا کلائی ہے رسن میں

آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آ گیا سامان
خود ہو گئے سب گوندھے ہوئے بال پریشاں
وہ رشکِ چمن غم سے جو سرگرمِ فغاں تھی

۱۶
سینے پہ چلی وصل میں تیغِ غمِ ہجراں
ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

غم تھا کہ کوئی دم میں یہ مسند ہوئی خالی
کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی وہ ناز کی پالی
آ پڑتے تھے اشک آنکھوں سے رخساروں پہ ڈھل کر

۱۷
اب سر پہ رنڈاپے کی بلا چرخ نے ڈالی
یہ ہونٹھ چبائے کہ اڑی پان کی لالی
رہ جاتی تھی وہ مہندی لگے ہاتھوں کو مل کر

زانو پہ جھکا جاتا تھا سر شرم کے مارے
وہ کہتی تھی اب ناک سے نتھ کوئی اتارے
اس تاش کے جوڑے کو بس اب آگ لگا دو

۱۸
سینے سے نکل جاتے تھے آہوں کے شرارے
رو رو کے سکینہؑ سے یہ کرتی تھی اشارے
سادے ہوں جو کپڑے وہ مجھے لا کے پنہا دو

۱۹
کھلوا سے کنگنے سے بس اب ہاتھ اٹھایا
بیٹی کو رنڈاپے کی مصیبت میں پھنسایا
کیوں ہائے یہ کنگنا مجھے اماں نے پہنایا
کیا ان کا بگاڑا جو دلہن مجھ کو بنایا
مرجانے کی رخصت کے طلبگار ہیں مجھ سے
سونپا تھا جنھیں وہ بھی تو بیزار ہیں مجھ سے

۲۰
اب ہوتی ہوں بیوہ مجھے کیا چاہیئے زیور
مسند مجھے اور خاک کا بستر ہے برابر
کالی کفنی بر میں ہو اور نیلی سی چادر
قسمت میں لکھا تھا کہ پھروں شہر میں در در
کیا کیجیئے مقدر تھا عجب واہ ہمارا
جنت کے مسافر سے ہوا بیاہ ہمارا

۲۱
دولھا نے جو دیکھا کہ دلہن غم سے ہے مضطر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور
چلنے لگے سینے پہ غم و درد کے خنجر
جھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للّٰہ نہ رو دو تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

۲۲
اب پھر کے نہیں آنے کے ہوتی ہے جدائی
تقدیر نے آئینہ میں صورت تو دکھائی
حسرت ہے کہ آواز بھی تم نے نہ سنائی
پھر شان نہ اس مصحفِ رخ کی نظر آئی
لب بندی رکھے درِ گفتار نہ کھولا
ان نرگسی آنکھوں کو پھر اک بار نہ کھولا

۲۳
کچھ بات کرو ہم سے کہ فرصت ہے بہت کم
اک آن میں صحبت یہ کہاں اور کہاں ہم
راحت سے خوشی سے جو گذر جائے کوئی دم
ہوجائے گا شادی کا مکاں خانۂ ماتم
زندانِ مصیبت تمھیں رونے کو ملے گا
اور گوشۂ تربت ہمیں سونے کو ملے گا

۲۴
تلواروں سے واں جسم مرا ہووے گا صد چاک
بھر جائے گی اس مانگ میں صندل کے عوض خاک
لوٹیں گے عدو آن کے یاں بیاہ کی پوشاک
کنگنا نہ کھلے گا کہ رسن باندھیں گے سفاک
خنجر مری گردن سے کوئی دم کو ملے گا
رنڈسالہ نہ تم کو نہ کفن ہم کو ملے گا

۲۵
ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے
اس گل سے کفِ پا سے سدا آنکھوں کو ملتے
سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
کیا کیجیئے ہیں تیر بچا جان پہ چلتے
خوبار ہوں صدقے تو نہ حق ان کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

۲۶
انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے
دنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے
عمو تو اکیلے ہیں ادھر فوج کھڑی ہے
دل پاس تمہارے ہے ادھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقتِ اجل ہووے گی شکل
رخصت نہیں اب دو کی تو حل ہووے گی مشکل

۲۷
اک جانِ ستم کش پہ عجب رنج و تعب ہے
یاں پاسِ محبت ہے تو واں جائے ادب ہے
سنتا ہوں کہ عباسؑ کو رخصت کی طلب ہے
فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کروں سر کو
الفت تو ادھر کھینچے ہے اور موت ادھر کو

۲۸
چلاتی ہیں زہراؑ مرے گل پیرہن آؤ
سہرا مجھے دکھلانے کو ابنِ حسنؑ آؤ
بابا کی صدا ہے کہ مرے صف شکن آؤ
اس بیاہ کے خلعت کو بنا کر کفن آؤ
بجھتا ہے چراغ آج محمدؐ کی لحد کا
اے لال یہی وقت ہے عمّو کی مدد کا

۲۹
جس وقت سنی درد کی تقریر یہ ساری
تا دیر تو بولی نہ دلہن شرم کی ماری
دولہا نے رکھا پاؤں پہ جب سر کئی باری
آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی ہیں یہ بس مجھ کو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب

۳۰
ہے آپ کو منظور مرا رانڈ بنانا
راس آیا نہ صاحب کو مجھے بیاہ کے لانا
آنا مرا اور آپ کا سر دینے کو جانا
رد کوں تو کہو گے مرے کہنے کو نہ مانا
اتنا تو کہے جاؤ کہ کب ہوگی ملاقات
دولہا نے کہا حشر میں اب ہوگی ملاقات

۳۱
گھبرا کے کہا میں تمھیں واں پاؤں گی کیوں کر
وہ بولے کہ آنا طرفِ چشمۂ کوثر
ہوگا وہیں پیاسا شہِ مظلوم کا لشکر
زہراؑ بھی وہیں ہوں گی وہیں ہوں گے پیمبرؐ
صف ہوگی فرشتوں کی درِ باغِ ارم تک
حوریں تمھیں لے جائیں گی فردوس میں ہم تک

۳۲
فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
بولی نہ دلہن کچھ یہ ہوا ماں کا عجب حال
چلائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
فریاد ہے بچہ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال
پردیس میں چھوڑے چلے جاتے ہیں دلہن کو
اے بیبیو روکو کوئی فرزندِ حسنؑ کو

۳۳
واں پُرسے کو زینبؑ کے جو تھے جمع حرم سب
غل پڑ گیا لو اور قیامت یہ ہوئی اب
کبرا کو رنڈاپے سے بچا لیجیو یارب
بیٹھا نہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینبؑ
بیٹی کے لئے غم سے ہوئی جاتی تھی بانوؑ
بچے کو لئے گود میں تھرّاتی تھی بانوؑ

۳۴
سب خیمۂ قاسمؑ میں جو آئے بہ دلِ زار
دولہا نظر آیا انھیں باندھے ہوئے ہتھیار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل افگار
اس وقت رہیں آپ ذرا ان سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

۳۵
ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرور
عباسؑ سے فرمایا کہ اے جانِ برادر
قاسمؑ سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر
رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر
اب صبر ہو کیوں کر دلِ مضطر سے ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

۳۶
بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للّٰہ
لپٹا کے گلے سے اسے شبیرؑ نے کی آہ
فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمہ ہے جانکاہ
بر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

۳۷

میں دیکھتا تھا تم کو جو یاد آتے تھے بھائی
ماتم بھی دکھایا ہمیں شادی بھی دکھائی
گویا کہ ہوئی آج برادر سے جدائی
تم مرنے چلے اور نہ ہماری اجل آئی
کیا جانتے تھے ہاتھ سے یوں کھوئیں گے تم کو
تم ہم کو نہ روؤ گے ہمیں روئیں گے تم کو

۳۸

مرنے چلے جب شان سے چلنے کے دن آئے
مرجھائے جو سبزے کے نکلنے کے دن آئے
سائے ہیں پلے دھوپ میں جلنے کے دن آئے
رُت پھر گئی جب پھولنے پھلنے کے دن آئے
افسوس مزا عالمِ فانی کا نہ دیکھا
کچھ تم نے ثمر باغِ جوانی کا نہ دیکھا

۳۹

صدقے ہو چچا پاس تو آؤ مرے پیارے
وہ پاؤں پہ حضرت کے جھکا شرم کے مارے
بیتاب ہے دل گرد پھروں گا میں تمہارے
لپٹا کے گلے سے شہِ والا یہ پکارے
دے صبر الٰہی کہ قرار آئے جگر کو
اُمت پہ فدا کرتا ہوں بھائی کے پسر کو

۴۰

بیٹی کے رنڈاپے کا بھی کچھ تجھ کو نہیں غم
ہے لطف ترا زخمِ جگر کا مرے مرہم
خوشنود اگر تو ہے تو شادی ہے یہ ماتم
مقبول مری نذر ہو اے خالقِ عالم
ہر چند کہ ہدیہ ہے یہ کیا اور میں کیا ہوں
سَو بار جیوں مر کے تو سَو بار فدا ہوں

۴۱

یہ کہہ کے کیا چاک بھتیجے کا گریبان
ماں ڈیوڑھی پہ چلائی کہ اللہ نگہبان
فرمایا کفن ہے یہی پوشاک مری جان
کس شان سے گھوڑے پہ چڑھے قاسمِ ذیشان
مقتل میں جو ضیغم کی طرح نعرہ زن آئے
تھا شور کہ بھائی کی مدد کو حسنؑ آئے

۴۲

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو
اک عید ہوئی مرنے کی اُس غنچہ دہن کو
اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشکِ چمن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شانِ اسد اللہ یہ جواں ہے

۴۳

شمشیرِ حرم لم یزلی تھا قدِ بالا
شانے پہ کماں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا
پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

۴۴

تھا صولت و شوکت سے لعینوں کا جگر آب
چہرے کی لطافت پہ تصدق گلِ شاداب
لڑنا تو کجا آنکھ ملانے کی نہ تھی تاب
غیرت سے اُڑا جاتا تھا رنگِ رخِ مہتاب
حق نے رخِ روشن کو عجب نور دیا تھا
خورشید نے بھی شرم سے منہ پھیر لیا تھا

۴۵

حیران تھا لشکر یہ ملک ہے کہ بشر ہے
یہ ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے
گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
یاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں بھرے ہیں

۴۶

بولا کوئی بے درد کہ لڑکا ہے یہ جانباز
تیور ہیں مگر شیر کی چتون کا ہے انداز
نکلا ہے نہ سبزہ، نہ مسیں ہیں ابھی آغاز
برگشتہ ہے اس سے فلکِ تفرقہ پرداز
آتی ہے مہک بیاہ کے پھولوں کی بدن سے
کس وقت میں دولھا کو چھڑاتا ہے دلہن سے

۴۷

گذری جو شبِ عقد تو قسمت نے رُلایا
قسمت نے اُسے مسندِ شادی سے اُٹھایا
جاگے تھے خوشی میں مگر آرام نہ پایا
مرنے کے سوا اور بنے کو نہ بن آیا
دیکھا ہے دلہن کو جو محبت کی نظر سے
اب دیکھتے ہیں خیمے کو حسرت کی نظر سے

۴۸

حُسنِ حسنؑ و شانِ حسینی ہے نمودار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار
کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
کرتی ہے زرہ خوبیٔ اندام کو اظہار
باندھا ہے کمر بندِ شہِ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؑ سبز قبا کا

۴۹

فانوس میں ہے شمع کہ ہے رخت بدن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں
رخساروں پہ گیسو ہیں کہ ہے چاند گہن میں
سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں
تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گذرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

۵۰

رخسارۂ روشن ہیں کہ دو آئینۂ نور
جبیں کی ضیا پائے کہاں شمعِ سرِ طور
ٹھہرے نہ کبھی جن کی صفا پر نظرِ حور
گر لب کو کہیں لعل تو یہ عقل سے ہے دور
وہ سنگ ہے پھر سنگ میں گویائی کہاں ہے
گویائی بھی یک سو یہ مسیحائی کہاں ہے

۵۱

غنچوں نے کہا پائے لب ایسے دہن ایسا
ہے عکس سے ملبوس گلابی بدن ایسا
باتوں میں مزہ قند کا شیریں سخن ایسا
گل تھا کہیں دیکھا نہیں گل پیرہن ایسا
اندازِ سراپا سے عجب لطف ملا ہے
جنت کا چمن سامنے آنکھوں کے کھلا ہے

۵۲

یوسف نے یہ ترکیب یہ صورت نہیں پائی
ہے سرو بھی خوش قد پہ یہ قامت نہیں پائی
یہ بو، یہ صباحت، یہ ملاحت نہیں پائی
گل نے یہ لطافت، یہ نزاکت نہیں پائی
گلدستۂ عالم ہے کہ مجموعہ ہے تن کا
دولھا کا پسینہ ہے کہ ہے عطر دلہن کا

۵۳

آنکھیں وہ غزالانِ ختن جن پہ تصدق
لب ایسے کہ سو لعلِ یمن جن پہ تصدق
رخسار وہ نازک کہ چمن جن پہ تصدق
دانت ایسے کہ دُرہائے عدن جن پہ تصدق
دانتوں سے اڑائے کوئی موتی کی لڑی کو
ہو جائیں گے یاقوت کے نگ کوئی گھڑی کو

۵۴

دیکھیں تو صفائی کو ذرا صاحبِ انصاف
شانوں کی ہے شوکت سے عیاں شانِ حسنؑ صاف
یہ شمعِ تجلی ہے کہ ہے گردنِ شفاف
ہاتھوں کے یداللہ سے پوچھے کوئی اوصاف
پنجے کے لئے ہیں نہ کلائی کے کڑے ہیں
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کے لئے ہیں

۵۵

ہر چند کہ ملبوس میں مستور ہے سینہ
ظاہر ہے کہ اک آئینۂ نور ہے سینہ
روشن صفتِ روشنیٔ طور ہے سینہ
اللہ کے اسرار سے معمور ہے سینہ
سنتے ہو زمیں پہ نور، نہ یہ مہر میں ضو ہے
تمغہ تو ستارا ہے گریباں مہِ نو ہے

۵۶

باریک ہے کیا ذہن میں وصفِ کمر آئے
یہ فکرِ رسا جائے کہاں اور کدھر آئے
تصوّر تنگ سے باندھیں اسے جو نہ نظر آئے
ممکن ہی نہیں یہ کہ عدم کی خبر آئے
واں پیکِ خرد حکم رسائی نہیں دیتا
یاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

۵۷

ثابت قدمی میں کوئی اس کا نہیں ہمسر
ہے اس کے لیے کاہ سے کم کوہ کا لشکر
ٹل جائے زمیں، پر یہ نہیں ہٹنے کا صفدر
جانباز ہے لختِ جگرِ حیدرِ صفدر
زور ان کا کسی جنگ میں گھٹتے نہیں دیکھا
پیچھے کبھی اس قوم کو ہٹتے نہیں دیکھا

۵۸

اتنے میں رجز پڑھنے لگا قاسمِ نوشاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ یداللہ
آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ ہو، آگاہ
عمو ہیں حسینؑ ابن علیؑ سیدِ ذی جاہ
میں لختِ دلِ فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اس کا پسر ہوں

۵۹

دادی شرفِ آسیہ و مریم و سارا
میں ہوں فلکِ صبر و شرافت کا ستارا
خود نور ہے اپنے جسے خالق نے سنوارا
روشن ہے نسب صورتِ خورشید ہمارا
حیدرؑ سے جدا ہیں نہ پیمبرؐ سے جدا ہیں
قرآں سے ثابت ہے کہ ہم نورِ خدا ہیں

۶۰

سب جانتے ہیں پنجتنِ پاک کا رتبا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسیٰ
آدمؑ سے کیا پہلے خدا نے انھیں پیدا
تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوا
داخل سخن اپنا یہ تعلّی میں نہیں ہے
روشن ہے کہ تکرار تجلّی میں نہیں ہے

۶۱

عالم میں بزرگ اپنے نمودار رہے ہیں
ہر جنگ میں سر دینے کو تیار رہے ہیں
اسلام کی رونق کے طلبگار رہے ہیں
مشکل میں رسولوں کے مددگار رہے ہیں
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

۶۲

ہم صاحبِ شمشیر ہیں ہم شیرِ جری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں
ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بری ہیں
کیا سمجھیں جو وہ مستِ مئے بے خبری ہیں
دلوائے گا خدا داد جو بیداد کرو گے
بھولے ہو ابھی تو یہ بہت یاد کرو گے

۶۳

جان و دلِ زہراؑ کے عبث در پئے جاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو
کس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سیکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر
دنیا میں سبھی ہوتی ہے مہمان کی خاطر

۶۴

سیّد نے جو کی ہو کوئی تقصیر تو کہہ دو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر تو کہہ دو
جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر تو کہہ دو
اُمت پہ کبھی کھینچی ہو شمشیر تو کہہ دو
تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

۶۵

حق چھین لیا بعدِ پیمبر وہ نہ بولے
شمشیر سے زخمی ہوئے حیدر وہ نہ بولے
پہلو پہ گرا فاطمہؑ کے در وہ نہ بولے
ٹکڑے ہوا سم سے دلِ شبّر وہ نہ بولے
دم دیتے تھے بھائی پہ ولے دم نہیں مارا
جب تیر جنازے پہ چلے دم نہیں مارا

۶۶

آمادہ تھے مرجانے پہ سب ہمدم و یاور
تابوت پہ بابا کے لگے تیر جو ستّر
فرمایا کہ اُمت سے لڑائی نہیں بہتر
لے جا کے انھیں دفن کیا ان کے برابر
کیا صبر ہے دو بھائی بچے بے جان پڑے ہیں
اس دن کی طرح آج بھی خاموش کھڑے ہیں

۶۷

تم یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہیں جنگ سے عاری
ہے غیظ ہمارا غضبِ ایزدِ باری
باعث ہے فقط یہ کہ ہے اُمت انھیں پیاری
جبریلؑ سے رُکتی نہیں تلوار ہماری
جن روزوں میں دادا سے مرے جنگ ٹھنی تھی
دہشت سے بنی جان کی جانوں پہ بنی تھی

۶۸

وہ طاہر و اطہر ہوا گر معرکہ آرا
آگاہ ہو کس طرح کہو عمرو کو مارا
معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا
اللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو اس دم ہوسِ ملکِ عدم ہو

۶۹

سردارِ اُمم محرمِ اسرارِ محمدؐ
دلدار و دل آرام و مددگارِ محمدؐ
ہمراہ اسد اللہ کا دلدارِ محمدؐ
ممدوحِ ملک مالکِ سرکارِ محمدؐ
سرور کہو اسلام کا اس مالکِ کل کو
آرام دو اک دم دلِ سردارِ رسل کو

۷۰

کس کا اسد اللہ سا ہوا والدِ مرحوم
صدرِ دو سرا رحم دل و سرورِ مغموم
حلّالِ اُمم مالکِ کل طاہر و معصوم
آسودہ ہو ہر سالک و گمراہ وہ محروم
معصوم کا دلدار ہو سالارِ اُمم ہو
اولاد کا اس عالمِ عادل کو اَلم ہو

۷۱

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
وہ مصدرِ الہامِ احد محرمِ اسرار
اس طرح کا عالم کا مُمد اور مددگار
وہ اصلِ اصولِ کرمِ داورِ دادار
حاصل اگر اک مردِ دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

۷۲

قبضے پہ اگر ابنِ علیؑ ہاتھ دھرے گا
اک دم میں یہ میدان تمام خوں سے بھرے گا
دیکھیں گے کہ سینے کو سپر کون کرے گا
جو تیغ سے بچ جائے گا دہشت سے مرے گا
لشکر کو الٹ دیں گے انھیں غیظ جب آیا
تیغِ اسد اللہ کھنچی اور غضب آیا

۷۳
ان کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم وغا دیں ۔ واللہ غلام ان کے ابھی تم کو بھگا دیں
ضرب اسد اللہ کا انداز دکھا دیں ۔ تو تیغ کے سر اک دم میں تنوں پر سے اڑا دیں
اک ان میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو ۔ فن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

۷۴
کیا دیر ہے منھ پر مری شمشیر کے آؤ ۔ دیکھوں تو بھلا تجھ ہنر جنگ دکھاؤ
بولا پسر سعد سواروں سے کہ جاؤ ۔ ہاں قاسم نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ
داماد کا دو داغ امام مدنی کو ۔ ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغ حسنی کو

۷۵
باتوں پہ نہ جاؤ سخن ان کے ہیں اثر دار ۔ پیچھے نہ ہٹے پاؤں دم جنگ خبردار
پھل پائیں گے اس سرو کے کاٹے سے ثمر دار ۔ سر لائے گا جو اس کا کروں گا اسے سردار
نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو ۔ شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

۷۶
دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اک بار ۔ تیغوں کی اٹھی موج میان صف کفار
ڈھالوں کا ہوا ابر سیہ رن میں نمودار ۔ بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
بیٹھا وہ جری تیغ بہ کف اہل جفا میں ۔ بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

۷۷
اب برق اجل فوج ستمگار پہ آئی ۔ تیغ آئی کہ آفت سر کفار پہ آئی
آری کیا اس کو بھی جو تلوار پہ آئی ۔ دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی
راکب نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے ۔ یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

۷۸
جو جنگ کے قابل تھے ہوئے وہ نہ مقابل ۔ تھرّاتے تھے سینوں میں جگر کانپتے تھے دل
تلوار کا پانی تھا کہ تھا زہر ہلاہل ۔ کیا لڑتے کہ خود قتل ہوئے جاتے تھے قاتل
مہلت نہ ٹھہرنے کی نہ دم لینے کی مہلت ۔ مل جاتی تھی ہاں راہ عدم لینے کی مہلت

۷۹
نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمت عالی ۔ حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت سر کفار پہ ڈالی ۔ لڑنے کے لئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا تا بت نہ لعیں پر ۔ دو ٹکڑے نظر آئے برابر سر زیں پر

۸۰
اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صف اوّل ۔ وہ ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہل چل
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل ۔ سر کٹ گئے پر چھیوں بھالوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے ۔ اک نیزہ سر ان لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

۸۱
سمجھے یہ کماندار کہ رخ جنگ سے پھیرا ۔ چلّائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا ۔ نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی رد کرے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانباز کہاں ہیں ۔ گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

۸۲
تھا مضطرب و حیراں پسرِ سعدِ ستمگر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر
پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آ کر
دریا تلک آ پہونچا ہے لختِ دلِ حیدر
اس شیرِ غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

۸۳
کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں
تو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں
کس ڈھال پہ شمشیرِ شرر بار کو روکیں
تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

۸۴
گھبرا کے کہا اس نے کہ ازرق کو بلا لا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا
آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
گھوڑے کو اگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدرِ جرار کو مارے
نزدیک ہے آ کر کسی سردار کو مارے

۸۵
ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام
سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
دولھا کو سنا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آب دمِ تیغ کا اس کے لبِ جو ہے
گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

۸۶
سالاریِ لشکر ہے ترے نام پہ مرقوم
رستم سے سوا جنگ کے فن ہیں تجھے معلوم
ہے چار طرف آج شجاعت کی تری دھوم
تو جا تو ہو بے سر پسرِ سیدِ مسموم
داماد کا غم دے شہِ آوارہ وطن کو
دیکھا نہیں سر پیٹتے اک شب کی دلہن کو

۸۷
یوں کہنے لگا چیں بہ جبیں ہو کے وہ مغرور
اس فوج پہ تو گو کہ حکومت پہ ہے معمور
لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

۸۸
مجھ سا کوئی عالم میں نہیں اور جواں مرد
جلادِ فلک کا ہے مرے خوف سے منھ زرد
ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
پٹکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سر پہ ہو گر اک گرزِ گراں دیو کو ماروں

۸۹
تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب
پنجے میں جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سہراب
تلوار کو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسین آئیں تو ہاں جنگ کروں میں

۹۰
بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان
یہ شیر کا فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
جانباز ہیں مر کر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچے ان کی تو سر تن سے جدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

۹۱
آنکھ ان کی جھپکتی نہیں لاکھوں سے دمِ حرب
نے خوفِ بلا ان کو نہ رنج و الم و کرب
اوروں کے نہ سو وار نہ ان لوگوں کی اک ضرب
ایسا کوئی جرّار نہیں شرق سے تا غرب
سر لاکھوں اُتر جاتے ہیں چڑھتے ہیں جو رن پر
تلواریں بھی کھاتے ہیں تو ہنس ہنس کے بدن پر

۹۲
اس شیر کے فرزند ہیں یہ شیر
اللہ نے بھیجی ہے جسے عرش سے شمشیر
تلوار یہ کھینچی ان کی تو لاشوں کے ہوئے ڈھیر
یہ سب سے زبردست ہیں اور اِن سے ہیں سب زیر
ہم لوگوں کی ہے موت جو زندہ ہیں یہ غازی
گر تیغ نہ ہو شیرِ درندہ ہیں یہ غازی

۹۳
آنکھ ان سے دمِ جنگ ملائی نہیں جاتی
بگڑیں تو کوئی بات بنائی نہیں جاتی
فاقوں میں بھی ہاتھوں کی صفائی نہیں جاتی
رستم سے بھی ضرب ان کی اٹھائی نہیں جاتی
بعضے جو حسینی ہیں تو بعضے حسنی ہیں
تلوار کے مالک ہیں شجاعت کے دھنی ہیں

۹۴
سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے
سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے
بھاگیں تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
تیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

۹۵
گو طفل ہیں پر تیغ زنی ورثہ ہے اِن کا
یہ بطن سے مادر کے جری ہوتے ہیں پیدا
جانباز ہیں ایسے کہ نہیں جان کی پروا
بڑھ بڑھ کے ہزاروں سے وغا کرتے ہیں تنہا
طفلی میں جوانوں کے کیے کام علیؑ نے
گہوارے میں اژدر کو بھی چیرا ہے کسی نے

۹۶
ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار
پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار
قتل اس کا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار
روئیں تن و زور آور و نام آور و جرّار
ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزندِ حسنؑ کا

۹۷
یہ کہہ کے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا
ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ
تو زور میں ہے رستم شجاعت میں ہے یکتا
یہ سن کے جفاجو نے لیا ہاتھ میں نیزا
جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منہ میں اجل کے

۹۸
بجنے لگے طبل و دف و نقارہ و قرنا
کڑکا ہوا نکلے وہ جواں ہو جسے مرنا
دیتا ہے شجاعوں کو مزا خون میں بھرنا
ہاں تا بہ ابد نام رہے آج وہ کرنا
غیرت کی ہے جا نام بزرگوں کے بڑے ہیں
یاں شمر و عمر واں شہِ مظلوم کھڑے ہیں

۹۹
نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار
قاسمؑ اُسے روک کے پکارے کہ خبردار
پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار
بجلی سی اِدھر سے بھی چلی تیغِ شرربار
روکے گئے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ پوری نہ سناں تھی

۱۰۰

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر
دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر
خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر
دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر
بے تیغ، نہ پنجہ، نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

۱۰۱

سر پر سے گرا خود، ہٹا وہ جو جھجک کر
قاسمؑ نے لپیٹا اسے پنجے میں لپک کر
تھے بال بڑے کھل گئے چہرے پہ لٹک کر
سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
سمجھا تھا وہ کچھ، چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

۱۰۲

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا
سب کو رخِ قاسمؑ کا اُجالا نظر آیا
دن چشمِ ستمگار میں کالا نظر آیا
یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابنِ حسنؑ کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

۱۰۳

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی
اس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
آیا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل آئی
ڈھونڈھا کیے قاسمؑ بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

۱۰۴

فرزندِ سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر
دولھا سے رہی رد و بدل تیروں کی تا دیر
تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؑ نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اس کا بچا کر
رہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

۱۰۵

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سخن آیا
اس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا
سنتے ہی اُدھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
بالا لیے واں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہرِ سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں چھد کے قفا سے نکل آئی

۱۰۶

نیزے کو دبایا تو فرس سے اُبھر آیا
مچھلی سا پھریرے میں تڑپتا نظر آیا
سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا
قاسمؑ نے کہا نخلِ دغا میں ثمر آیا
تلوار کو اُس کے جو سرِ دار پہ کھینچا
خلاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

۱۰۷

چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے
تلوار علم کر کے چلا طیش کے مارے
تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تھے ڈھنگ ادھر جنگِ یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمنِ دیں کو
اک ضرب میں دو کر کے کیا چار لعیں کو

۱۰۸

چاروں پسرِ ازرق کو نظر آئے جو بے دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ ماتم
اِک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اُس دم
باندھا کمرِ نحس کو زنجیر سے محکم
بیٹے ہوئے سر بر جو نہ قتالِ عرب سے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

۱۰۹

آیا وہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر
شانے پہ کماں، رُخ پہ جلم، فرق پہ مغفر
بر میں تو زرہ اور کمربند میں خنجر
کف غیظ سے منھ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

۱۱۰

نیزہ صفتِ مارِ زباں منھ سے نکالے
تلوار کا منھ ایسا کہ فولاد کو کھا لے
ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپا لے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا دم بند ہو جس سے

۱۱۱

اور زیرِ زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر
زنجیر سے باندھے تھا کمر یوں وہ ستمگر
خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر
حلقے میں ہو جس طرح لئے کوہ کو اژدر
وہ رشکِ تہمتن، تو فرس پیلِ دماں تھا
اسوار نہ تھا کوہ پہ اک کوہِ رواں تھا

۱۱۲

چنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا
قاسمؑ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا
کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
لعنت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تو ازرق شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

۱۱۳

شبیرؑ نے ازرق کو جو آتے ہوئے دیکھا
فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا
بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
وہ دیو یہ کمزور وہ سیراب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گود کے پالے پہ ہمارے
اب پیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

۱۱۴

یارب مرے قاسمؑ کو اس آفت سے بچالے
کبریٰؑ کو رنڈاپے کی مصیبت سے بچالے
بیکس کو ستمگار کی ضربت سے بچالے
بچ جائے جو تو اپنی عنایت سے بچالے
اُمت پہ فدا کر چکا اولاد بہن کی
یہ نخل مرے پاس امانت ہے حسنؑ کی

۱۱۵

یہ کہہ کے جو بیتاب ہوئے شاہِ خوش اقبال
زہراؑ کی بہو بیٹیوں نے کھول دئے بال
نخل بڑھ گیا لو باغِ حسنؑ ہوتا ہے پامال
ماں خاک پہ یہ کہہ کے گری ہائے مرے لال
بیٹی جو دلہن سر کو تو گھبرائی سکینہؑ
روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی سکینہؑ

۱۱۶

یاں ہونے لگی قاسمؑ و ازرق میں لڑائی
ازرق کی تو کرتا تھا عمرِ بد حرائی
نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
اکبرؑ کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہے ازرق
تم شبر کے فرزند ہو کیا مال ہے ازرق

۱۱۷

پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب
اٹھتے تھے تنق گرد کے میدان بلائیں
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں سے ہوائیں
رد کر دیا تو شاہ نے وار اس نے کیا جب
جرأت میں ید اللہ یہ تھے اور وہ مرحب

۱۱۸
نیزوں کی ہوئی ردّ و بدل اُن میں برابر
گھوڑے بھی تگ و دَو سے پسینے میں ہوئے تر
تھک تھک گئے پیانہ ہوا وہ نہ یہ سربر
تھے غیظ میں نوشاہ تو غصّے میں ستمگر
وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
ہاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

۱۱۹
قاسمؑ پہ اُٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلّاتے تھے ہر بار
گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
عمّو ترے قربان مری جان خبردار
طاقت تو نہ ہوگی تمھیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

۱۲۰
نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں
حملے تھے یہ شانوں سے نہ سرکیں تھیں کمانیں
جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں
تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی اڑ کر
غصّے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

۱۲۱
قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر
مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے بچائے جاں ہاں
تو مور ہے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں

۱۲۲
قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیر دو دستی
ہو جائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی
اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

۱۲۳
یہ کہہ کے ستمگار نے غصّے سے کہا ہاں
بولا یہ اُٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں
قاسمؑ نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں
لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر بھی نہ اس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار سے تلوار کو روکا

۱۲۴
چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی
سُننے کی بھی مُہلت نہ ستمگار نے پائی
ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی
جنّت کا محل فوج کے انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اُٹھا

۱۲۵
عبّاسؑ صدا دیتے تھے عمّو ترے قربان
وہ دیو ہے ضربت کے بچانے کا رہے دھیان
کس شان سے کرتے ہو وغا واہ مری جان
ہر وقت کا موقع ہے بڑھے جاؤ نہ اس آن
زد پر دمِ شمشیر کے آنے دو لعیں کو
جاتا ہے کہاں مار لیا دشمنِ دیں کو

۱۲۶
ہاں مغفرِ دشمن پہ گری تیغ سپر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے
مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
گردن بھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے
کیا ہاتھ جفاکار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو ید اللہ نے مارا

۱۲۷
بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر
یاں خاک پہ سجدے کے لئے جھک گئے شبیرؑ
للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
شادی سے ہوا سُرخ رُخِ اکبرؑ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

۱۲۸
زہراؑ کی صدا آئی کہ دولھا ترے واری
ماں ڈیوڑھی سے لے لے کے بلائیں یہ پکاری
اور گرد پھری روحِ حسنؑ کئی باری
قاسمؑ ترے قربان یہ ماں درد کی ماری
میں کر چکی تھی سیدِ ذیجاہ کے صدقے
پھیر انھیں قسمت نے یداللہ کے صدقے

۱۲۹
زینبؑ کا جو تھا حال بہت غم سے پریشاں
بانوؑ نے کہا جاکے دُلھن سے کہ مری جاں
پھولی نہ سمائی یہ ہوئی خرم و شاداں
لو شکر کا سجدہ کرو مشکل ہوئی آساں
زہراؑ کا ترے فرق پہ دامن رہے بیٹی
تو تا صد و سی سال سہاگن رہے بیٹی

۱۳۰
ماں خلق میں آباد تجھے چھوڑ کے مرجائے
روتا ہوا تجھ کو کبھی اللہ نہ دکھلائے
دولھا ترا قائم رہے تو خلق میں سُکھ پائے
ہنستا ہوا میدانِ شہادت سے بنا آئے
کھلتے ہوئے بر میں گلِ اُمید کو دیکھوں
مسند پہ قرانِ مہ و خورشید کو دیکھوں

۱۳۱
بیٹھی تھی دُلھن شکل جو رانڈوں کی بنائے
مژدے جو خوشی ہونے کے قسمت نے سُنائے
تھا سوچ کہ کیا دیکھئے تقدیر دکھائے
یہ دل میں ہوئی شاد کہ آنسو نکل آئے
دولھا نہیں آئے گا یہ ہرگز نہ خبر تھی
گھونگھٹ سے کبھی ماں پہ کبھی در پہ نظر تھی

۱۳۲
سچ کہتے ہیں ہیں شادی و غم خلق میں توام
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم
معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
تینوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں باہم
تیر آکے لگے سینے پہ، کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

۱۳۳
زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے
پانی کے لئے تن میں لگی روح پھڑکنے
طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں گُرز لگا کاسۂ سر پر
تیوراکے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

۱۳۴
عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو
ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
ذریت حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

۱۳۵
آوازِ حسنؑ آنے لگی ہائے مرے لال
گھبرا کے اُدھر کھول دئے گوندھے ہوئے بال
سبزے کی طرح گل کو مرے کرتے ہیں پامال
دوڑے طرف فوج شہنشاہِ خوش اقبال
داماد کا ماتم تھا کمر ضعف سے خم تھی
تیغِ دو زباں دستِ مبارک میں علم تھی

۱۳۶

اعدا کو بھگا کر جو گئے ڈھونڈھنے سرور
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر
پامال ملے قاسمؑ نوشاہ سراسر
رو کر پسر فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تن صد پاش سے لپٹے
چلا کے حسینؑ ابن علیؑ لاش سے لپٹے

۱۳۷

رو کر کہا صدقے ہو چچا منھ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منھ سے تو بولو
کیا حال ہے اے ماہ لقا منھ سے تو بولو
گر اُٹھ نہیں سکتے تو بھلا منھ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیئے جاتے ہو قاسمؑ
بیٹی کو مری رانڈ کئے جاتے ہو قاسمؑ

۱۳۸

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سُنائی
منھ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
میں ساغر کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اے اے لعل کہ تر خشک گلا ہو
دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو

۱۳۹

لب بند کئے قاسمؑ نوشاہ نے یک بار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئینہ رُخسار
یعنی نہ ہوں گا کہ ہیں پیاسے شہ ابرار
لاش اس کی چلے لے کے شہ بیکس و بے یار
ڈیوڑھی پہ جو پہنچے تو کہا دیکھ کے سب کو
وہ آئے ہیں دولھا تھا بنایا جنھیں شب کو

۱۴۰

ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو در پہ
فرزند کے لاشے سے لپٹنے گئی مادر
بانو نے کہا لٹ گئی لو گو مری دُختر
سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر
پھر کون رہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دُلہن رہ گئی اور سب نکل آئے

۱۴۱

اک شور اُٹھا ہائے غضب مر گئے قاسمؑ
شہ بولے کہ برباد ہمیں کر گئے قاسمؑ
سب خون میں سر تا بہ قدم بھر گئے قاسمؑ
پیاسے مرے گھر سے لب کوثر گئے قاسمؑ
لو خیمے میں لے جاؤ تم اس رشک چمن کو
شرم آتی ہے میں منھ نہ دکھاؤں گا دُلہن کو

۱۴۲

ڈیوڑھی سے جو خیمے میں شہ بحر و بر آئے
آغوش میں تھے لاشۂ نوشاہ اُٹھائے
روتے ہوئے اور شرم سے گردن کو جھکائے
اکبرؑ بھی تھے ہمراہ پدر اشک بہائے
خاموش انیسؔ اب نہیں طاقت ہے بیاں کی
حالت کہوں کس منھ سے شہ کون و مکاں کی

رُباعی

آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ کون ہوئے گا انیسؔ
ہم ہوویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

مرثیہ ۱

یوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے
رنگِ رخِ پُرنور اُڑا دردِ جگر سے
فرقت ہوئی یعقوبؑ کو اُس رشکِ قمر سے
دُنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
دل آپ ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

۲

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب
بریاں دلِ مجروح تپاں صورتِ سیماب
فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب
بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے رو لیے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے رو لیے

۳

پیراہنِ یوسفؑ کبھی آنکھوں سے لگاتے
رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
کُرتے کو کبھی سونگھ کے، تھے اشک بہاتے
پوشاک یہ جس کی ہے اُسے ہم نہیں پاتے
افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے
کپڑے تو دھرے رہ گئے اور آپ سدھارے

۴

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رُو کر
بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسّر
ملتا نہیں گم ہو گیا یوسفؑ مرا دلبر
اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے لِلّٰہ ملا دے مجھے کوئی

۵

ہر بات پہ رُو کر کفِ افسوس کو ملتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخساروں پہ ڈھلتے
ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
گہ ضعف سے گرتے، کبھی اُٹھتے، کبھی چلتے
جب شہر میں پاتے تھے نہ اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈھنے جاتے تھے پسر کو

۶

سائے میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطِب کبھی ہوتے
اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
دریا سے یہ کہہ کر کبھی منہ اشکوں سے دھوتے
اب اس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

۷

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا
یوسف تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا
چلّاتے تھے اے لعل تو کس قبر میں سویا
خود گم ہوں کہ پیارے تجھے اِن ہاتھوں سے کھویا
کچھ تیرا پتہ اے مرے مہ رو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

۸

کیا جانیے تو دھوپ میں یا سر پہ ہے سایا
گرمی کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
آرام مرے ہجر میں کیوں کر تجھے آیا
راحت بھی کوئی دم ہے کہ دُکھ سہتے ہو بیٹا
جنگل ہے کہ بستی ہے کہاں رہتے ہو بیٹا

۹

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے
تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
تو کون سی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے
حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

۱۰

للہ ملاقات کی صورت تو بتاؤ
اے لعل کبھی خواب میں بابا کے تو آؤ
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رُلاؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ
چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھوٹتا

۱۱

برسوں جو اسی طرح رہے مضطر و دلگیر
تھے فرق سے تا ناخنِ پا، درد کی تصویر
طاقت جو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہوئے پیر
اب جائیں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی زنجیر
زور اپنا دکھایا کمرِ راست کے خم نے
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے

۱۲

بیت الحزن اور آپ، نہ کھانا تھا نہ سونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منھ اشکوں سے دھونا
گر دن تھا تو رونا تھا، جو تھی رات تو رونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا
آرام نہ بے گریہ و زاری کوئی دم تھا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ ورم تھا

۱۳

افراطِ الم سے یہ جوانی میں ہوا حال
اک طائرِ روح اور رگوں کا تھا فقط جال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیرِ کہن سال
کوئی نہ رہا ریشِ مبارک میں سیہ بال
روئے یہ شب و روز جدائی میں پسر کی
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اسی نورِ نظر کی

۱۴

فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی زائل
یوسفؑ کی نظر آئی نہ جب شکل و شمائل
بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مرا دل
بینائی سے کیا فائدہ کیا آنکھوں سے حاصل
جو نورِ نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہے
ان آنکھوں کے حجرے نہ کھلیں اب تو بجا ہے

۱۵

پوچھا یہی گر کوئی ملاقات کو آیا
افسوس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا
بتلاؤ کہ یوسفؑ کا پتہ ہے کہیں پایا
ایسا نہیں بچھڑا کہ ملے گا مرا جایا
کیا لطف ہے گر جیتے رہے کھو کے پسر کو
اے جان نکل اب کہ قرار آئے جگر کو

۱۶

ہرچند کہ یعقوبؑ کے گیارہ تھے پسر اور
یعقوبِ محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور
آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
آتا یہ تمہارے ہوئے کیا کیا ستم و جور
حقا کہ رضا جوئے خدا وہ شہِ دیں تھا
اس لعل کو کھویا کہ جو یوسفؑ سے حسیں تھا

۱۷

یعقوبؑ کے آگے جو پسر برچھی کو کھاتا
فرزند کا دکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا
ہے دل کو یقیں منھ سے کلیجہ نکل آتا
اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گل ہو اگر خار کے نیچے
رکھتے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے

۱۸

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگِ پسر سے
موت آ کے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے
جاتا نہیں یہ داغ مرے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبرؐ کا، حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۱۹
غیروں کے لئے اپنی کمائی کوئی کھوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے
دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
فرزندِ جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے
فرزند کا غم باپِ دلِ ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

۲۰
یعقوبؑ پہ ثابت تھا کہ زندہ ہے جگر بند
تھی اُن سے سوا بیٹے کی الفت انھیں دہ چند
یوں روتے تھے جس طرح کہ مرجاتا ہے فرزند
لیکن پسرِ فاطمہؑ تھا خرّم و خرسند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہے خدا کی
دینے میں ہے کیا عذر امانت ہے خدا کی

۲۱
کرتا ہے سفر یوسفِؑ شاہنشہِ عالی
تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی
کنعانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوتا ہے خالی
ہاتھوں سے جگر تھامے ہے ماں پالنے والی
کرتی ہے نظر یاس سے جب رو کے پسر پر
چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پر

۲۲
پلکوں کے کلیجے میں در آتے ہیں جو بھالے
بیٹے سے اشارہ ہے کہ اے گیسوؤں والے
بسمل کی طرح لوٹتی ہے دل کو سنبھالے
واری تجھے اس پیچ سے اللہ نکالے
جنّت میں ہمیں ساتھ نہ لے جاؤ گے بیٹا
کیا چھوڑ کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا

۲۳
حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی ہے اظہار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار
رہ جاتا ہے رو کر پسرِ بیکس و ناچار
فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار
فرزند بھی گھر بار بھی سب نذرِ خدا ہے
مادر سے کہو باپ تو راضی بہ رضا ہے

۲۴
ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو اے اکبرِؑ گلفام
کر دے گا خدا اپنے سفر کا بھی سرانجام
تم شوق سے سر دے کے کرو خلد میں آرام
میرا تو یہ مطلب ہے کہ اُمت کا بنے کام
حق تم پہ ہے زینبؑ کا وہ ہاں رو کے تو روکے
ہم تم کو نہ روکیں گے جو ماں رو کے تو روکے

۲۵
میں باپ ہوں الفت مری کیا اے مرے پیارے
مشکل ہے کہ دو چاہنے والے ہیں تمھارے
یکساں ہے رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
جان ایک کی اور ایک کی ہو آنکھوں کے تارے
دامن جو وہ پکڑیں تو چھڑا سکتے ہو بیٹا
بے دونوں کے راضی کئے جا سکتے ہو بیٹا

۲۶
یہ ہم نہیں جو تم نے کہا منھ سے وہ مانا
اشکوں کے بہانے کو بھی سمجھیں گے بہانا
دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہے جانا
دشوار ہے مشکل ہے رضا جنگ کی پانا
جو ماں کا ہے وہی زینبؑ دلگیر کا حق ہے
یاں پالنے کا حق ہے تو واں شیر کا حق ہے

۲۷
نزدیک ہمارے تو ہے رخصت میں تامّل
بالوں کو جو بکھرائیں گی وہ صورتِ سنبل
دو قمریاں اک سرو ہے دو بلبلیں اک گل
ہووے گا بپا نالہ و فریاد کا اک غل
صدقے کوئی ہو گی کوئی قدموں پہ گرے گی
ماں پکڑے گی دامن تو پھپھی گرد پھرے گی

۲۸

لو مان لیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا
ہوئے گا گوارا بھی زینبؑ کا رُلانا
ہو جائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانا
تو جان ہے سب گھر کی یہ سب نہیں جانا
مر جائیں گے گر دیر ہوئی آنے میں بیٹا
دُو جانوں کا نقصاں ہے ترے جانے میں بیٹا

۲۹

دُو جانیں تلف ہوتی ہیں اس جانے سے حاصل
رخصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل
واں جاؤ تو جاؤ مرے پاس آنے سے حاصل
تدبیر نکالو کوئی غم کھانے سے حاصل
اک ہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو
اُن سے تو سنبھالا نہیں جائے گا جگر کو

۳۰

ہو ایک تو کوئی اُسے سمجھائے مری جاں
بہنیں تری صدقے ہیں پھوپھی ہیں ترے قرباں
اور ماں کی جو پوچھو اُسے سو طرح کے ہیں دھیان
پوتے کے کھلانے کی ہوس بیاہ کا ارماں
منصف ہو یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
راتیں یہ مُرادوں کی ہیں یا مرنے کے دن ہیں

۳۱

اکبرؑ نے کہا باپ سے یہ ماں کو سُنا کر
خادم کو نہ روکے گی پھوپھی اور نہ مادر
وہ آپ کہیں گی کہ فدا ہو مرے دلبر
حضرت سے زیادہ انھیں پیارا نہیں اکبرؑ
زہراؑ کی بہو یہ ہیں تو وہ بنتِ علیؑ ہیں
جو چاہیں سو دیں یہ بھی سخی وہ بھی سخی ہیں

۳۲

فرزندوں کو حضرت پہ پھوپھی جان نے وارا
جیتی ہوئی رانڈ اُن کی مگر دم نہیں مارا
اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کرنے کی پیارا
ہاں آپ کی فرقت نہیں ہونے کی گوارا
دھڑکا ہے رنڈاپے کا جو رنجیدہ ہیں اماں
ناداں نہیں فہمیدہ و سنجیدہ ہیں اماں

۳۳

وارث ہے جو سر پر تو ہے عورت کے لیے تاج
ہوتی ہے رنڈاپے میں ردا کے لیے محتاج
کوکھ اُجڑے تو اُجڑے پہ نہ دنیا میں لٹے راج
سایہ ہے فقط آپ کا ان کے لیے معراج
یہ آپ کی خدمت کو پسر حق نے دیے ہیں
فرزند اگر ہیں تو اسی دن کے لیے ہیں

۳۴

ممکن ہے کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں
اور فاطمہؑ کے لال کو ہاتھوں سے گنوائیں
یہ وہ ہیں کہ مرضی جو ذرا آپ کی پائیں
اصغرؑ کو بھی جھولے سے ابھی نذر کو لائیں
تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو
خود بھیجدیں تلواروں میں بیمار پسر کو

۳۵

حضرت کو پھوپھی جان کی جیسی ہے محبت
یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں اُلفت
ہیں آپ کے بدلے یہ گرفتارِ مصیبت
کیا دور ہے بن مانگے اگر دیں مجھے رُخصت
حق کے لیے سجادے پہ مشغولِ دُعا ہیں
جو آپ پہ قربان ہو یہ اُس پہ فدا ہیں

۳۶

مطلق نہیں دھیان ان کو ہے یا کوئی جائے
اُن کو تو وہ پیارا ہے جو کام آپ کے آئے
کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے دو لعل گنوائے
اس کی ہیں وہ جو یا کہ بہن بھائی کو پائے
کیا ذکر خفا ہونے کا خوشنود ہیں وہ تو
جاں اپنی فدا کرنے کو موجود ہیں وہ تو

37

بانو نے کہا زینبِ بیکس سے کہ ہمشیر
ہر بات ہے یہ میرے کلیجے کے لئے تیر
سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
میں کیا کروں کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
اکبرؑ سے محبت کے گلے مجھ کو بڑے ہیں
ہے پاسِ ادب سبطِ نبیؐ پاس کھڑے ہیں

38

کیا ہوئے گا سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
اس وقت مدد کیجیے کہ آساں ہو یہ مشکل
کیوں لائے ہیں ہمراہ پسر کو مرے عادل
بے آس کریں گے ہوئے جب بیاہ کے قابل
کچھ آپ بھی سمجھائیے اس غنچہ دہاں کو
گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو

39

یہ آپ سے کر سکنے کے ہرگز نہیں تکرار
زینبؑ نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار
میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلوا دیئے تلوار
وہ کیا کرے ہے باپ مصیبت میں گرفتار
رخصت نہ اگر دو گی تو قدموں پہ جھکے گا
یہ صاحبِ غیرت نہ رکے گا نہ رکے گا

40

لٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یہ کمائی
دولھا نہ بنایا نہ دلہن بیاہ کے لائی
ہو جائے گا پھر بے کس و تنہا مرا بھائی
لے جاؤں گی ہے ہے علیؑ اکبر کی جدائی
ہیں خوش بھی کہ اب ساتھ دلہن لیکے چلیں گے
کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ پھلیں گے

41

بانو سے بھی زینبؑ سے بھی کہنے لگے سرور
چپ رہ گئی زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر
کیا کہتی ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبرؑ
بانو نے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر
میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی
مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

42

واجب ہے اطاعت مجھے یا سیدِ ابرار
ہیں آپ کی گھر آپ کا اور آپ کے دلدار
طاقت ہے میں اس امر میں کر سکتی ہوں تکرار
لونڈی کے بھی مالک ہو اور اکبرؑ کے بھی مختار
شکوہ نہیں گر ہیں تو محبت کے گلے ہیں
یہ لعل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں

43

ہے کام کا وہ ان میں جو کام آپ کے آئے
فرمائیے تو لونڈی علی اصغرؑ کو بھی لائے
ارشاد جسے کیجئے وہ مرنے کو جائے
حسرت ہے کہ مادر انھیں نوشاہ بنائے
پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں

44

شہ بولے نہیں جس میں خوشی ہوئے تمہاری
بانو نے کہا میں تو رضامند ہوں واری
اکبر رہیں ہم جائیں سوئے لشکرِ ناری
کہہ دیجئے ان سے کہ نہ منگوائیں سواری
سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
خاتونِ قیامت کا رُلانا نہیں منظور

45

گر کہیئے تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں
ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں
بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
روتی ہوئی پہنچانے کو در تک بھی نہ جاؤں
اولاد جو پیاری ہے تو حضرت ہی کے دم تک
کہیئے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک

۴۶

پھٹ جائے کلیجہ بھی تو منہ سے نہ کروں آہ
گر دل پہ گرے ہجر میں کوہِ غمِ جانکاہ
دامن بھی نہ پکڑوں جو یہ میدان کی لیں راہ
نے روؤں نہ پیٹوں نہ کہوں ہائے مرا ماہ
سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہو گیا مجھ سے
پالا تھا جسے کون جدا ہو گیا مجھ سے

۴۷

شہ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمہارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا
ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اک رنج میں راضی بہ رضا ہیں
یہ کام انھیں کا ہے جو خاصانِ خدا ہیں

۴۸

جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہے مرنا
آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا
مشکل ہے مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا
برسوں سے یہی رنگِ گلستانِ جہاں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

۴۹

کچھ پھول تو دکھلا کے بہار اپنی ہیں جاتے
کچھ گل ہیں کہ پھولے نہیں جامے میں سماتے
کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
بلبل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
کچھ بس نہیں چلتا چمن آرائے جہاں سے

۵۰

مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر
ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اسے قبر میں جا کر

۵۱

مٹی سے بچاتے ہیں سدا جس کا تنِ پاک
مادر جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک
اس گل پہ گرا دیتے ہیں خود سیکڑوں من خاک
وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

۵۲

بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے
بے ان کے کوئی آن نہ دنیا میں ٹھہرتے
کوچ ان کا نہ ہوتا کہ سفر خلق سے کرتے
یہ غسل و کفن دے کے ہمیں قبر میں دھرتے
پر دخل ہمیں مرضیِ معبود میں کب ہے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبر کی طلب ہے

۵۳

منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی
عباسؑ کو روئیں گے جو مر جائے گا بھائی
دھیان آئے گا اکبرؑ کے سناں سینہ پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

۵۴

فرزندِ صغیر ان کا تلف ہوگا کوئی گر
ہو جائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
ہیں دوست مرے یاد کریں گے غمِ اصغرؑ
کبراؑ کے رنڈاپے پہ وہ روئیں گے مقرر
بھولیں گے مرے غم میں الم خویش و پسر کا
مرہم یہی ان لوگوں کے ہے زخمِ جگر کا

۵۵

تھا مجھ کو تردد کہ نہ دوں گی انھیں رخصت
بانوؑ نے کہا ختم ہے زہراؑ پہ سخاوت
پر کیوں نہ ہو زہراؑ کی بہو صاحبِ غیرت
کیا صبر مرا، کیا مرا دل، کیا مری ہمت
خوشنودیِ خالق جو مجھے مدِ نظر ہے
صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے

۵۶

اس گھر میں نہ ہوتی کبھی اس صبر کے قابل
شوہر تو ملا ابنِ علیؑ سا شہِ عادل
یہ فیض اسی گھر سے ہوا مجھے حاصل
بیٹا علی اکبرؑ سا ملا حور شمائل
ہاتھ آ گیا خورشید تو ایسا قمر ایسا
کس بی بی نے پایا ہے گھر ایسا پسر ایسا

۵۷

سسرا وہ کہ جس شیر کے قبضے میں خدائی
ساس ایسی کہ جو احمدِ مختار کی جائی
کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی
نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپ سا بھائی
خود مصحفِ اکبر میں بیاں جن کا کیا ہے
رشتہ مجھے ان موتیوں سے حق نے دیا ہے

۵۸

جب خواب میں آئی تھیں مرے آپ کی مادر
ارشاد کیا تھا یہ دلہن مجھ کو بنا کر
کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا مرا سر
میں فاطمہؑ ہوں، ہے ترا دولھا مرا دلبر
لائی ہوں کمائی کو شہِ عقدہ کشا کی
لے دیکھ لے صورت کو مرے ماہ لقا کی

۵۹

لونڈی نے جو گردن سرِ زانو سے اُٹھائی
اس حسن کے نظارے کی میں تاب نہ لائی
حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
پر بیکسی و یاس سی تھی چہرے پہ چھائی
قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں سے ڈھل آئے
حضرت تو ہنسے اور مرے آنسو نکل آئے

۶۰

زہراؑ نے کہا ہے یہ مری آنکھوں کا تارا
کیجو مرے پیارے سے کمائی کو نہ پیارا
فرزند کو احمدؐ نے اِسی لعل پہ وارا
صدقے گئی وہ آج کھُلا مجھ پہ اشارا
حق ان کی محبت کا ادا کرتی ہے بانوؑ
دولت یہی اک ہے سو فدا کرتی ہے بانوؑ

۶۱

بانوؑ نے یہ تقریر جو کی تمام کے بہ رقت
فرمایا کہ اُن سے بھی تو لو مرنے کی رخصت
اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
گو جیب ہے مگر اس کو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

۶۲

زینبؑ نے کہا جس میں رضا ہے شہِ عالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے ماں سے تو رضا لی
میں نے کوئی بات نہیں منھ سے نکالی
مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

۶۳

بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے
کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے رو دئے
ان کے لئے کب میں نے پسر ہاتھ سے کھوئے
کیوں روتے ہیں یہ کس لئے حضرت کو قلق ہے
حقدار ہیں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

۶۴
سی کر نئے کُرتے انھیں کس روز پہنائے
رکھتی تھی میں کس دن اُنھیں دولھا سا بنائے
اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
ناز ان کی پھوپھی نے کبھی کاہے کو اُٹھائے
پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلووں سے یہ دیدۂ تر کس نے ملے تھے

۶۵
راتوں کو رہا کون چھٹی چلّوں میں بیدار
پہلو میں رہا دل کی طرح کس کے یہ دلدار
کس نے کہو سُرمہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
کس بی بی نے گیسو ہیں یہ منّت کے رکھے چار
لے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں
پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں

۶۶
جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام
قرباں رہے اٹھارہ برس جو سحر و شام
اس شادی کا کس نے کیا کُنبے میں سرانجام
پوچھا بھی نہ ہاں سچ ہے اب اس بی بی سے کیا کام
کیوں ان کی بلا لے کے نہ پیٹے ہی ہوئی میں
سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نہ ہوئی میں

۶۷
بابے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لئے ہتھیار
یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
مجبور ہمیں پا کے یہ ایسے ہوئے مختار
بھیگیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
آغازِ خطِ سبز کا انجام یہی تھا

۶۸
خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لے اپنے پدر سے
میں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے
الفت کے سبب کب نہ چلا ماں کا پسر سے
کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کیے ہیں
اس لعل پہ دو لعل فدا میں نے کیے ہیں

۶۹
اب تک مری آنکھوں سے ہوئے ہیں کبھی اوجھل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل
میں جیتی ہوں یہ جائیں گے کیوں کر سوئے مقتل
اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
سرسبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

۷۰
مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس
نے عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ
زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
اب تو یہی میری ہے مراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھاریں

۷۱
سن کر یہ سخن بیبیاں رونے لگیں ساری
بانوئے دو عالم پہ یہ رقّت ہوئی طاری
حضرت کے بھی اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ اصغرؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی

۷۲
بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم
دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی بے دم
رخصت نہ ملے گی تمھیں کیوں کہتے نہ تھے ہم
مر جائے گی اس درد رسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی بھی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
زینب کی خوشی حضرتِ زہراؑ کی خوشی ہے

۷۳

لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ
خود جانتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ
کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں برچھیاں کھاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
امت یہ فدا ہوں گے نہیں آپ کے بدلے

۷۴

لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آلِ پیمبر سے خبردار
بہنوں سے خبردار، برادر سے خبردار
بنتِ اسد اللہ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

۷۵

کہرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب
بانو نے کہا ہائے مرا راج لٹا اب
سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب
اکبر کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینب
روئی جو سکینہ قدمِ شہ سے لپٹ کر
کبرا بھی لگی پیٹنے گھونگھٹ کو الٹ کر

۷۶

زہرا کی صدا آئی کہ فریاد ہے! فریاد
فکر اپنی ہے سب کو مرا دکھ درد نہیں یاد
سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہے برباد
ایسی مری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد
بہنیں نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی
شبیر کا کیا روکنے والا نہیں کوئی

۷۷

اس وقت ہے کس سوچ میں زینب مری جائی
کی میری کمائی سے عزیز اپنی کمائی
منظور نہیں گود کے پالے کی جدائی
دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی
فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کے قریں ہے
معلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہے

۷۸

جس وقت سنی حضرتِ زہرا کی یہ تقریر
کی عرض بہ صد عجز کہ یا حضرتِ شبیر
روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
صدقہ علی اکبر کا مری بخشیے تقصیر
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبر کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا

۷۹

کیا اس لئے روکا تھا ہیں اکبر ذی جاہ
حضرت تو ہیں واقف بہن ایسی نہیں یا شاہ
اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگ گاہ
گر جان بھی کام آئے تو موجود ہے واللہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبر ہیں تو کیا ہیں
سو ایسے پسر کوکھ پہ زہرا کی فدا ہیں

۸۰

ہم شکل یہ جن کے ہیں اگر آج وہ ہوتے
اس لشکرِ اعدا کو علیؑ خوں میں ڈبوتے
میدان میں حضرت کے لئے جان کو کھوتے
وہ جانے والے تو ہیں سب قبر میں سوتے
کس درد سے فریاد و بکا کرتی ہیں اماں
سن لیجئے بیٹی کا گلا کرتی ہیں اماں

۸۱

اکبر سے کہا لو مری جاں رن کو سدھارو
جو دشمنِ اولادِ علیؑ ہیں انھیں مارو
زینب کا بنا کام بگڑتا ہے سنوارو
اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیردلوں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

۸۲
تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرؑ ذی جاہ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ
دل تھام کے غش ہو گئی بنتِ اسد اللہ
ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

۸۳
گھوڑے پہ چڑھے شاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
فرزندِ ید اللہ سے رخصت ہوئے اکبرؑ
شہ پھرتے نہ تھے راہ سے رخصت ہوئے اکبر
کتنا دلِ بیتاب کو سمجھاتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ مڑ مڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیرؑ

۸۴
چلاتے تھے اب بھی جو بلا لو تو چلے آئیں
اے نورِ بصارت تمھیں ڈھونڈھیں تو کہاں پائیں
کیوں پھیر دیا راہ تو بتلا دو کدھر جائیں
وہ کہتا تھا تکلیف بس آپ نہ فرمائیں
مجھ کو جو اجل کا نہ پیام آئے گا بابا
خود آپ کی خدمت میں غلام آئے گا بابا

۸۵
یہ کہہ کے بڑھے ان کی طرف اکبرؑ دلگیر
روشن جو ہوا دشت تو گھبرا گئے بے پیر
طاقت جو نہ تھی بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
ذرّوں میں نظر آنے لگی مہر کی تنویر
نورِ رخِ احمدؐ جو دوبارہ نظر آیا
خورشیدِ جہاں تاب ستارہ نظر آیا

۸۶
کہتا تھا کوئی موسیِٔ عمرانؑ ہے یہ غازی
کتنوں کو یقیں تھا مہِ کنعاں ہے یہ غازی
اک سو تھا یہ غل عیسیِٔ دوراں ہے یہ غازی
چلاتی تھیں پریاں کہ سلیماںؑ ہے یہ غازی
کچھ متفق اس پر تھے کہ یہ لوحِ نبیؐ ہیں
کہتے تھے مسلماں کہ رسولِ عربیؐ ہیں

۸۷
وارث ہے رسولوں کے تبرک کا یہ ذی جود
آدمؑ کا کمر بند و کلہ، خودِ سرِ ہودؑ
عمامۂ محبوبِ خدا سر پہ ہے موجود
پیراہنِ یوسفؑ، زرۂ حضرتِ داؤدؑ
شانِ نبوی عزت و توقیرِ حسینی
نیزہ جو حسنؑ کا ہے تو شمشیرِ حسینی

۸۸
گیسوئے مسلسل رخِ روشن پہ جو ہیں چار
یہ مصحفِ رخسار کی سطریں ہیں نمودار
ہے ان سے عیاں سلسلۂ احمدِ مختار
ہیں معنیِ پیچیدہ کھلے گر تو ہو تلوار
زلفوں میں کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
دیکھو شبِ معراج میں محبوبِ خدا کو

۸۹
چہرے کو اگر صبح کہیں زلف کو گر رات
دنیا میں سدا شام سے ہے تا بہ سحر رات
دن ہوتا ہے جب خلق سے کرتی ہے سفر رات
یاں بیچ میں خورشید اِدھر رات اُدھر رات
گیسوئے رسا روئے دل افروز بہم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے

۹۰
دنیا میں کوئی آج نہیں ثانیِ اکبرؑ
یہ ماہِ دو ہفتہ ہے کہ پیشانیِ اکبرؑ
یوسفؑ کی زباں پر ہے ثنا خوانیِ اکبرؑ
خورشید ہے یا چہرۂ نورانیِ اکبرؑ
یہ جلوہ گری مہر کے پرتو میں نہیں ہے
ابرو میں جو خم ہے وہ مہِ نو میں نہیں ہے

۹۱

سجدے کا نشاں اور یہ پیشانیٔ انور
حقا کہ یہ ہے تاجِ سرِ عرش کا گوہر
طالع سرِ خورشید پہ ہے زہرۂ ازہر
دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا اختر
حقّے میں ستارہ یہ نہیں اور کسی کے
تارا یہ وہ ہے گھر میں جو اترا ہے علیؑ کے

۹۲

ابرو جو کماں ہیں تو ہیں مژگانِ سیہ تیر
ہے دیدۂ ابرو سے عیاں جنگ کی تصویر
ہے جن کے ہر اک گوشے پہ قرباں دلِ شبّیر
دو مردمِ خوں ریز ہیں کھینچے ہوئے شمشیر
اب دیکھیں تو کون آنکھ ملا سکتا ہے ان میں
الٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں

۹۳

آغاز ہے سبزہ انھیں اٹھارواں ہے سال
اک نورِ مجسّم ہے زہے حشمت و اجلال
کس فصل میں اس گل کو خزاں کرتی ہے پامال
خورشید پہ نقطے ہیں کہ رخساروں پہ ہیں خال
سیارے ہوں اسپند جو سارے تو بجا ہے
تاروں کو فلک ان پہ اتارے تو بجا ہے

۹۴

سبزہ رخِ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
موسم کبھی لڑکپن کا بدلنے نہیں پایا
یہ نخل ذرا پھولنے پھلنے نہیں پایا
ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا
چہرے سے عیاں ہے یہ جوانی میں بھی کم ہے
دو سال سے بھی عشرۂ ثانی میں بھی کم ہے

۹۵

بستہ ہے یہ غنچہ کہ دہن عقل ہے یاں گم
دانتوں کی چمک دیکھ کے ہنگامِ تکلّم
لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ تبسّم
اشکوں کی طرح آنکھ سے گر جاتے ہیں انجم
تابش میں جو دنداں رگِ برق ہوئے ہیں
دریائے خجالت میں گہر غرق ہوئے ہیں

۹۶

بے مثل ہے یہ گردن و بازو و بر و دوش
ہے ضو سے ہتھیلی کی قمر ابر میں روپوش
ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے اڑے ہوش
یہ انگلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہوئیں خاموش
ناخن نے دکھایا جو رخِ جلوہ گر اپنا
ثریا کے پیرو نے جھکایا ہے سر اپنا

۹۷

سینہ ہے وہ سینہ کہ جو کینے سے بری ہے
کب قرصِ مہ و مہر میں یہ جلوہ گری ہے
نور اس میں ہے یا آئینہ میں عکسِ پری ہے
یاں روشنیٔ طور چراغِ سحری ہے
دیکھے جو اسے علم کے گنجینے کو دیکھے
اس سینے کو جو دیکھے تو آئینے کو دیکھے

۹۸

بے مثل ہے سینے کی طرح یہ شکم صاف
دیکھیں جو نظر بھر کے اسے صاحبِ انصاف
ہے صاف تو یہ بات کہ دشوار ہیں اوصاف
خورشید سے روشن ہے تو آئینہ ہے شفاف
ضو ایسی نہ آئینۂ مہتاب میں دیکھی
مخمل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

۹۹

ہیں اِن کے قدم راہ روِ جادۂ تسلیم
ان قدموں پہ جو سر ہو وہ ہے لائقِ تعظیم
ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں زہے عزت و تکریم
ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہے تعلیم
روشن جو زمیں ہے تو یہ پرتو ہے انھیں کا
جو راہِ خدا میں ہے وہ پیرو ہے انھیں کا

۱۰۰

ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیرِ غضبناک
دادا مرا حیدر ہے وصیِ شہِ لولاک
میں شیر کا فرزند ہوں اے لشکرِ سفاک
ہر رجس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
عیسیٰ کو نہ موسیٰ کو نہ آدم کو ملا ہے
جو فضلِ الٰہی سے شرف ہم کو ملا ہے

۱۰۱

مشہور ہیں جو صاحبِ توقیر وہ ہم ہیں
بھیجی جنھیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں
ہے جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
آیا ہے جنھیں آیۂ تطہیر وہ ہم ہیں
ناری ہے وہ اس گھر سے جو الفت نہیں رکھتا
عالم میں کوئی ہم پہ فضیلت نہیں رکھتا

۱۰۲

ہے نورِ الٰہی کی ضیا گھر میں ہمارے
نعمت کے طبق آئے سدا گھر میں ہمارے
اترے ملکِ عرشِ علا گھر میں ہمارے
نازل ہوا قرآنِ خدا گھر میں ہمارے
خورشید کو رجعت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں
قرآن زباں جس کی ہے ہم اس کی زباں ہیں

۱۰۳

روشن اگر آئینۂ دیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعدِ نبی تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں
گر مہرِ نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اسرارِ الٰہی کے امیں ہیں تو ہمیں ہیں
قدسی ہیں معترف سحر و شام ہمارے
جو عرش پہ لکھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

۱۰۴

ہر شخص کی مشکل میں ہمیں عقدہ کشا ہیں
مُردوں کو جلایا ہے وہ اعجاز نما ہیں
خورشیدِ سخا ابرِ کرم عینِ عطا ہیں
ہم طرۂ دستارِ سرِ عرشِ خدا ہیں
عالم پہ ازل سے ہے عنایات ہماری
ہے خلقتِ آدم کا سبب ذات ہماری

۱۰۵

حال اپنی شرافت کا ہے سب خلق پہ حالی
فردوس کے مختار ہیں کونین کے والی
اللہ نے بخشا ہے ہمیں رتبۂ عالی
ہیں نورِ خدا، ہم سے کوئی جا نہیں خالی
گہ تحتِ ثریٰ اوج ثریا پہ کبھی ہیں
پاتال میں کبھی اور طارمِ اعلیٰ پہ کبھی ہیں

۱۰۶

اسرارِ الٰہی کے جو ماہر ہیں تو ہم ہیں
ہر آیۂ مصحف کے اگر سِر ہیں تو ہم ہیں
باطن میں ہیں تو ہم ہیں جو ظاہر ہیں تو ہم ہیں
قاری ہیں تو ہم ہیں جو مفسر ہیں تو ہم ہیں
قرآں کو جو پوچھو تو وہ حصہ ہے ہمارا
توریت اور انجیل میں قصہ ہے ہمارا

۱۰۷

طالب ہو تو اعجاز رسولوں کے دکھا دیں
بیمارِ چہل سال کو لاؤ تو شفا دیں
تو مُردوں کو عیسیٰ کی طرح دم میں جلا دیں
اور خضرؑ سے رہبر کو بھی ہم راہ بتا دیں
پتھر کو کریں موم بلا لیویں شجر کو
ٹکڑے کریں انگلی کے اشارے سے قمر کو

۱۰۸

معبود کو خود اوج ہے منظور ہمارا
گویا ہیں نگیں یہ ہے مکاں دور ہمارا
کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طور ہمارا
ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا
اللہ کے ہم ظاہر و باطن میں ولی ہیں
گہ سِرِّ خفی اس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں

۱۰۹

غل عرش پہ ہے رتبۂ برتر کا ہمارے
دربان ہے جبرئیلِ امیں گھر کا ہمارے
خاقان ہے ادنیٰ سا گدا گھر کا ہمارے
قیصر بھی غلام ایک ہے قنبر کا ہمارے
اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحبِ زر ہیں
اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست نگر ہیں

۱۱۰

اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے
عزت ہمیں بخشی ہے شرافت ہمیں دی ہے
کونین کو بخشیں وہ سخاوت ہمیں دی ہے
قائل ہیں عرب جس کے وہ جرأت ہمیں دی ہے
روباہوں کے بلوے سے تردّد ہمیں کیا ہے
ہم شیر ہیں اُس شیر کے جو شیرِ خدا ہے

۱۱۱

زیبا ہے ہمارے ہی لئے رتبۂ شاہی
ہیں علم شریعت کے ہمیں امر و نواہی
ہے آلِ محمدؐ کا غضب قہرِ الٰہی
برہم ہوں تو آجائے زمانے پہ تباہی
برقِ غضب حضرتِ باری نہیں رُکتی
لاکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رُکتی

۱۱۲

ہیں فاتحِ بدر و احد و خندق و خیبر
ان ہاتھوں سے مارا گیا مرحب سا دلاور
اک ضرب میں کاٹا سرِ عمرو سرِ عنتر
دو اُنگلیوں سے چاک کیا کلّۂ اژدر
منصور و مظفر رہے تائیدِ احد سے
کعبے میں سرِ لات کو توڑا ہے لگد سے

۱۱۳

شہرہ ہے ہمارا عرب و روم و عجم میں
تلوار سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں
باندھا ہے گلا دیو کا طاقت ہے وہ ہم میں
اور گاڑ دیا دیں کا نشاں بیرِ الم میں
جنّات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں
پانی کے لئے آگ میں ہم کود پڑے ہیں

۱۱۴

میں اُس کا پسر ہوں جو خدا کا ہے شناسا
فرزند ہوں اس کا جو نبیؐ کا ہے نواسا
جاں اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا سا
میں وہ ہوں پدر جس کا ہے دو روز سے پیاسا
دلدار ہوں خاتونِ قیامت کے پسر کا
ٹکڑا ہوں محمدؐ کے کلیجے کے جگر کا

۱۱۵

اے قوم ابھی اٹھارہ برس کا ہے مرا سن
راتیں ہیں جوانی کی مُرادوں کے ہیں یہ دن
ماں باپ کو راحت نہیں اک آن مرے بن
پہ جان کا سرقہ میں کروں یہ نہیں ممکن
کھانے کی نہ پروا ہے نہ پانی کی ہوس ہے
میں وہ ہوں جسے مرگِ جوانی کی ہوس ہے

۱۱۶

فرماکے رجز شیر نے شمشیر علم کی
اور نادِ علیؑ پڑھ کے دمِ تیغ پہ دم کی
تعریف کرے کیا کوئی اس کے چم و خم کی
سیدھی صفتِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
کیا آگ تھی اس شعلۂ پُر قہر کے اندر
چنگاریاں اُڑ اُڑ کے گریں نہر کے اندر

۱۱۷

ڈھالوں کی گھٹا چار طرف چھا گئی گھنگور
تیروں کے برسنے کا ہوا مینھ کی طرح شور
گرجے صفتِ رعد جوانانِ سلح شور
اکبرؑ جو بڑھے شام کے بادل کا گھٹا زور
جاتے ہی وہ شمشیر نہ پھرتی نظر آئی
اک برق سی ہر غول پہ گرتی نظر آئی

۱۱۸
تھا حملۂ اکبرؑ کہ غضبِ حضرتِ باری
اک برقِ جہندہ تھی وہ ردِ کیں کے ناری
ڈو ہو گیا شمشیر جسے شیر نے ماری
ڈھالیں تو شکستہ تھیں وہ تلواریں تھیں عاری
دشمن کو گر اکبرؑ بھی نہ منھ موڑتے تھے وہ
دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوڑتے تھے وہ

۱۱۹
اک معجزۂ موسیِ عمراں تھی وہ شمشیر
بجلی تھی کبھی یاں تو کبھی واں تھی وہ شمشیر
شعلہ تھی کہیں اور کہیں ثعباں تھی وہ شمشیر
گو تھے سرِ کفار تو چوگاں تھی وہ شمشیر
اک حشر کا عالم تھا غضب جنگ ہوئی تھی
افراط سے کشتوں کے زمیں تنگ ہوئی تھی

۱۲۰
تھے فوجِ شقاوت کے برے مضطرب الحال
تھا ہول کے مارے یہ ستمگاروں کا احوال
تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے ڈھال
سوفار اُدھر تیر کا چلّے کی طرف پھال
رخ پھیرتے تھے جو قدر انداز بڑے تھے
چلّوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے

۱۲۱
غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
چلّاتے تھے یہ تیر کہ ہم چلّہ نشیں ہیں
شہزادے ترے خون کے درپے یہ لعیں ہیں
بدکیش و خطاکار ہیں دشمنِ دیں ہیں
کس طرح سے قابوئے زبردست سے نکلیں
بس ہو جو ہمارا تو نہ ہم شست سے نکلیں

۱۲۲
ہر وار پہ اکبرؑ کو صدا دیتے تھے شبیرؑ
ٹکڑے کیے یوں ڈانڈ کے کٹ کٹ گئے بے پیر
شاباش مرے شیر یہ تھی جنگ کی تدبیر
یہ بند نہ کھلتے کبھی جز ناخنِ شمشیر
فردوس میں جنت کا محل ملتا ہے تم کو
کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہے تم کو

۱۲۳
رو رو کے یہ کہتے تھے ابھی سیّدِ ذیجاہ
اک ظلم کی برچھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
اکبرؑ پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ گمراہ
دل تھام کے غازی نے کہا یا اسد اللہ
آلودہ بخوں کھینچ کے جو برچھی کا پھل آیا
کٹ کٹ کے جگر سینے سے باہر نکل آیا

۱۲۴
برچھی کو تو اس شیر نے جلاد سے چھینا
دی باپ کو آواز کہ اے شاہِ مدینا
پر ڈوب گیا خون میں وہ چاند سا سینا
برچھی سے جگر چھد گیا دشوار ہے جینا
اٹھارہ برس آپ کے سایہ میں پلے ہم
جلد آئیے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم

۱۲۵
آوازِ پسر سنتے ہی حالت ہوئی تغییر
برچھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبرؑ دلگیر
چلّا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرتِ شبیرؑ
تھا کون اٹھاتا جو زمیں سے انھیں آکر
اٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے ٹھوکریں کھا کر

۱۲۶
میداں میں جو شہ آئے تو اکبرؑ کو نہ پایا
ڈھونڈھا کیے ہم شکلِ پیمبرؑ کو نہ پایا
لاشوں میں کہیں لاشۂ صفدر کو نہ پایا
غازی کو، بہادر کو، دلاور کو نہ پایا
دریا پہ گئے جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
لیکن نہ کہیں جلوہ گر اس ماہ کو دیکھا

۱۲۷
اعدا سے کہا کیا ہوا یارو مرا پیارا
میدان سے کس سمت مرا شیر پسر ہارا
کس ظالم بے رحم نے اس لعل کو مارا
بتلاؤ سلامت ہے کہ سر تن سے اُتارا
صورت نہ دکھاؤ گے جو اُس تشنہ گلو کی
ندی اسی میداں میں بہادوں گا لہو کی

۱۲۸
یہ کہتے ہی لی میان سے شمشیر شرر بار
اور غیظ میں آیا پسر احمدِ مختار
آئی یہ صدا حیدرِ کرّار کی یک بار
اکبرؑ کا پتا دیتا ہوں میں اے مرے دلدار
صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تر ہے
آغوش میں زہراؑ کے تر انورِ نظر ہے

۱۲۹
ناگاہ نظر پڑ گئی اس نورِ نظر پر
چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اک کوہِ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
بس ہائے پسر کہہ کے گرے لاش پسر پر
چلّائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
ہے ہے یہ پدر جیتا ہے تم مرتے ہو بیٹا

۱۳۰
سمجھا یہ پدر پاؤں رگڑنے کا اشارا
میدانِ شہادت میں قدم آپ نے مارا
جن آنکھوں کو اِن خاک بھرے تلووں پہ وارا
دیکھیں انھیں آنکھوں سے ہم اب کوچ تمہارا
ہاتھوں کو زمیں پر جو پٹکتے ہو اُٹھا کے
کیا ہاتھ نہیں چھوٹتے پنجے سے قضا کے

۱۳۱
لپٹے علی اکبرؑ یہ سخن سُن کے پدر سے
اشک آنکھوں سے جاری ہوئے کی آہ جگر سے
دیکھا شہِ مظلوم کو حسرت کی نظر سے
بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے
چلّائے شہِ دیں کہ سفر کر گئے اکبرؑ
زہراؑ کی صدا آئی کہ ہاں مر گئے اکبرؑ

۱۳۲
خاموش انیسؔ اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
غش ہو گئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار
جانکاہ ہے یہ ماتمِ فرزندِ خوش اطوار
ہے حق بہ طرف رو ئیں اگر سیّدِ ابرار
واحسرت و دردا کہ عجب غنچہ دہاں مُرد
ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد

سلام

سلامی چشم سے رہ رہ کے خونِ دل ٹپکتا ہے
غمِ سجادِ بیکس دل میں کانٹا سا کھٹکتا ہے
سلامی چشم میں، آنسو ہیں، یا دریا چھلکتا ہے
جگر میں داغ ہیں یا کھیت لالے کا لہکتا ہے
دمِ تحریر گُل ریزی ہے یا سطریں ہیں کاغذ پر
صریرِ کلک ہے یا باغ میں بُلبُل چہکتا ہے
پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت
دگر نہ رہبرِ عالم کہیں رستا بھٹکتا ہے
حرم رو کے کہا جب آسماں کو دیکھ کر شہ نے
علی اکبرؑ اذاں دو صبح کا تارا چمکتا ہے
لبا صغرؑ نے شاید میرے بابا جان پیاسے ہیں
گلے میں ساتویں تاریخ سے پانی اٹکتا ہے

زمینِ کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہیں
شہیدوں کی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے

شہِ دیں دیکھتے ہیں شوقِ حُرؑ میں یوں گئے میداں
کہ جیسے کوئی آنے کی کسی کے راہ تکتا ہے

علی اکبرؑ طلب کرتے ہیں رخصت کوئی کیا جانے
لگی ہے ماں کو ہچکی غم سے اور زینبؑ کو سکتا ہے

گلِ زہراؑ کے غم سے نوحہ خواں ہیں بلبلیں ساری
صدا فریاد کی آتی ہے جب غنچہ چٹکتا ہے

تنِ رنجور پر ہاتھ اپنا زینبؑ رکھ نہیں سکتی
تپِ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے

وہاں بٹتا ہے غلہ، قحط ہے یاں آب و دانے کا
اِدھر فاقہ ہے اور کھانا اُدھر لشکر میں پکتا ہے

سکینہؑ نازپرور قید کی آفت کو کیا جانے
یہ عالم ہے قفس میں جس طرح طائر پھڑکتا ہے

کہا بانوؑ نے شہ سے تیر چلتے ہیں کلیجے پر
مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھوں سے تکتا ہے

یہ ننھے ننھے دونوں ہاتھ بل کھاتے ہیں تکیوں پر
سوڑھے ہو گئے ہیں نیلگوں تالو لپکتا ہے

بچا لو واسطہ زہراؑ کا صاحب میرے اصغرؑ کو
نہ بچہ دودھ پیتا ہے نہ اب آنکھیں جھپکتا ہے

صراحی دار یہ گردن ڈھلی جاتی ہے بِن پانی
گلے میں سانس جب رُکتی ہے سر دے دے پٹکتا ہے

وغا میں حضرتِ عباسؑ یوں جاتے تھے دشمن پر
گرسنہ شیر جیسے جانبِ آہو لپکتا ہے

بہو زہراؑ کی کہتی تھی یہی جا جا کے ڈیوڑھی پر
ارے پانی کوئی لا دو مرا بچہ بلکتا ہے

یہ غل تھا شام کے لشکر میں دیکھو شہ کی پیشانی
نشاں سجدے کا ہے یا صبح کا تارا چمکتا ہے

اندھیرے میں جو گھبراتا ہے دم ایامِ گرما میں
ہر اک بچہ درِ زنداں پہ سر دے دے پٹکتا ہے

انیسؔ اللہ تجھ پر سہل کر دے قبر کی منزل
لحد کا دھیان جب آتا ہے کیا کیا دل دھڑکتا ہے

رُباعی

ہے روحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمتریں ثنا خوانوں میں
خورشیدِ فلک فخر سے آ ملتا ہے
دن کو ذرّوں میں شب کو پروانوں میں

مرثیہ

۱

جب دم تحرف اندوزِ شہادت ہوئے عباسؑ
آقا کے قدم چوم کے رخصت ہوئے عباسؑ
غل تھا کہ نثارِ سرِ حضرت ہوئے عباسؑ
جعفرؑ کی طرح داخلِ جنت ہوئے عباسؑ
تصویر جو نظروں سے چھپی شیرِ خدا کی
صدمے سے کمر جھک گئی شاہِ شہدا کی

۲

اکبرؑ سے کہا جانِ پدر ہم نہ جئیں گے
پائیں گے نہ اس داغ کا مرہم نہ جئیں گے
جینے نہیں دیوے گا یہ غم ہم نہ جئیں گے
بیدم ہوئے عباسؑ اب اک دم نہ جئیں گے
بھائی کو نہ بھائی سے جدا کیجیو بیٹا
میری بھی یہیں قبر بنا دیجیو بیٹا

۳

اس وقت ہے سینے میں کلیجہ تہ و بالا
زینت مرے لشکر کی مرے گھر کا اُجالا
اس طرح کا ملتا ہے کوئی چاہنے والا
بھائی بھی وہ بھائی جسے آغوش میں پالا
مرتے ہوئے جس وقت مجھے پیار کیا تھا
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ اس کا دیا تھا

۴

فرمایا تھا اس میری امانت سے خبردار
ہے ہے مرا شیدا مری راحت کا طلبگار
اے لعل کسے ملتا ہے ایسا دُرِ شہوار
دُنیا سے گیا ہائے علمدارِ خوش اطوار
اب خلق میں ترسیں گے زیارت کو علیؑ کی
ہم ہاتھوں سے کھو بیٹھے امانت کو علیؑ کی

۵

یہ قتل ہوئے اور نہ سکینہ کی بجھی پیاس
اس کو یہ توقع تھی کہ اب آتے ہیں عباسؑ
ڈیوڑھی پہ کھڑی نہر کو تکتی ہے بہ صد یاس
سُن پایا تو مر جائے گی وہ بیکس و بے آس
ماتم کا جو حق ہے وہ ادا ہو نہیں سکتا
عباسؑ کو جلا کے بھی میں رو نہیں سکتا

۶

پانی بھی بہا خوں بھی بہا جسم سے سارا
گھوڑے سے گرا خاک پہ ہے ہے مرا پیارا
جب کٹ گئے بازو ہمیں اس وقت پکارا
نیزہ مری چھاتی پہ نہ جلاد نے مارا
اس بھائی پہ قربان نہ ہم ہو گئے ہے ہے
پہلے مرے بازو نہ قلم ہو گئے ہے ہے

۷

اس نے مرے بچوں کے لئے مشک اُٹھائی
افسوس ہے پہلے نہ ہماری اجل آئی
دریا پہ گئی حیدرِ صفدر کی کمائی
ہم جیتے ہیں اور قتل ہوا شیر سا بھائی
عباسؑ کے مرتے ہی اجل پیشِ نظر ہے
بابا کو سنبھالو کہ ہمارا بھی سفر ہے

۸

بچپن سے کبھی منہ مری خدمت سے نہ موڑا
اس عالمِ پیری میں کمر کو مری توڑا
قدموں پہ جھکے گاہ کبھی ہاتھوں کو جوڑا
بتیس برس بعد ہمیں بھائی نے چھوڑا
کھیتی ہوئی پامال لٹا باغ علیؑ کا
تازہ ہوا پھر آج ہمیں داغ علیؑ کا

۹

عاشق تھے برادر کا الم دیکھ نہ سکتے
تیغوں سے مرے ہاتھ قلم دیکھ نہ سکتے
جو دیکھتے ہیں ہم وہ ستم دیکھ نہ سکتے
وہ ہم کو تہِ تیغِ دو دم دیکھ نہ سکتے
کچھ رنج یہ تقدیرِ برادر میں لکھا تھا
یہ داغ ہمارے ہی مقدر میں لکھا تھا

۱۰
کیا کیا نہ مرے امریں کی شمر سے تقریر
تھو بیٹے نثارِ قدمِ حضرتِ شبیرؑ
کس غصے سے کہتے تھے کہ او ظالمِ بے پیر
کیا مال ہے سالاری و سرداری و جاگیر
سالک نے کبھی چھوڑا ہے کہیں راہِ خدا کو
قبلہ سے پھراتا ہے رُخِ قبلہ نما کو

۱۱
عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا
قمری کو بجز سروِ چمن کون ہے پیارا
بلبل کو کبھی گل کی جدائی ہے گوارا
گردن سے کبھی طوقِ غلامی نہ اتارا
سر تن سے جدا ہو یہ نہ جانا نہ جدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

۱۲
کعبے کو کوئی چھوڑ کے جاتا ہے سوئے دیر
دوزخ میں جلے کوئی کہ جنت کی کرے سیر
ہوں قتل تو ہو جائے مرا خاتمہ بالخیر
منصف ہو عزیز اپنے کہاں اور کہاں غیر
کون اور مرا خلق میں بھائی کے سوا ہے
یا حضرتِ شبیرؑ ہیں یا شیرِ خدا ہے

۱۳
اے شمر امامِ ازلی ہے مرا آقا
سید ہے ولی ابنِ ولی ہے مرا آقا
لختِ دلِ زہراؑ و علیؑ ہے مرا آقا
شمعِ حرمِ لم یزلی ہے مرا آقا
منھ قبلۂ ایماں سے بھی موڑا ہے کسی نے
آقا کو بُرے وقت میں چھوڑا ہے کسی نے

۱۴
فرزندِ محمدؐ ہے مرا مالک و مختار
کہہ دیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اک بار
فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں رہوار
گر حکم دغا دیں تو کروں لاکھوں سے تلوار
رستم ہوں تو ان کا ہوں جو صفدر ہوں تو اُنکا
بندہ ہوں تو اُن کا جو برادر ہوں تو ان کا

۱۵
عباسؑ سا دل سوز ہیں پاؤں گا کہاں ہائے
بے دست ہوا حیدرِ صفدرؑ کا نشاں ہائے
یوں مجھ سے چھٹا ہائے مرا مرتبہ داں ہائے
سوتا ہے ترائی میں مرا شیر جواں ہائے
اس زیست سے آجائے اجل کاش ہماری
عباسؑ کے پہلو میں رہے لاش ہماری

۱۶
یہ کہہ کے تڑپتے تھے ادھر سیدِ ابرار
تھا شور کہ دریا پہ ہوا قتل علمدار
اور واں دُہل فتح بجاتے تھے ستمگار
فرزندِ یداللہ کے بازو ہوئے بیکار
اب وہ نہیں جن سے ہمیں اندیشۂ جاں تھا
بس فوجِ حسینی میں یہی ایک جواں تھا

۱۷
اس مرد سے تھی رونقِ گلزارِ شجاعت
دکھلا گیا وہ شیر جو تھے کارِ شجاعت
چہرے سے عیاں ہوتے تھے آثارِ شجاعت
اب سرد ہوئی گرمیٔ بازارِ شجاعت
سب یوں تو بہادر ہیں پہ وہ طور نہیں ہے
ویسا تو اولوالعزم کوئی اور نہیں ہے

۱۸
اب دیر ہے کیا گھیر کے شبیرؑ کو مارو
جو بھاگ گئے ہیں عباسؑ سے اُن کو بھی پکارو
ہاں ابنِ یداللہ کا سر تن سے اُتارو
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہے یارو
عباسؑ کو مارا انھیں بے سر نہیں کرتے
سب کھینچ کے تیغیں یہ ہم سر نہیں کرتے

۱۹
فرزندِ محمدؐ کا گلا کاٹنے جاؤ
ہاں قبر میں خاتونِ قیامت کو رُلاؤ
شمعِ لحدِ شیرِ الٰہی کو بجھاؤ
رو کے گا کوئی تم کو یہ خاطر میں نہ لاؤ
بے یار و مددگار شہنشاہِ اُمم ہیں
ہم شکلِ پیمبرؐ نے پکارا ابھی ہم ہیں

۲۰
بہتر نہیں یہ لاف و گزاف اے سپہِ شام
پوتا ہوں علیؑ کا علی اکبرؑ ہے مرا نام
کٹ جاؤ گے جب وقت چلے گی مری صمصام
تنہا نہیں مخدومِ دو عالم کا گل اندام
اکبرؑ سا ابھی صاحبِ شمشیر ہے باقی
اک شیر ہوا قتل تو اک شیر ہے باقی

۲۱
گھبرا کے لگے دیکھنے منھ بیٹے کا شبیرؑ
بہتر ہے مناسب ہے مرے قتل کی تدبیر
فرمایا کہ کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں بے پیر
رکھ دے گا حسینؑ اپنا گلا خود تہِ شمشیر
اک بھائی مرے ایک جگر سخت الم ہے
عباسؑ کے ماتم میں کسے جان کا غم ہے

۲۲
مظلوم کے فرزند ہو غصّے میں نہ آؤ
یہ مشک و علم لے کے تم اب خیمے میں جاؤ
بابا کے لئے آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
گھر لٹنے نہ دو چادرِ زینبؑ کو بچاؤ
تیغوں سے نہ بابا کو بچانے کو اب آنا
آنا کو مری لاش اُٹھانے کو اب آنا

۲۳
اکبرؑ تمھیں دنیا میں رکھے خالقِ اکبر
زینبؑ نہیں خیمے سے نکلنے کی کھلے سر
تم ہو گے تو بچ جائے گا لٹنے سے مرا گھر
غربت میں ہمیں غسل و کفن ہو گا میسّر
جب شیر سے آؤ گے تو ہٹ جائیں گے اعدا
گھوڑے نہ مری لاش پہ دوڑائیں گے اعدا

۲۴
تھرّا گئے سن کر یہ سخن اکبرِ ذیجاہ
میں آپ پہ دیکھوں ستمِ لشکرِ گمراہ
کی عرض یہ بندے سے نہ فرمائیے یا شاہ
اس دن کو زمانے میں نہ رکھے مجھے اللہ
حضرت کو قسم دیتا ہوں محبوبِ خدا کی
اب مجھ کو رضا دیجئے میدانِ وغا کی

۲۵
کس طرح غلام آپ کو یاں چھوڑ کے گھر جائے
کٹوا کے گلا باپ زمانے سے گذر جائے
بچپن سے جو قدموں سے نہ چھوٹا وہ کدھر جائے
اٹھارہ برس تک جسے پالا ہے وہ مر جائے
بے سر دئے ممکن ہے کہ قدموں سے جدا ہوں
غیر آپ پہ قربان ہوں اور ہم نہ فدا ہوں

۲۶
رخصت کا جو اکبرؑ نے سخن منھ سے نکالا
فق ہو گئے گویا کہ لگا قلب پہ بھالا
صدمے سے ہوا شہؑ کا کلیجہ تہ و بالا
ہاتھوں سے کمر چھوڑ دی اور دل کو سنبھالا
حالت ہوئی تغییر شہنشاہِ زمن کی
کی آہ اک ایسی کہ زمیں ہل گئی رن کی

۲۷
فرمایا تڑپ کر یہ کیا کہتے ہو پیارے
جن سے مجھے قوت تھی وہ دنیا سے سدھارے
کیا تم بھی نہیں رہنے کے اب پاس ہمارے
تبلاؤ یہ مظلوم جئے کس کے سہارے
فرزندِ جواں باپ کی قوت کا سبب ہے
پیری کا عصا ہاتھ سے چھوٹا تو غضب ہے

۲۸

تصویر ید اللہ کو اِن ہاتھوں سے کھویا
وہ قتل ہوا کیا، ہمیں اب مر گئے گویا
جاگا ہوا راتوں کا اب آرام سے سویا
جی بھر کے ابھی بھائی کو اپنے نہیں رویا
اب جاتی ہے تصویر پیمبرؐ مرے گھر سے
بھائی سے جدا ہو کے بچھڑتا ہوں پسر سے

۲۹

اُمّت پہ فدا کر چلے شبّرؑ کے پسر کو
اب بھائی کو روؤں کہ برابر کے پسر کو
گھیرے ہے اجل بانوئے بے پر کے پسر کو
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں حیدرؑ کے پسر کو
مقتل میں مرے قتل کی باری نہیں آئی
سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آئی

۳۰

حضرت کا سخن سن کے دل اکبرؑ کا بھر آیا
آداب سے سر پائے مبارک پہ جھکایا
خونابِ جگر نرگسی آنکھوں سے بہایا
کی عرض کہ حق سر پہ رکھے آپ کا سایہ
خیمے کی طرف فوجِ ستم جاتی ہے بابا
رونے کی سکینہؑ کے صدا آتی ہے بابا

۳۱

ایسا نہ ہو خیمے میں دھنسے لشکرِ ناری
عمّو کی تو داخل ہوئی جنّت میں سواری
ناموس کی عزّت کو رکھے ایزدِ باری
اب تا بہ کجا لاش پہ یہ گریہ و زاری
ایسے نہیں بچھڑے ہیں کہ پھر آن ملیں گے
محشر کے سوا اب نہ چچا جان ملیں گے

۳۲

سنتا ہوں کہ خیمے میں غش آیا ہے پھوپی کو
دکھلائے خدا داغ نہ وارث کا کسی کو
اب چل کے وہیں روئیں گے عباسِ علیؑ کو
عباسؑ کا پُرسا ابھی دینا ہے بچی کو
عمّو کا دم غش میں بھی بھرتی ہے سکینہ
اب دیکھئے بچتی ہے کہ مرتی ہے سکینہؑ

۳۳

آگے ہوئے اکبرؑ علم و مشک کو لے کر
مُڑ مُڑ کے سوئے لاش یہ چلّاتے تھے سرورؑ
اور پکڑے کمر پیچھے چلے سبطِ پیمبرؐ
اللہ کو سونپا ترے لاشے کو برادر
ہم چاک گریباں کئے جاتے ہیں بھائی
اکبرؑ ہمیں خیمے میں لئے جاتے ہیں بھائی

۳۴

تنہا میں تمھیں چھوڑ کے خیمے میں نہ جاتا
خنجر سے گلا میں بھی یہیں اپنا کٹاتا
شرمندہ ہوں بھاوج کو منھ اپنا نہ دکھاتا
روتی ہے سکینہؑ مجھے کچھ بن نہیں آتا
کم حشر کے دن سے یہ تلاطم نہیں بھائی
خیمے میں علم جاتا ہے اور تم نہیں بھائی

۳۵

بتلاؤ سکینہؑ تمھیں پوچھے تو کہوں کیا
خیمے میں جو ہے چاند سا فرزند تمھارا
سمجھاؤں میں کس بی بی کو دوں کس کو دلاسا
کیا اس سے کہوں جب کہے کیا ہو گئے بابا
تم نہر سے کوثر کے کنارے گئے عباسؑ
میں کہہ نہیں سکنے کا کہ مارے گئے عباس

۳۶

ناگاہ صدا حیدرِ صفدرؑ کی یہ آئی
مخدومۂ عالمؑ نے یہ آواز سنائی
میں پاس ہوں بیٹا نہیں تنہا ترا بھائی
موجود ہے یاں احمدِ مختارؐ کی جائی
سایہ تنِ بے دست پہ چادر کا کئے ہوں
میں لاشۂ عباسؑ کو گودی میں لئے ہوں

۳۷
تم جاؤ کہ زینبؑ نہ کھلے سر نکل آئے
عباسؑ کے فرزند کو چھاتی سے لگائے
مارا گیا بھائی صفِ ماتم کو بچھائے
بیوہ ہوئی بھاوج اسے رانڈ سالہ نہائے
اس بن میں وہ لوٹی گئی غم کھاتی ہوں میں بھی
پُرسا اُسے دینے کے لئے آئی ہوں میں بھی

۳۸
مادر کی صدا سن کے چلے خیمے کو سرور
غل پڑ گیا لو مشک و علم لاتے ہیں اکبرؑ
یاں جمع تھے ڈیوڑھی پہ حرم کھولے ہوئے سر
زینبؑ نے کہا کیا نہیں عباسؑ دلاور
فضہ نے کہا ہاں وہ خوش اطوار نہیں ہے
سردار تو آتا ہے علمدار نہیں ہے

۳۹
زینبؑ نے کہا دیکھ تو ہے بھائی کا کیا حال
صدمے سے کمر خم ہے اور آنکھوں پہ ہے رومال
وہ بولی کہ ہے خاک بسر فاطمہ کا لال
چلاتے ہیں افسوس علمدارِ خوش اقبال
گرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا شہِ دیں سے
اکبرؑ جو اٹھاتے ہیں تو اُٹھتے ہیں زمیں سے

۴۰
فضہ سے یہ سننا تھا کہ بس پڑ گیا ماتم
عباسؑ علمدار کی زوجہ میں نہ تھا دم
سر پیٹتی خیمے میں گئی زینبؑ پُرغم
سب بیبیاں حلقے میں لئے تھیں اسے باہم
وہ کہتی تھی وارث مرا کام آیا ہے لوگو
میں مجھی رنڈاپے کا پیام آیا ہے لوگو

۴۱
روتے ہوئے اتنے میں امامِ اُمم آئے
زینبؑ سے کہا لو بہن اسبابِ غم آئے
پیچھے علی اکبرؑ لئے مشک و علم آئے
لشکر کی جو رونق تھی اسے کھو کے ہم آئے
پہونچا لبِ کوثر تو علمدار ہمارا
دنیا میں نہیں کوئی بھی غمخوار ہمارا

۴۲
گاڑا جو علم صحن میں غم چھا گیا سب پر
دامانِ علم خونِ علمدار سے تھا تر
سب بیبیوں نے زیرِ علم کھول دیے سر
اک شور پڑا ہائے علمدارِ دلاور
سر پیٹ کے ہاتھوں کو ملتی تھی سکینہؑ
تیروں سے چھدی مشک کو تکتی تھی سکینہؑ

۴۳
صدمہ تھا عجب بیبیوں کی جانِ حزیں پر
جب خون پھریرے سے ٹپکتا تھا زمیں پر
چھائی تھی اُداسی علمِ سرورِ دیں پر
گرتا تھا فلک غم کا شہِ عرش نشیں پر
پھاڑا تھا گریباں جو شہنشاہِ اُمم نے
ماتم کے لئے ہاتھ نکالا تھا علم نے

۴۴
ہلتا تھا ہوا سے کبھی دامن کبھی پرچم
چلاتی تھی یوں زوجۂ عباسؑ بصد غم
عباسؑ کی بو اُس سے چلی آتی تھی باہم
ہے ہے مرے والی مرے مونس مرے ہمدم
صورت بھی سکینہؑ کو دکھاتے نہیں صاحب
گھر میں علم آیا ہے تم آتے نہیں صاحب

۴۵
کیا خوش تھے کہ ہاتھ آئی علمداریِ سرور
صاحب مرے آقا پہ تصدق ہے مرا سر
کہتے تھے یہ آنکھوں سے پھریرے کو لگا کر
بھائی نے مجھے آج کیا ثانیِ جعفر
ہے ہے شہِ والا کی کمر توڑ گئے تم
جنت میں سدھارے یہ علم چھوڑ گئے تم

۴۶
گھبرا گیا غل سن کے یہ عباسؑ کا دلبر
گردن میں تو تھیں ہنسلیاں اور کانوں میں گوہر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینے میں تھرتھر
اس بھیڑ میں بابا کو لگا ڈھونڈھنے آ کر
کہتا تھا کدھر مجھ سے نہاں ہیں مرے بابا
اماں کسے روتی ہو کہاں ہیں مرے بابا

۴۷
کہتی ہیں پھوپی کس کو کہ ہے ہے مرے بھائی
بیکس ہے کوئی لاش ہے جس کی نہیں آئی
حضرت تو سلامت ہیں ہوئی کس سے جدائی
دریا پہ تو بابا نے بڑی دیر لگائی
بیتاب ہے دل سینے میں گھبراتے ہیں اماں
بابا کی خبر لینے کو ہم جاتے ہیں اماں

۴۸
تنہا یہ ہزاروں کی چڑھائی نہ ہوئی ہو
برباد ید اللہ کی کمائی نہ ہوئی ہو
دریا پہ کہیں اُن سے لڑائی نہ ہوئی ہو
بابا کے سر و تن میں جدائی نہ ہوئی ہو
کیوں لا کے علم صحن میں گاڑا ہے چچا نے
کیوں اپنے گریبان کو پھاڑا ہے چچا نے

۴۹
ماں بولی کہ تم کس لئے گھبراتے ہو واری
وہ کہتا تھا کیوں کر نہ کریں گریہ و زاری
عباسؑ کی میداں سے اب آئے گی سواری
اب تن سے نکل جانے کو ہے جان ہماری
تنہا کبھی گھر میں شہ والا نہیں آئے
یہ کیا کہ علم آیا ہے بابا نہیں آئے

۵۰
کاندھے پہ جسے رکھ کے گئے تھے مرے بابا
بو آتی ہے بابا کی تڑپتا ہے کلیجا
اماں یہ وہی ہے علم سیّد والا
بتلاؤ تو یہ مشک سکینہؑ کی نہیں کیا
گر اُن پہ نہیں تیر چلے فوج عدو سے
یہ سبز علم سرخ ہوا کس کے لہو سے

۵۱
یہ سنتے ہی سب بیبیوں نے شور مچایا
اور پھاڑ کے کرتے کا گریباں یہ سنایا
زینبؑ نے اُسے زیر علم لا کے بٹھایا
عریاں کرو سر کو کہ اُٹھا باپ کا سایا
بیٹھو کہ علمدار سفر کر گیا بیٹا
ماں رانڈ ہوئی باپ ترا مر گیا بیٹا

۵۲
سر پیٹ کے ہاتھوں سے وہ معصوم پکارا
اب آس رکھیں کس کی رہا کون ہمارا
فریاد ہے اعدا نے مرے باپ کو مارا
جو پالنے والا تھا وہ دنیا سے سدھارا
اب بیکسی و غم کی گھٹا چھا گئی ہم پر
بچپن میں یتیمی کی بلا آ گئی ہم پر

۵۳
بیجاں مرے بابا ہوئے واحسرت و دردا
ہم میں سے پدر کیا ہوئے واحسرت و دردا
بن بھائی کے آقا ہوئے واحسرت و دردا
ہم بیکس و تنہا ہوئے واحسرت و دردا
رونے کو نہ ہوگا تن صد پاش پہ کوئی
چل کر ہمیں قربان کرے لاش پہ کوئی

۵۴
عمو تو مرے باپ کا لاشہ بھی نہ لائے
دریا کی ترائی کی کوئی راہ بتائے
وہ چاند سی تصویر ہمیں کوئی دکھائے
لاشے پہ پدر کے یہ پسر رونے کو جائے
تربت میں اکیلے تو نہ گھبراویں گے بابا
جلتی ہوئی ریتی پہ پڑے ہوویں گے بابا

۵۵
معصوم کے اس بین سے برپا ہوا کہرام
اب صبر کرو صبر، یہ ہے صبر کا ہنگام
یوں کہنے لگے بیبیوں سے اکبرِ گلفام
درپیش ہمیں بھی ہے شہادت کا سرانجام
پرسا مرا دے کر شہِ ابرار کو رونا
اب ساتھ ہمیں اور علمدار کو رونا

۵۶
گھبرا گئے یہ بانوئے دل افگار پکاری
اکبرؑ نے کہا جان نہیں باپ سے پیاری
اماں نہیں جینے کی یہ کیا کہتے ہو واری
اب قطع کریں آپ محبت کو ہماری
روکو گی اگر ہم کو تو لٹ جاؤ گی اماں
زہراؑ کے جگر بند سے چھٹ جاؤ گی اماں

۵۷
ہے سبطِ پیمبرؐ پہ عجب صدمۂ جانکاہ
منت سے کرو عرض کہ اے ابنِ ید اللہ
خود لے کے چلو مجھ کو حضورِ شہِ ذی جاہ
بھیجو علی اکبرؑ کو میانِ صفِ جنگ گاہ
یاں صبح سے خاتونِ جناں روتی ہے اماں
اولاد اسی دن کے لئے ہوتی ہے اماں

۵۸
بانوؑ نے کہا مجھ کو نہ سمجھاؤ، بلا لوں
کھوؤں اسے اٹھارہ برس تک جسے پالوں
کیوں کر تری رخصت کا سخن منہ سے نکالوں
میں دل کو سنبھالوں کہ کلیجے کو سنبھالوں
ٹھہرو کہ دم اکھڑا ہوا سینے میں ٹھہر جائے
ایسی نہ کرو بات کہ مادر ابھی مر جائے

۵۹
ممکن ہے کوئی دولتِ اولاد کو کھوئے
اکبرؑ نے کہا حشر بپا خیمے میں ہوئے
ماں جیتی رہے اور پسر قبر میں سوئے
تم روؤ نہ بیٹے کے لئے فاطمہ روئے
پر دل میں جو ٹھانی ہے وہ کر جائیں گے ہم بھی
بابا نہیں جینے کے تو مر جائیں گے ہم بھی

۶۰
روکا جو ہمیں سیدِ اکرم کو بھی روکو
لختِ دلِ مخدومۂ عالم کو بھی روکو
زاری نہ کرو دیدۂ پرنم کو بھی روکو
بابا کو اگر روک سکو ہم کو بھی روکو
یہ کہہ کے گرا قدموں پہ ہم شکلِ پیمبرؐ
مادر نے کہا خیر سدھارو علی اکبرؑ

۶۱
خوش ہو کے چلا خیمے سے بانو کا وہ دلدار
اعدا سے کہا جا کے کہ اے فرقۂ اشرار
سب رہ گئے روتے حرمِ سیدِ ابرار
بابا مرے شبیرؑ ہیں کونین کے مختار
جوہر ہیں جو ان میں وہ زمانے پہ عیاں ہیں
تیغ ان پہ نہ کھینچو کہ یہ خود سیفِ زباں ہیں

۶۲
آفاق میں ہوتے نہ اگر پنجتنِ پاک
کس شخص کے نانا کا لقب ہے شہِ لولاک
فرماتا ہے خالق نہ زمیں ہوتی نہ افلاک
جب نورِ خدا اٹھ گیا پھر کیا ہے بجز خاک
اللہ و محمدؐ کے جو پیارے ہیں تو یہ ہیں
بالائے زمیں عرش کے تارے ہیں تو یہ ہیں

۶۳
سب خلق پہ احساں ہیں شہِ عرش نشیں کے
تلوار سے پر کاٹے ہیں جبریلِ امیں کے
ماحی ہیں یہی کفر کے، بانی یہی دیں کے
چاہیں تو الٹ دیں ابھی طبقوں کو زمیں کے
بچپن سے ہیں اللہ کی سرکار کے مالک
کونین کے مختار ہیں تلوار کے مالک

۶۴

وہ کون تھا شمشیر جسے عرش سے آئی
پھر کس سے ہوئی خیبر و خندق کی لڑائی
کفار کے لشکر پہ ظفر کس نے ہے پائی
کس شخص نے ہے کفر کی بنیاد مٹائی
رائج ہوا دیں کس شہِ ذی جاہ کے گھر سے
بُت کس نے نکلوا دیے اللہ کے گھر سے

۶۵

اصنام پرستی کو زبوں کر دیا جس نے
اسلام کے رتبہ کو فزوں کر دیا کس نے
سرِ لات و عزیٰ کا نگوں کر دیا کس نے
خیبروں کا جگر خوف سے خوں کر دیا کس نے
باطل سے سوا حق کا کہو نام کہاں تھا
یہ دین یہ آئین یہ اسلام کہاں تھا

۶۶

یہ فیض اسی گھر سے ہوا خلق میں جاری
نازل نہ کہیں ہو غضبِ ایزدِ باری
لازم ہے عداوت تمھیں یا شکر گزاری
چلتی ہے تو رکتی نہیں تلوار ہماری
ہم وہ ہیں کہ تنہا ہی ہزاروں سے لڑے ہیں
یہ صبر کے جوہر ہیں کہ خاموش کھڑے ہیں

۶۷

سُن کر یہ سخن کہنے لگے ظلم کے بانی
بابا کے لیے کھوتے ہو کیوں اپنی جوانی
مشہور ہے تم لوگوں کی اعجاز بیانی
تم پی لو یہ ہم دیں گے دمِ شمشیر کو پانی
پانی نہ تمھیں دیں تو بڑی بے ادبی ہو
آتا ہے ہمیں رحم کہ ہم شکلِ نبی ہو

۶۸

اعدا سے یہ سُن کر وہ دلاور ہوا برہم
بابا کو تو پانی نہ ملے اور پئیں ہم
فرمایا کدھر دھیان ہے اے فرقۂ اظلم
اکبر کی جوانی ہے نثارِ شہِ عالم
حضرت سے کبھی جان کو پیارا نہ کروں گا
جینے کے لیے ننگ گوارا نہ کروں گا

۶۹

لو میان سے لیتا ہوں میں تلوار خبردار
عرصہ نہیں، چلتا ہے مرا وار خبردار
اب گرتی ہے یہ برقِ شرربار خبردار
آیا میں خبردار! خبردار! خبردار
ان بازوؤں میں زور ہے خیبر شکنی کا
روکے مجھے دعویٰ ہو جسے تیغ زنی کا

۷۰

لشکر کی صفیں آ کے نقیبوں نے جمائیں
اس طرح نہ سطریں بھی صفحے میں سمائیں
دریائے بلا خیز کی موجیں نظر آئیں
تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سایہ کو جا گہ نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں پہ جبیں تھیں

۷۱

یوں ناریوں سے گرم ہوا قتل کا میداں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجرِ براں
ملبوسِ بدن پھینک کے تیغیں ہوئیں عریاں
اور صورتِ اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اٹھتا تھا دھواں یہ کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

۷۲

اطباقِ فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے
خاروں کو جو کاوش تھی ید اللہ کے گل سے
تھراتا تھا دل رعد کا آوازِ دہل سے
برگشتہ تھے ہم شکلِ شہنشاہِ رسل سے
ہر صف سے چلے تیرِ ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

٧٣

بڑھ بڑھ کے ستمگاروں نے بھالوں کو سنبھالا
اور قبضے پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
تلوار کو اکبرؑ نے کمر سے جو نکالا
وحشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
غصے میں جو ابنِ خلفِ شاہِ نجف تھا
العظمۃ للہ کا غل چار طرف تھا

٧٤

لشکر میں در آئے علی اکبرؑ صفتِ شیر
بجلی سی چلی شام کے بادل پہ جو شمشیر
بے سر ہوئے سردار زبردست ہوئے زیر
لاشوں کے چپ و راس نظر آنے لگے ڈھیر
جیدہ جو بہادر تھے وہ بیدم ہوئے دم میں
دس بیس صفیں بجھ گئیں میدانِ ستم میں

٧٥

یوں تیغ نے سرداروں کے تن سے اُتارے
جس طرح اُڑیں شعلۂ آتش کے شرارے
تلوار تھی یا برق کے انداز تھے سارے
اک ضرب سے مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
قبضہ میں اسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
آئی وہ ادھر کو تو ادھر جان ہوا تھی

٧٦

ایک ایک قدم سر پہ سر اور لاش پہ تھی لاش
ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
ٹھہرے نہ قدم اُن کے جو تھے بر سرِ پرخاش
یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
مند جاتی تھیں آنکھیں جو چمک جاتی تھی تلوار

٧٧

حلقے میں اگر لے کے کمانداروں نے گھیرا
رُخ واں سے جگر گوشۂ سرور نے نہ پھیرا
فرمایا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
مقتل میں ہوا ابر کی ڈھالوں سے اندھیرا
مہلت نہ کسی کو ملی اس برقِ اجل سے
ہر شاخ کماں قطع ہوئی تیغ کے پھل سے

٧٨

بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا
تھا سایۂ زلفِ علی اکبرؑ اسے کوڑا
سر کٹ کے گرا جس کا اسے ٹاپ سے توڑا
ماتھے پہ لگے تیر پہ منھ اس نے نہ موڑا
اُڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
معلوم ہوا کبکِ دری کوہ سے نکلا

٧٩

یہ صف ہوئی پامال تو اس صف میں در آیا
طاؤسِ خیال اس سے نہ سرعت میں بر آیا
یاں سے جو گیا واں تو اُدھر سے اِدھر آیا
نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
اُڑنے میں مہک گل کی تنِ صاف سے آئی
ہر غول میں غل تھا کہ پری قاف سے آئی

٨٠

کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت
اڑنے میں نظر آئی جدھر تیروں کی کثرت
ہو نیچا وہیں وہ شیرِ نیستانِ شجاعت
تلوار میں تھی برقِ جہاں سوز کی خصلت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی

٨١

اس صف سے کمانداروں پہ آیا جو پلٹ کر
چلّوں کو جفا کیش لگے کھینچنے ہٹ کر
صفدر نے کیا وار جو گھوڑے کو ڈپٹ کر
نیزوں کی طرح تیر قلم بن گئے کٹ کر
کچھ ہو نہ سکا جنگ میں ناوک فگنوں سے
قبضوں سے کمانیں تھیں جدا ہاتھ تنوں سے

۸۲

ہر سو صفتِ برقِ اجل جاتی تھی تلوار
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تلوار
گہ سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار
ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے نہ کم تھا
میدان ستم آگ کے دریا سے نہ کم تھا

۸۳

اُس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دو پارا
غل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا
اور بچ گیا جو اس کو ملی عمر دوبارا
صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
عالم کے ڈبو دینے کا سامان کیا ہے
آب دمِ شمشیر نے طوفان کیا ہے

۸۴

اکثر جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے
رعب ان پہ یہ چھایا تھا بہادر جو بڑے تھے
جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
زندہ تھے مگر فوج کے مُردوں میں پڑے تھے
بازارِ سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی
نیزہ کہیں، خنجر کہیں، تلوار کہیں تھی

۸۵

دہشت سے نگوں تھے علمِ لشکرِ بے پیر
منہ موڑ کے عاری ہوئی ہر شام کی شمشیر
تھا ہاتھ میں نیزوں کے بھی رعشہ صفتِ پیر
گوشوں میں کمیں نیزے تھے ترکش میں کہیں تیر
تیغیں کہیں ہنگامِ زد و کشت نہاں تھیں
ڈھالیں بھی سواروں کی پسِ پشت نہاں تھیں

۸۶

پہونچی جو چمک کر کسی ظالم کی سپر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اس کو خبر تک
بجلی سی سپر سے وہ گئی کاسۂ سر تک
یہ سر سے گئی سینے پہ سینے سے کمر تک
کاٹی کمر اس طرح سے دو کر کے زرہ کو
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو

۸۷

صف برچھیوں والوں کی لبِ نہر کھڑی تھی
سر کھولے ہوئے ڈیوڑھی پہ ماں عش میں پڑی تھی
چلتی تھی اِدھر تیغ اُدھر آنکھ لڑی تھی
فریاد کا تھا شور قیامت کی گھڑی تھی
یہ دردِ جگر تھا کہ نہ اُٹھ سکتے تھے شبیرؑ
دل تھامے ہوئے رن کی طرف تکتے تھے شبیرؑ

۸۸

چلّاتی تھی زینبؑ کہ مرا لعل کدھر ہے
دو روز کے فاقے سے ہے اور تشنہ جگر ہے
لوگو علی اکبرؑ کی کسی کو بھی خبر ہے
اعدا میں کہیں گھر نہ گیا ہو مجھے ڈر ہے
بچے پہ مرے لشکرِ کیں ٹوٹ پڑے گا
اس دھوپ میں کب تک وہ ہزاروں سے لڑے گا

۸۹

نکلا ہے دمِ صبح سے دن ڈھل گیا ہے ہے
مظلوم پہ کیا وار کوئی چل گیا ہے ہے
وقت اس کے تو آرام کا بھی ٹل گیا ہے ہے
اب کھینچتی ہوں آہ جگر جل گیا ہے ہے
بکھرائے ہوئے بال چلی جاؤں گی رن کو
میں اس کے عوض تیر و سناں کھاؤں گی تن پر

۹۰

زینبؑ کی صدا سن کے اُٹھی بانوئے ناشاد
چلتے ہیں مرے لعل پہ کیا نیزۂ بیداد
چلّائی ارے بیبیو کیسی ہے یہ فریاد
گھر کس کا لٹا کس کی کمائی ہوئی برباد
کیوں خاک پہ زینبؑ نے ردا پھینکی ہے سر سے
میں ساتھ چلوں گی جو نکلتی ہیں وہ گھر سے

۹۱

وہ غم سے جو مضطر ہیں تو گھبرائی ہوں میں بھی
وہ درد رسیدہ ہیں تو دکھ پائی ہوں میں بھی
اکبرؑ کی وہ عاشق ہیں تو شیدائی ہوں میں بھی
فرزند تو ان کا ہے تو گردائی ہوں میں بھی
جس چیز پہ ہٹ کی ہے وہی لے کے ٹلے ہیں
چھاتی پہ مری سوئے ہیں گودی میں پلے ہیں

۹۲

دیکھا یہ تلاطم تو پکارے شہِ والا
ہم نے بھی تو ہے اپنے کلیجے کو سنبھالا
بانو ابھی لڑتا ہے ترا گیسوؤں والا
آزردہ وہ ہوگا جو قدم گھر سے نکالا
میداں میں سواروں سے تو لا بھڑ کے پھرے ہیں
سنتا ہوں کہ اب برچھیوں والوں میں گھرے ہیں

۹۳

اتنے میں بجا طبل پکارے ستم آرا
یہ سنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط کا یارا
لو احمدِ مختار کے ہم شکل کو مارا
سرپیٹ کے چلّائے کہ ہے ہے مرا پیارا
دوڑے یہ نہ میدان نہ ڈیرا نظر آیا
دن تھا مگر اُس وقت اندھیرا نظر آیا

۹۴

سیماب سا سینے میں تڑپنے جو لگا دل
تھک کر کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے شہِ عادل
گر گر کے کئی بار اُٹھے صورتِ بسمل
برچھی تو لگی لعل کے خود ہوگئے گھائل
تھرّاتے ہوئے زخمیوں کی چال سے پہونچے
لاشِ علی اکبرؑ پہ عجب حال سے پہونچے

۹۵

دو بیبیاں خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
چلّاتی تھیں سرپیٹ کے ہاتھوں سے برابر
بکھرے ہوئے تھے بال نہ برقع تھا نہ چادر
ہے ہے علی اکبرؑ! علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اک چاک گریبان تو اک خاک بسر تھی
شہ کو خبر اُن کی نہ انھیں شہ کی خبر تھی

۹۶

اک کہتی تھی صدقے ترے اے گیسوؤں والے
جینے کے جوانی میں تمھیں پڑ گئے لالے
اک کہتی تھی قربان مری گود کے پالے
ٹھہرو کہ یہ ماں چھاتی سے برچھی کو نکالے
ہے ہے یہ قبا خون میں سب بھر گئی بیٹا
تم زخمی ہوئے کیا کہ پھوپی مر گئی بیٹا

۹۷

تھا تیری دُلہن لانے کا اکبرؑ مجھے ارماں
واری تری اس چاند سی چھاتی کے میں قرباں
تقدیر نے بے آس کیا مجھ کو مری جاں
سہرا ابھی نہ باندھا کہ ہوئے خون میں غلطاں
لاشے پہ ترے اشکوں سے منھ دھونے کو آئی
تم مجھ کو نہ رو لے میں تمھیں رونے کو آئی

۹۸

تم مر گئے میں مر نہ گئی ساتھ تمہارے
تم بھی نہ رہے عون و محمدؑ بھی سدھارے
ہے ہے مرے دلبر مرے جانی مرے پیارے
اب کون اُٹھا لے گا جنازے کو ہمارے
آرام بہت کم مری قسمت میں لکھا تھا
پیری میں یہ ماتم مری قسمت میں لکھا تھا

۹۹

مل کر کفِ افسوس پکارے شہِ عالم
بانو نے کہا رو کے یہ ایسا نہیں ماتم
کیوں گھر سے نکل آئیں تم اے زینبؑ پُرغم
برچھی تو لگی لعل کو پردے میں رہیں ہم
ملنے کو نہ ہم شکلِ پیمبرؐ سے نکلتے
دم تن سے نکلتا تو نہ ہم گھر سے نکلتے

۱۰۰
ہے ہے مری بستی ہوئی تاراج لٹا گھر
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہووے گی مادر
یہ جیتے تو میں گھر سے نکل سکتی تھی باہر
بیٹھوں گی میں جس بن میں رہیں گے علی اکبرؑ
سنسان مکان ان کا نظر آئے نہ مجھ کو
اب گھر میں کوئی پھیر کے لے جائے نہ مجھ کو

۱۰۱
زینبؑ نے کہا مجھ کو خبر کچھ نہیں یا شاہ
پہلو میں یہ کس بی بی کا ہے نالۂ جانکاہ
کب نکلی ہوں کون آیا ہے گھر سے مرے ہمراہ
جیتے ہیں کہ دنیا سے گئے اکبرؑ ذیجاہ
سمجھاتے ہیں کیا اب کہ سنائی نہیں دیتا
لاشہ مجھے اکبرؑ کا دکھائی نہیں دیتا

۱۰۲
بانوؑ سے کہا شاہ نے آنسو نہ بہاؤ
لو میری عبا اوڑھ کے چہرے کو چھپاؤ
مرجائے گی اب خاک سے زینبؑ کو اُٹھاؤ
تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں جاؤ
لاتا ہوں میں اس صاحب اقبال کا لاشا
رکھ سکتا ہے یاں کوئی مرے لال کا لاشا

۱۰۳
وہ گھر میں چلیں حکمِ شہ جنّ و بشر سے
ہم شکلِ نبیؐ کھینچ کے اک آہ جگر سے
لپٹے شہ دیں گر کے اُدھر لاش پسر سے
جنت کو روانہ ہوئے آغوشِ پدر سے
چھاتی سے لگا کر پسر ماہ جبیں کو
اس درد سے رولے کہ غش آیا شہ دیں کو

۱۰۴
خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہے زمانا
پہونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
ہے ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رُباعی

بے جا ہر کوشش و طلب کو پایا
اپنی اپنی غرض کا سب کو پایا
مطلوب ملا ابنِ ابی طالب سے
جب شاہِ عرب ملے تو رب کو پایا

مرثیہ

شیریں سخنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر
گل پیرہنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر
غنچہ دہنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر
نازک بدنی ختم تھی ہم شکلِ نبیؐ پر
آغوش میں خورشیدِ امامت کے پلے تھے
سب عضوِ بدن نور کے سانچے میں ڈھلے تھے

۲

تھا رشکِ مہِ چاردہم حسن کا پرتو
تھیں ایک سراپا میں بھری خوبیاں تو تو
نہ طور میں یہ نور نہ خورشید میں یہ ضو
کُترا تھا تراشے ہوئے ناخن سے مہِ نو
اس حسن پہ جنے نہ کوئی ماہ کو دیکھا
دیکھا جو اسے قدرتِ اللہ کو دیکھا

۳

تھا فخرِ حسینانِ جہاں یوسفِ شبیرؑ
کیا خُلقِ حسنؑ رکھتا تھا وہ صاحبِ توقیر
صانع نے بنائی تھی فقط نور کی تصویر
جھڑتے تھے عجب پھول دہن سے دمِ تقریر
آواز سے جان آتی تھی مُردوں کے بدن میں
اعجازِ مسیحائی تھا ایک ایک سخن میں

۴

آئینۂ رخ آئینۂ روئے محمدؐ
اجلالِ علیؑ خُلقِ حسنؑ خوئے محمدؐ
اور گیسوؤں میں نکہتِ گیسوئے محمدؐ
آتی تھی تنِ پاک سے خوشبوئے محمدؐ
تنہا نہ تھا حسنِ شہِ لولاک کا جلوہ
اس نور میں تھا پنجتنِ پاک کا جلوہ

۵

تھا صورتِ محبوبِ خدا خلق میں ممتاز
لہجہ بھی وہی اور وہی لب اور وہی انداز
قامت وہی موزوں وہی رفتار کا انداز
تقریر وہ تقریر کہ ہو شہرۂ اعجاز
عالم کو یقیں سیدِ لولاک کا ہوتا
سایہ جو زمیں پر نہ تنِ پاک کا ہوتا

۶

گردن وہ کہ آئینۂ مہتاب سے شفاف
ہاتھ ایسے کہ آنکھوں پہ رکھیں صاحبِ انصاف
شانے وہ کہ دشوار ہے جن شانوں کا اوصاف
سینہ تھا کہ اک تختۂ بلور تھا تا ناف
یہ شور سدا رہتا تھا مشتاقوں کی صف میں
ہے بوئے کربلا ہے یا دُرِّ نجف میں

۷

قد غیرتِ شمشاد ہے رخ رشکِ چمن ہے
گویا ثمرِ نخلِ بدن سیبِ ذقن ہے
غنچہ ہے جہاں سر بہ گریباں وہ دہن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
کس شے میں ہے خوشبوئے رخ و کاکُل سے زیادہ
وہ گُل سے زیادہ ہے یہ سنبل سے زیادہ

۸

جب گھر سے نکلتا تھا وہ شبیرؑ کا دلدار
روز آتے تھے کوسوں سے زیارت کے طلبگار
ہو جاتی تھی ایک ایک گلی مصر کا بازار
ایک ایک سے آپس میں یہی کرتا تھا گفتار
جس نے کہ نہ دیکھا ہو جوانی میں نبیؐ کو
وہ دیکھ لے ہم شکلِ رسولِ عربیؐ کو

۹

جس روز سے پیدا ہوا وہ گیسوؤں والا
فرماتے تھے منہ چوم کے ہر دم شہِ والا
مادر کی طرح باپ نے آغوش میں پالا
ہم شکلِ پیمبرؐ ہے مرے گھر کا اُجالا
کیوں کر نہ فدا ہوں کہ یہ سایہ ہے نبیؐ کا
اس ماہ نے دیدار دکھایا ہے نبیؐ کا

۱۰
اودھل کبھی آنکھوں سے نہ کرتے تھے پسر کو
تسلیم کو جھکتا تھا وہ نہوڑا کے جو سر کو
اکبر ہی کا منہ دیکھ کے اُٹھتے تھے سحر کو
کہتے تھے لگا چھاتی سے اس رشکِ قمر کو
اس چہرے کے اس زلفِ گرہ گیر کے صدقے
فرزندِ پیمبر تری تصویر کے صدقے

۱۱
اکبر کو بھی تھا باپ سے اک عشق کا عالم
یہ عرض تھی جاتے جو کہیں سیدِ اکرم
بے سبطِ نبیؐ چین نہ آتا تھا کوئی دم
یا شاہ ٹھہر جاؤ تو ہمراہ چلیں ہم
خوفِ نظرِ بد سے نہ لے جاتے تھے حضرت
چھپ کر علی اکبر سے چلے جاتے تھے حضرت

۱۲
اُٹھتے جو نمازِ سحری پڑھنے کو سرور
جاتے جو سوئے روضۂ پرنور پیمبر
اٹھ بیٹھتے تھے ساتھ پدر کے علی اکبر
پکڑے ہوئے انگلی یہ چلے جاتے تھے باہر
سب کہتے تھے شانِ قمر و مہر کو دیکھو
لوگوں کو قرانِ قمر و مہر کو دیکھو

۱۳
عمامہ وہ چھوٹا سا، وہ گیسو، وہ رُخِ پاک
دیکھے سے جسے ہوئے قمر شکلِ کتاں چاک
چھوٹی سی عبا، نور کا تن، نور کی پوشاک
تکمے سے گریباں کے خجل اخترِ افلاک
اک اوس سی پڑ جاتی تھی گلہائے چمن پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ اسی تن پر

۱۴
فرزندوں سے مادر کی محبت تو ہے مشہور
زینت وہی گھر کی تھی وہی آنکھوں کا تھا نور
بانو نے کبھی آنکھ سے اک پل نہ کیا دور
ماں کو وہی منظور تھا جو تھا اسے منظور
خوش دیکھ کے چھاتی سے لگا لیتی تھی بانو
روتا تھا جو فرزند تو رو دیتی تھی بانو

۱۵
زلف و رخِ اکبر پہ نظر تھی سحر و شام
بانو کے تنِ پاک کی جاں تھا وہ گل اندام
اس لعل کی خدمت کے سوا اور نہ تھا کام
ماں رہتی تھی بیدار پسر کرتا تھا آرام
نظروں سے چھپے گر نہ رہی جان بدن میں
جب آ گئے باہر سے تو جان آ گئی تن میں

۱۶
گہ شانہ کیا زلفوں میں سر زانوں پہ دھر کے
منہ رکھتی تھی منہ پر کبھی اس رشکِ قمر کے
سرمہ کبھی آنکھوں میں دیا نورِ نظر کے
پروانہ سی پھرتی تھی کبھی گرد پسر کے
بوئے تنِ ہم شکلِ نبیؐ بھاتی تھی اس کو
منہ رکھتی تھی سینے پہ تو نیند آتی تھی اس کو

۱۷
بے دل نہ ہوا اکبر ہی رہتا تھا اسے دھیان
پہلے ہی مہیا کیا تھا بیاہ کا سامان
جب کہتے یہ اماں تو وہ کہتی تھی میں قربان
کہتی تھی وہ جب بیبیاں کچھ آتی تھیں مہمان
ٹھہراؤ کہیں بیاہ مرے رشکِ چمن کا
سہرا ہے یہ اکبر کا یہ جوڑا ہے دلہن کا

۱۸
کیوں صاحبو بیٹا ہے مرا چودھویں کا ماہ
اب نامِ خدا بیاہ کے قابل ہے یہ ذی جاہ
وہ دن ہو کہ اللہ بنائے اسے نوشاہ
جیسا ہے یہ ایسی ہی دلہن دے اسے اللہ
جلدی کہیں حاصل مری اُمید ہو یا رب
اس گھر میں قرانِ مہ و خورشید ہو یا رب

۱۹
یہ نذر ہے جس روز دلہن بیاہ کے لاؤں
اور گرد دلہن دولہا کو روشنے کے پھراؤں
مرقد پہ محمدؐ کے میں لے کر اسے جاؤں
پھر گھر میں بڑی دھوم سے لیکر اسے آؤں
ہو ساتھ سواری کے ہجوم اہلِ وطن کا
آگے میں ہوں اور پیچھے محافہ ہو دلہن کا

۲۰
سنتے تھے جو یہ بانوئے آفاق کی تقریر
رونے کا سبب پوچھتی گر ان کے ہمشیر
منہ پھیر کے رو دیتے تھے تب حضرتِ شبیرؑ
فرماتے تھے جو چاہے کرے مالکِ تقدیر
بہتر ہے جو اللہ کو منظورِ نظر ہے
علم ہو گا کہ شادی ہے کہ قسمت کی خبر ہے

۲۱
زینبؑ کی محبت سے تو باہر ہے خدائی
سب دولت و حشمت علی اکبرؑ پہ لٹائی
بلبل نے تو یہ گل کی محبت نہیں پائی
دم بھر نہ گوارا تھی بھتیجے کی جدائی
بیٹوں کو تو بھائی کی غلامی میں دیا تھا
فرزندی میں ہم شکلِ پیمبرؐ کو لیا تھا

۲۲
کہتی تھی ہر اک سے کہ خوشا میرے مقدر
شبیرؑ سا دنیا میں ملا ہم کو برادر
ماں فاطمہ زہراؑ ہے پدر ساقیٔ کوثر
بیٹا بھی دیا حق نے تو ہم شکلِ پیمبرؐ
قائم رہے یہ گیسوؤں والا مرے گھر میں
ہے نورِ محمدؐ سے اجالا مرے گھر میں

۲۳
بھائی سے لگاتی تھی جو اکبرؑ کو بلا کر
فرماتی تھیں عاشق ہوں تمہاری بھی مقرر
حیرت سے پسر دیکھتے تھے جانبِ مادر
پر سچ کہوں پیارے نہیں اکبرؑ کے برابر
بیٹا مرا ہم شکلِ رسولِ دوسرا ہے
تم ہو تو کفِ خاک ہو یہ نورِ خدا ہے

۲۴
ہر چند نہیں تم میں کچھ اور ان میں جدائی
شہزادۂ عالم انھیں کہتی ہے خدائی
صدقے گئی پر تم نے یہ دولت نہیں پائی
آقا کے تو آقا ہیں یہ اور بھائی کے بھائی
خادم کی طرح ان کی غلامی میں رہو تم
بھائی یہ کہیں گر تو خداوند کہو تم

۲۵
صدقے گئی تم جانتے ہو رتبۂ حیدرؑ
تھا فوق زمانے میں یداللہ کو سب پر
ہم نامِ خدا شاہِ نجف ساقیٔ کوثر
باندھے رہے ہاتھوں کو مگر پیشِ پیمبرؐ
کعبے میں چڑھے دوشِ شہنشاہِ امم پر
یہ فخر سے آنکھوں کو بھی ملتے تھے قدم پر

۲۶
کس شخص کی تصویر ہے یہ گیسوؤں والا
تعظیم کیا کرتے ہیں اس کی شہِ والا
چھوٹا ہے یہ رتبے میں بڑوں سے ہے دوبالا
میری بھی سعادت ہے جو اس لعل کو پالا
دنیا میں سلامت جو یہ گلفام رہے گا
ہم شکلِ پیمبرؐ سے مرا نام رہے گا

۲۷
نکلے گا جو اس گھر سے جنازہ مرا باہر
کاندھا مرے تابوت کو دے گا علی اکبرؑ
تم دونوں ادھر اور ادھر ہو گے کھلے سر
یہ گریہ و زاری کی ہے جا وائے مقدر
زینبؑ کو یقیں تھا مجھے یہ دفن کریں گے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی پہلے مریں گے

۲۸

اب کاتبِ اخبارِ عزا کرتے ہیں تحریر
غربت میں گرفتارِ مصیبت ہوئے شبیرؑ
اٹھارہ برس کے ہوئے جب اکبرِ دلگیر
دعوت کے عوض تیغ تھے تیغ و تبر و تیر
وہ پیاس سے مرتے تھے جو نازوں کے پلے تھے
تلواریں تھیں اور آلِ محمدؐ کے گلے تھے

۲۹

تھی لاکھ جوانوں کی بہتّر پہ چڑھائی
شہ دیکھتے تھے لٹتی تھی زہراؑ کی کمائی
غل تھا کہ گرو فاطمہؑ کے گھر کی صفائی
بابا سے بچھڑتا تھا پسر بھائی سے بھائی
جو شخص کہ زندہ تھا وہ مرنے پہ تُلا تھا
حوریں نظر آتی تھیں درِ خلد کھلا تھا

۳۰

لہریں جو دکھاتا تھا انھیں چشمۂ کوثر
گرمی میں پسینے سے جو ہوتا تھا بدن تر
جاں دیتے تھے ہنستے ہوئے تلواروں کے منھ پر
جنت کے دریچوں سے ہوا آتی ہے فرفر
کہتے تھے کہ خادم ہیں ولی ابنِ ولی کے
سو سر ہوں تو قربان حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۳۱

جب ہو چکے قاسمؑ کو شہِ بیکس و بے آس
بھائی جو ہوا آتش تو جلنے سے ہوئی یاس
گلچینِ گلستانِ شہادت ہوئے عباسؑ
کوئی علی اکبرؑ کے سوا پھر نہ رہا پاس
جناب تھے تھامے ہوئے ہاتھوں سے کمر کو
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو

۳۲

شہ چاہتے تھے مرنے کو پہلے ہمیں جائیں
اکبرؑ کا ارادہ تھا کہ ہم برچھیاں کھائیں
سینے کو سپر کر دیں کلیجے کو بچائیں
میدان سے بابا مرے لاشے کو اٹھائیں
جب شاہ نظر کرتے تھے شمشیرِ دودم پر
ہم شکلِ نبیؐ دوڑ کے گرتے تھے قدم پر

۳۳

شہ کہتے تھے فرزند کو چھاتی سے لگا کر
پھر آئیو یہ چاند سی تصویر دکھا کر
زینبؑ کو تو دیکھ آؤ ذرا خیمے میں جا کر
وہ کہتا تھا ہاں جائیں گے ہم برچھیاں کھا کر
منھ معرکۂ جنگ سے موڑا نہیں جاتا
اس وقت میں حضرت کو تو چھوڑا نہیں جاتا

۳۴

شہ کہتے تھے اے جانِ پدر ہم کو نہ روکو
اُمت پہ فدا کرتے ہیں سر ہم کو نہ روکو
ماں بہنوں کی لو جا کے خبر ہم کو نہ روکو
احسان تمھارا ہے اگر ہم کو نہ روکو
ہم نے وہ سہے رنج کہ کچھ کہہ نہیں سکتے
اللہ تم اک داغِ پدر سہہ نہیں سکتے

۳۵

جب جانیں کہ صابر ہو تم اے اکبرِ دلگیر
خنجر مری گردن پہ ہو اور سینے پہ ہے تیر
دیکھا کرو اور ہم پہ چلیں نیزۂ و شمشیر
اس وقت کہو تم بھی جو خواہشِ تقدیر
رن میں یہ ہمارے تنِ صد پاش کو دیکھو
ٹکڑے سمِ اسپاں سے مری لاش کو دیکھو

۳۶

اکبرؑ نے کہا خالقِ اکبر نہ دکھائے
شہ بولے پدر دیکھے پسر برچھیاں کھائے
یا شاہ کہاں سے یہ کلیجہ کوئی لائے
دنیا میں رہے پیر جواں مرنے کو جائے
جو کہتے ہو بابا سے بجا کہتے ہو بیٹا
انصاف بھی لازم ہے یہ کیا کہتے ہو بیٹا

٣٧

جو ہم نے سہے زخم یہ دل پر کوئی کھاتا
عباسؑ سے بھائی کا کوئی داغ اُٹھاتا
ننھے سے کوئی بھانجے ہاتھوں سے گنواتا
ایوبؑ سے صابر کا کلیجہ نکل آتا
شبیرؑ کسی رنج میں مجبور نہیں ہے
پر داغِ پسر سہنے کا مقدور نہیں ہے

٣٨

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ یا سیّدِ ابرار
خود بیٹے کی گردن پہ رکھا خنجرِ خونخوار
یاد آپ کریں صبرِ خلیلؑ جگر افگار
فرمایا کہ سچ کہتے ہو پر اے مرے دلدار
زندہ پسران کا تو ملا ان کے گلے سے
تم پھر کے نہیں آؤ گے تیغوں کے تلے سے

٣٩

دو جان کا اکبرؑ ترے جانے میں زیاں ہے
مرنا ترا دیکھے یہ اُسے تاب کہاں ہے
تو زینبؑ بیکس کی تنِ زار کی جاں ہے
بانوؑ کا تو پھر حق بہ طرف ہے کہ وہ ماں ہے
مادر کو قسم رونے کی دے دو گے تو جانا
زینبؑ سے رضا مرنے کی لے لو گے تو جانا

٤٠

ہم شکل نبیؐ کو تو نہ کچھ بات بن آئی
ووں ہی ہوئی شاہ کے لشکر کی صفائی
فضہ نے خبر جا کے یہ بانوؑ کو سنائی
اب باپ میں اور بیٹے میں ہوتی ہے جدائی
کچھ پہلے تو باتیں تھیں شہنشاہِ اُمم سے
اب لپٹے ہوئے روتے ہیں بابا کے قدم سے

٤١

بانو نے کہا شاہ کو کیا تو نظر ہے
نے ہوش تمہارا ہے نہ کچھ اپنی خبر ہے
وہ بولی کہ آفت میں محمدؐ کا پسر ہے
ہر مرتبہ جھک جاتے ہیں یہ دردِ جگر ہے
صابر ہیں یہ مضطر انھیں ہوتے نہیں دیکھا
میں نے کبھی اس درد سے روتے نہیں دیکھا

٤٢

بیتابی میں بیٹے سے لپٹ جاتے ہیں ہر بار
فرماتے ہیں صدقے میں ترے اے مرے دلدار
کہ رو کے یہ پڑھتے ہیں کبھی درد کے اشعار
چھاتی سے لپٹ جا کہ پدر تجھ کو کرے پیار
طاقت نہیں اب ضعف سے تھرّاتے ہیں شبیرؑ
اکبرؑ تو ہیں زندہ یہ مرے جاتے ہیں شبیرؑ

٤٣

گھبرا کے کہا بانوؑ نے ہے ہے غضب آیا
اصغرؑ کو گہوارے سے جلدی سے اُٹھایا
بس اب نہ رکے گا تو رکے گا مرا جایا
سر پیٹ کے یہ زینبؑ بیکس کو سنایا
دوڑو مری دولت پہ زوال آتا ہے بی بی
لال آپ کا مرنے کے لئے جاتا ہے بی بی

٤٤

تم ڈیوڑھی پہ جا کر مرے دلبر کو بلا لاؤ
زینبؑ نے کہا سبطِ پیمبرؐ کو بلا لاؤ
مر جاؤں گی جلدی علی اکبرؑ کو بلا لاؤ
ہے ہے مرے مظلوم برادر کو بلا لاؤ
میں نکلوں گی گھر سے جو نہ یاں آئیں گے اکبرؑ
کیا باپ کے بے حکم چلے جائیں گے اکبرؑ

٤٥

ماں بولی رضا دے چکے شاید انھیں سرور
ہاں مجھ کو بھلا دیں تو بھلا دیں علی اکبرؑ
زینبؑ نے کہا یہ مجھے آتا نہیں باور
پر بے مری مرضی نہ رضا دیں گے برادر
اٹھارہ برس پالا ہے مختار ہوں میں بھی
وہ بیٹے کے مالک ہیں تو حقدار ہوں میں بھی

۴۶

آئے تو مرے سامنے وہ گیسوؤں والا
آغاز مسیں بھی ہوئی سبزہ بھی نکالا
پوچھوں گی بتاؤ مجھے کس نے تمھیں پالا
اللہ یہ بھولے ہمیں جب ہوش سنبھالا
مادر سے رضا جنگ کی لینے کو نہ آئے
بیٹوں کا بھی پُرسا ہمیں دینے کو نہ آئے

۴۷

اے لال بھلا مجھ کو بھلایا تو بھلایا
جس ماں نے تمھارے لئے اک جُگ کیا یا
باںؑو کی محبت کا بھی کچھ دھیان نہ آیا
خود راتوں کو جاگی تمھیں چھاتی پہ سُلایا
اس کو بھی بھلایا مرے پیارے علی اکبرؑ
نے ماں کے ہوئے تم نہ ہمارے علی اکبرؑ

۴۸

یہ ذکر ابھی تھا کہ شہِ بحر و بر آئے
چلّائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
اور باپ کے پیچھے علی اکبرؑ نظر آئے
نہوڑا لیا سر بانوؑ نے اور اشک بھر آئے
زینبؑ پسرِ نائبِ حیدرؑ سے نہ بولی
لیں شہ کی بلائیں علی اکبرؑ سے نہ بولی

۴۹

تھی جان تو اکبرؑ میں نظر تھی سوئے شبّیرؑ
فرماتے تھے حضرت کہ یہ کیا حال ہے ہمشیر
کہنا تھا کچھ اور بھائی سے کچھ کرتی تھی تقریر
دیکھو تو ذرا کہتے ہیں کیا اکبرؑ دلگیر
وہ کہتی تھی میں کون ہوں کیا مجھ سے کھنچ گئے
جو دل میں ہے ان کے وہ بھلا مجھ سے کہیں گے

۵۰

بانوؑ نے اشارہ کیا با گریۂ و زاری
منھ ڈھانپ کے روتی ہیں ابھی یہ کئی باری
آزردہ ہیں کچھ تم سے پھوپھی جان تمھاری
قدموں پہ گرو پالنے والی کے میں واری
جو مرضی ہو ان کی وہی اب کیجیو بیٹا
مرجانے کی رخصت نہ طلب کیجیو بیٹا

۵۱

سمجھے علی اکبرؑ کہ خفا ہیں پھوپھی اماں
لپٹا کے گلے سے وہ پکاری کہ مری جاں
قدموں پہ گرے دوڑ کے با دیدۂ گریاں
زینبؑ ترے بابا کے فدا اور ترے قرباں
زندہ نہ محمدؑ ہے نہ اب عونؑ ہے بیٹا
تم مجھ کو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا

۵۲

تم صبح سے میداں میں سدھارے مرے دلدار
واری مجھے دکھلا نہ گئے آخری دیدار
جا جا کے میں ڈیوڑھی پہ پکار آئی کئی بار
اکبرؑ نے کہا رن میں تھے سیّدِ ابرار
تلواریں لئے اہلِ ستم گرد کھڑے تھے
عباسؑ کے لاشے پہ یہ بیہوش پڑے تھے

۵۳

بغلوں میں اگر ہاتھ میں دے کر نہ اُٹھاتا
نیزہ کوئی ظالم کوئی شمشیر لگاتا
بابا کو بڑی دیر تلک ہوش نہ آتا
گھر میں اگر آتا تو نہ پھر باپ کو پاتا
سب کہتے کہ بابا سے نہ الفت ہے پسر کو
چھوڑ آیا ستمگاروں میں مظلوم پدر کو

۵۴

جب سنتیں پسر زندہ ہے اور مر گئے سرور
میں جانتا تھا آپ ہیں شیدائے برادر
بتلایئے پھر دودھ مجھے بخشیں گی مادر
یوں پیار نہ کرتیں کبھی چھاتی سے لگا کر
کہتیں نہ مرے سامنے آوے علی اکبرؑ
کہہ دو مجھے صورت نہ دکھاوے علی اکبرؑ

۵۵

میں آپ کے صدقے نہ بلائیں مری لیجئے
میدان میں مارے گئے سب بھائی بھتیجے
لے آیا ہوں بابا کو صلہ کچھ مجھے دیجئے
ٹلتی ہے بلا شہ کی تصدق مجھے کیجئے
اماں بھی خفا ہیں مجھے قدموں پہ گرا دو
پالا ہے تمھیں نے تمھیں مرنے کی رضا دو

۵۶

یہ وقت مصیبت ہے کہ مجھ پر کرو احسان
مادر سے کہا آپ کے قدموں کے میں قربان
حضرت سے کہا آپ سفارش کریں اس آن
چھاتی سے لگا لو کوئی دم کا ہوں میں مہمان
آزردہ نہ ہونا کہ نہایت مجھے غم ہے
اماں تمھیں میری ہی جوانی کی قسم ہے

۵۷

بانو نے کہا میں تو خفا کچھ نہیں واری
راضی ہیں یہ رخصت پہ تو منگواؤ سواری
ہیں کون یہی ماں یہی مالک ہیں تمھاری
تم سے تو نہ ان کو نہ مجھے جان ہے پیاری
یہ خوش ہیں اگر تم سے تو خرسند ہوں میں بھی
مرضی ہے یہ ان کی تو رضامند ہوں میں بھی

۵۸

مجھ کو تو فقط دودھ پلانے کی ہے الفت
صدقے گئی جب رن کی یہی دیں تمھیں رخصت
زینبؑ نے تو اٹھارہ برس کی ہے ریاضت
پھر روک سکوں میں یہ بھلا ہے مری طاقت
دعویٰ ہے کنیزی کا مجھے بنت علیؑ سے
میں دودھ بھی اپنا تمھیں بخشوں گی خوشی سے

۵۹

بانو نے یہ ہم شکلِ پیمبرؐ سے کہا جب
زینبؑ نے کہا مجھ پہ کھلا آپ کا مطلب
حسرت سے لگے دیکھنے اکبرؑ سوئے زینبؑ
پھر چھاتی سے لپٹو کوئی حجت نہ رہے اب
ہر چند سنبھلتا نہیں دل اے علی اکبرؑ
چھاتی پہ رکھی صبر کی سِل اے علی اکبرؑ

۶۰

بابا کی طرف بیٹے نے دیکھا بہ تبسم
چلّائے شہِ دیں کہ مری جان چلے تم
خیمے میں ہوا رخصتِ اکبر کا تلاطم
بابا کی ضعیفی پہ کیا خوب ترحّم
اس غم میں نہیں صبر کا یارا علی اکبرؑ
فریاد ہے تم نے ہمیں مارا علی اکبرؑ

۶۱

روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے اکبرؑ دلگیر
کی شمر سے جا کر یہ خبرداروں نے تقریر
گھوڑے پہ چڑھا لال گرے حضرتِ شبیر
محبوبِ خدا آتے ہیں تولے ہوئے شمشیر
ہم کہتے تھے دو دن کے نہ پیاسے کو ستاؤ
لو اور محمدؐ کے نواسے کو ستاؤ

۶۲

یہ احمدِ مرسل ہے قسم کھانے کی جا ہے
انوارِ مہ و مہر کو یہ مرتبہ کیا ہے
روشن ہے جبیں حسنِ نبیؐ کی یہ ضیا ہے
یوسفؑ بھی کرے ان کی غلامی تو بجا ہے
مالک انھیں خالق نے کیا حشر کے دن کا
یہ آیۂ رحمت ہیں ادب چاہیئے اِن کا

۶۳

بولا پسرِ سعد یہ ہے آمدِ اکبرؑ
اب خاتمۂ جنگ ہے تنہا ہوئے سرور
دنیا میں وہی ایک ہے تصویرِ پیمبرؐ
ہاں فوج ہو تیار چلیں نیزہ و خنجر
بڑھ بڑھ کے جو لڑتے تھے وہ جانباز کہاں ہیں
صف باندھ کے روکیں قدر انداز کہاں ہیں

۶۴
عباس علمدار کے قاتل کو بلاؤ
کھینچے ہوئے تلواروں کو اے بھائیو جاؤ
رستے پہ سواروں کے پرے جلد جماؤ
لاؤ سر اکبرؑ تو صلہ جنگ کا پاؤ
طاقت نہیں رونے کی تنِ شاہِ اُمم میں
مر جائیں گے شبیرؑ جواں بیٹے کے غم میں

۶۵
عباسؑ کے مرنے سے تو ہیں بیکس و مجبور
زخموں سے جو ہووے گا برابر کا پسر چور
ٹوٹی ہے کمر ہو گئے ہیں جنگ سے معذور
آنکھیں شہِ مظلوم کی ہو جائیں گی بے نور
خوں کا بھی دیں بیٹے کے عوض لیویں گے شبیرؑ
خود آ کے گلا تیغ پہ دھر دیویں گے شبیرؑ

۶۶
یہ سنتے ہی لشکر کی صفیں ہو گئیں تیار
بجلی سی چمکنے لگی ایک ایک کی تلوار
ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے یک بار
ڈھالوں کا اٹھا چار طرف ابر دھواں دھار
غوغائے دُہلِ حرب گذرتا تھا فلک سے
خیرہ تھی نظر برچھیوں کے پھل کی چمک سے

۶۷
اک سمت کماں دار قدم آگے بڑھا کر
جانبازوں نے سیدھا کیا نیزوں کو اٹھا کر
خم ہو گئے تیروں کو کمانوں سے ملا کر
کچھ آ رہے کمیں گہ میں کمندوں کو بچھا کر
رونے کی ہے جا واں تو یہ سامانِ وغا تھا
یاں اکبرؑ مظلوم تھے یا سر پہ خدا تھا

۶۸
ناگاہ زمیں رن کی ہوئی وادیٔ ایمن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرا گئے دشمن
صحرا سے بلا دور تلک ہو گیا روشن
رشکِ مہِ نو بن گئے نقشِ سمِ توسن
ذروں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف ہو کے سواروں کو گرایا

۶۹
اک شور ہوا دلبرِ شبیرؑ کو دیکھو
پیشانیٔ پُر نور کی تنویر کو دیکھو
وہ سلسلۂ زلفِ گرہ گیر کو دیکھو
اس ابروئے خمدار کی شمشیر کو دیکھو
وہ نور کی مصباح ہے یہ صاحبِ ضو ہے
کس اوج پہ اک بدر ہے اور دو مہِ نو ہے

۷۰
نرگس نہیں آنکھوں کو بھلا کیا اولوالابصار
یہ سبزۂ نوخیز یہ مہتاب سے رخسار
وہ دیدۂ بے نور ہے یہ مطلعِ انوار
گویا ورقِ زر پہ رقم ہے خطِ گلزار
لب پر ابھی مسیں حسنِ شباب ان سے عیاں ہے
لو آتشِ یاقوت کا دیکھو یہ دھواں ہے

۷۱
دانتوں کی چمک دیکھ کے حیرت میں ہیں مردم
دیکھا نہیں غنچے میں یہ اندازِ تبسم
آتی ہے نظر صاف دُرِ رشتۂ صفِ انجم
ہے ان کا تبسم نمک خوانِ تکلم
کرتا ہوں جو وصفِ لبِ اعجاز بیاں کو
ہونٹوں کو زباں چاٹتی ہے ہونٹ زباں کو

۷۲
گردن نہ کہو نور کی اک شمع ہے روشن
پروانہ ہے یاں روشنیٔ وادیٔ ایمن
ہے طور کا شعلہ بھی چراغِ تہِ دامن
اور شرم سے حوروں کی جھکی جاتی ہے گردن
پیدا ہے یہ کم سمجھو نہ اس ماہ کی طاقت
ہے ساعد و بازو میں یداللہ کی طاقت

۷۳

کس منھ سے کہوں سینۂ انور کی صفائی
کیوں کر نہ کرے سینہ زنی ساری خدائی
آئینۂ مہ نے یہ صباحت نہیں پائی
جلادوں نے برچھی اسی چھاتی پہ لگائی
سوراخ جگر دیکھ کے ہم شکل نبیؐ کا
کیا حال ہوا ہوگا حسینؑ ابن علیؑ کا

۷۴

پٹکے سے محمدؐ کے بندھی ہے کمر پاک
جس جا پہ رکھے پاؤں شبیہ شہ لولاک
اور زیب بدن ہے گی ید اللہ کی پوشاک
کحل بصر اہل بصیرت ہے وہی خاک
ہاتھ آیا ہے غازی کو چلن شیر خدا کا
ثابت قدمی نام ہے نقش کف پا کا

۷۵

ناگاہ بڑھی فوج ہوا جنگ کا ساماں
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیروں کا باراں
اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ ذی شاں
تلوار علم کر کے کہا یا شہ مرداں
اک برق جہاں سوز چمکتی نظر آئی
جس صف پہ گری آگ بھڑکتی نظر آئی

۷۶

نعروں سے بہادر کے دہلنے لگے ناری
سر پیچ کے لڑنے کو نکلنے لگے ناری
اس شعلۂ جوالہ سے جلنے لگے ناری
ٹھہرے نہ قدم ہاتھوں کو ملنے لگے ناری
میداں میں تو اس برق مجسم نے جلایا
تن سرد ہوا جب تو جہنم نے جلایا

۷۷

تنہا تھے مگر فوج ستمگار کو روکا
غازی نے سپر پر نہ کسی وار کو روکا
دو چار کو گھائل کیا دو چار کو روکا
روکا بھی تو تلوار پہ تلوار کو روکا
نیزے نے ستمگاروں کے دل توڑ دیے تھے
تلوار نے تلواروں کے منھ توڑ دیے تھے

۷۸

ایک ایک ذرہ پوش تہ دام اجل تھا
غازی تھے جنھیں حوصلۂ جنگ و جدل تھا
چار آئینہ والوں کو بھی حیرت کا محل تھا
تیروں میں نہ پیکاں نہ کسی برچھی کا پھل تھا
کیوں کر نہ عدو بھاگتے اس صف شکنی سے
جراروں کے بھی سر اڑ گئے تھے تیغ زنی سے

۷۹

نیزوں کی تکاں سے تو سنانوں کو گرایا
شانوں سے لعینوں کے نشانوں کو گرایا
تلوار سے غازی نے کمانوں کو گرایا
گھوڑوں سے نووار جوانوں کو گرایا
جنگ اسد اللہ کے سب ڈھنگ دکھائے
تیغ علی اکبرؑ نے عجب رنگ دکھائے

۸۰

دو ٹکڑے کیا خودوں کو گردن پہ نہ ٹھہری
جوشن کو بھی جب کاٹ چکی تن پہ نہ ٹھہری
گردن سے بڑھی آگے تو جوشن پہ نہ ٹھہری
کیا تن کی حقیقت تھی کہ توسن پہ نہ ٹھہری
اسواروں کو جنبش نہ ہوئی خانۂ زیں پر
اللہ رے صفائی کہ یہ ٹھہری تو زمیں پر

۸۱

اٹھی جو چمکتی ہوئی وہ برق شرر بار
جس غول پہ جا پڑتے تھے تولے ہوئے تلوار
اوجھی سی کمر پر جو لگا دی تو ہوئی پار
پیدل پہ تو پیدل تھے اور اسوار پہ اسوار
سوکھے ہوئے لب چاٹ کے دم لیتے تھے اکبرؑ
دو چار صفیں کاٹ کے دم لیتے تھے اکبرؑ

۸۲

گھوڑوں سے اڑی گرد ہوا رن میں اندھیرا
چلائی تھی بانوؑ کہ پھرا لال نہ میرا
میداں سے نہ اکبرؑ نے مگر باگ کو پھیرا
یاں حضرت شبیرؑ کو تشویش نے گھیرا
اٹھ اٹھ کے کبھی دیکھتے تھے فوج ستم کو
کہتے تھے کہ لو کچھ نظر آتا نہیں ہم کو

۸۳

ہر مرتبہ گردوں کو ہلا دیتے تھے نالے
آواز تو دے باپ کو اے گیسوؤں والے
چلاتے تھے ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
آگے ترے اے لال خدا مجھ کو اٹھا لے
تو باپ کو دنیا سے گزرتے ہوئے دیکھے
بابا تجھے مقتل میں نہ مرتے ہوئے دیکھے

۸۴

کس صف میں ہو کس غول سے ہوتی ہے لڑائی
پیارے کوئی برچھی تو نہیں چھاتی پہ کھائی
منہ پھیر کے صورت بھی نہ بابا کو دکھائی
تکبیر کی آواز بھی ہم تک نہیں آئی
ایسا نہیں یہ درد کہ موقوف ہو بیٹا
ہم مرتے ہیں تم جنگ میں مصروف ہو بیٹا

۸۵

اب باگ پھراؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
دیر اب نہ لگاؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
دیدار دکھاؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
بس لڑ چکے آؤ علی اکبرؑ! علی اکبرؑ
گر اب نہیں آنے کے تو کب آؤ گے بیٹا
ماں گھر سے نکل آئے گی تب آؤ گے بیٹا

۸۶

بابا ترے صدقے مرے رستم علی اکبرؑ
یاور علی اکبرؑ مرے ہمدم علی اکبرؑ
صفدر علی اکبرؑ مرے ضیغم علی اکبرؑ
جلد آ کے خبر لو کہ موئے ہم علی اکبرؑ
پیری میں نہ بابا کو دغا دے ترے صدقے
چھاتی مری چھاتی سے لگا دے ترے صدقے

۸۷

بانوؑ نے سنی شہ کی جو یہ گریہ و زاری
اکبرؑ کو ہوا کیا جو یہ حالت ہے تمہاری
دروازے کے پردے کو اٹھا کر یہ پکاری
حضرت نے کہا رن میں اسے گھیرے ہیں ناری
ذرّے کو نظر آئے اب خورشید نہیں ہے
اکبرؑ کے پھر آنے کی اب امید نہیں ہے

۸۸

میدان میں سنتی ہو یہ تلواروں کی جھنکار
بی بی ترے فرزند پہ چلتے ہیں یہ سب وار
اور برچھیوں کے پھل وہ چمکتے ہیں جو ہر بار
وہ تشنہ دہن ایک ہے اور لاکھ ستمگار
لڑ کر ہمیں صورت بھی دکھاتے نہیں اکبرؑ
ہم دیر سے چلاتے ہیں آتے نہیں اکبرؑ

۸۹

بانو نے کہا میں بھی کھلے سر نکل آؤں
گہوارے میں اصغرؑ کو لٹا کر نکل آؤں
بیتاب ہے دل خیمے سے باہر نکل آؤں
کہتی ہوئی ہے ہے علی اکبرؑ نکل آؤں
صدقے گئی قربان پسر ہونے دو مجھ کو
تلواروں میں اکبرؑ کی سپر ہونے دو مجھ کو

۹۰

یا شاہ مرے سر کی قسم دے کے بلا لو
اپنے سرِ انور کی قسم دے کے بلا لو
صاحب علی اصغرؑ کی قسم دے کے بلا لو
اکبرؑ کو پیمبرؐ کی قسم دے کے بلا لو
تیروں کی جو بوچھار ہے اور تیغ زنی ہے
میداں میں یہ کیسی مرے بچے پہ بنی ہے

۹۱

حضرت کو بہت جب قلقِ دل نے ستایا
حمال سے ناقے کو محمّد کے منگایا
جب اس پہ چڑھا حیدرِ کرّار کا جایا
اک ابرِ ستم چاند پہ چھایا نظر آیا
فرمایا کہ اللہ بڑی جنگ ہے رن میں
نیزوں میں یہ اکبرؑ ہے کہ خورشید گہن میں

۹۲

سنبل سے نظر آئے جو اڑتے ہوئے گیسو
پہچان کے اکبرؑ کو پکارے شہ خوش خو
بابا تری جرأت پہ فدا اے مرے مہ رو
شاباش مرے شیر مرے قوّتِ بازو
گھبراؤ نہ گو فوجِ ستم چھا گئی بیٹا
حیدر کی لڑائی ہمیں یاد آ گئی بیٹا

۹۳

ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزۂ خونخوار
چلّائے شہِ دیں کہ مرے لال خبردار
یاں سینۂ اکبرؑ سے ہوئی نوکِ سناں پار
تھرّائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا
خوں سینۂ انور سے اُبلتے ہوئے دیکھا

۹۴

تھی پیاس کئی دن کی کئی روز کا فاقا
ہے ہے علی اکبرؑ کہا اور غش ہوئے آقا
سر پیٹ کے حمال نے بٹھلا دیا ناقا
ریتی پہ گرے غش سے ہوا کچھ جو افاقا
بسمل بھی نہ اس طرح کبھی خاک پہ تڑپے
جس طرح حسینؑ ابنِ علی خاک پہ تڑپے

۹۵

زینبؑ کو یہ سمجھی کہ برادر ہوئے زخمی
چلّائی یہ بانو علی اکبرؑ ہوئے زخمی
حضرت نے کہا ہاں مرے صفدر ہوئے زخمی
افسوس کہ ہم شکلِ پیمبرؐ ہوئے زخمی
آواز سنا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں
پھل برچھی کا کھا کر ابھی گھوڑے سے گرے ہیں

۹۶

خاتونِ قیامت کی صدا اتنے میں آئی
ہے ہے مرے پوتے نے سناں سینے پہ کھائی
اٹھارہ برس والے نے جان اپنی گنوائی
اب لاش پہ نرغہ ہے محمّد کی دہائی
پھل تیغوں کے بجلی کی طرح کوند رہے ہیں
رہواروں سے لاشے کو عدو روند رہے ہیں

۹۷

لاشے پہ چلے خاک بسر سیّدِ عالم
اکبرؑ کی جدائی کا پڑا خیمے میں ماتم
فریادِ محمّدؐ کی صدا آتی تھی ہر دم
جنباں تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظّم
سیدانیوں میں ہوتا تھا جب شور بکا کا
ہلتا تھا کلس خیمۂ شاہِ شہدا کا

۹۸

راوی نے یہ لکھا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کیا
اک بی بی نکل آئی اٹھا خیمے کا پردا
خورشید سا تھا بکھرے ہوئے بالوں میں چہرا
مریم کوئی کہتا تھا کوئی حضرتِ زہرا
دیکھا نہ گیا اشک ہمارے نکل آئے
گردوں پہ چھپا مہر ستارے نکل آئے

۹۹

ہلتے تھے دُرِ گوش کھلا تھا سرِ انور
اک دوش پہ اک خاک پہ تھا گوشۂ چادر
گرتی تھی کبھی اور کبھی چلاتی تھی اٹھ کر
ہے ہے علی اکبرؑ، علی اکبرؑ، علی اکبرؑ
منزل کا پتہ مجھ کو نہ دیتے گئے واری
اس پالنے والی کو نہ لیتے گئے واری

۱۰۰

مقتول کے لاشے کو جو اس بی بی نے پایا
پھر سینے کو ہاتھوں سے یہ پیٹا کہ غش آیا
مُردے کی بلائیں لیں کلیجے سے لگایا
ہاتھ اس کا پکڑ کر شہِ بےکس نے اُٹھایا
خیمے میں بصد غم اسے پہونچا کے پھر آئے
روتے ہوئے دروازے تلک جا کے پھر آئے

۱۰۱

اس وقت یہ راوی نے کسی شخص سے پوچھا
مریمؑ ہے کہ سارۂ ہے خدیجہ ہے کہ زہراؑ
ہے کون یہ خاتونِ معظم مجھے بتلا
میں[1] نے کبھی یہ نور کسی میں نہیں دیکھا
اس نے کہا یہ زینبؑ آوارہ وطن ہے
بیٹی ہے علیؑ کی شہِ والا کی بہن ہے

۱۰۲

بس طول انیسؔ جگر افگار کہاں تک
پر حرفِ مکرّر کبھی لانا نہ زباں تک
پہونچی یہ تری نظم شہ کون و مکاں تک
تو خاک ہے کر عجز کیا جائے جہاں تک
سب کچھ تجھے آقا کے تصدّق سے ملا ہے
اس نظم کی تعریف سخن فہم صلا ہے

[1] [illegible]

سلام

گذر گئے تھے کئی دن کہ گھر میں آب نہ تھا — مگر حسینؑ سے صابر کو اضطراب نہ تھا
نمودِ بودِ بشر کیا محیطِ عالم میں — ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا حباب نہ تھا
نثار سے جو بچائیں ہوا زمیں کو عجب — صدا یہ قبر نے دی حکم بوترابؑ نہ تھا
اگر بہشت میں ہوتے نہ کوثر و تسنیم — تو رونے والوں کی آنکھوں کا پھر جواب نہ تھا
نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک — ذرا جو آنکھ جھپک کر کھلی شباب نہ تھا
حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ — تمام کر کے تھے حجت سوال آب نہ تھا
جسے نبیؐ نے بُلایا ہو وہ نخلِ نہال — ثمر اسے بھی دیے جو کہ باریاب نہ تھا
حضور شاہ پھر آیا کہاں سے حُرِّ شہید — خطا کی راہ میں گر جادۂ ثواب نہ تھا
علیؑ کے پائے مُبارک نے جو ضیا پائی — وہ نور حضرتِ موسٰیؑ کو دستیاب نہ تھا
ہر اک کے ساتھ ہے روشن دو طلوع و غروب — سحر کو چاند نہ تھا شب کو آفتاب نہ تھا
فقط حسینؑ کے بچّوں پہ بند تھا پانی — بہت قریب تھی وہ نہر قحطِ آب نہ تھا
انیسؔ عمر بسر کر دو خاکساری میں — کہیں نہ یہ کہ غلامِ ابوترابؑ نہ تھا

مرثیہ

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا　　یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا　　یاں فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے　　خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۲
بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر　　ماتم تھا نوجوانیِ عباسؑ کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر　　اکبرؑ کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے　　چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

۳
اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ　　باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسؑ سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ　　بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
اُجنے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے　　کب تک بچائیے گا کلیجے کو داغ سے

۴
دُنیا سے کوچ کر گئے عباسؑ نامدار　　اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار　　مثلِ خلیلؑ بھیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے پیٹ کے سر کو نہ روئیے　　جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

۵
بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور　　بازو کا درد اور ہے اور دردِ جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور　　سینے کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے　　نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

۶
دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں　　مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زماں
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سناں　　جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغرؑ سے کچھ غرض ہے نہ اکبرؑ سے کام ہے　　ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

۷
حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر　　نعلینِ عرش سا پہ جھکایا پسر نے سر
فرمایا کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر　　کی عرض اذن دیجیے یا شاہِ بحر و بر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو　　بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

۸
شہ نے کہا خوشی ہے بہر حال خاکسار　　تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار　　اس امر میں تمہاری پھوپھی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دیکے جائیے　　پالا ہے جس نے اس سے رضا لے کے جائیے

۹
روکوں گا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال　　صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہؑ کا لال
صدقے ہے نورِ عین تصدق ہے جان و مال　　طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال
ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہے　　اولاد ہے تو کیا ہے عنایت خدا کی ہے

۱۰
کس طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا
بے جاں حسنؑ کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے تمھارا ابھی داغ ہو

۱۱
خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرؑ حزیں
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
چھاتی لگایا ماں نے پھوپھی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہ دیں
روتے ہیں خیر سیدِ والا کے حال پر
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

۱۲
اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہ دیں کے پاس
بازو شکستہ، ضعف بصارت، ہجوم یاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ زہے حواس
گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

۱۳
تنہا کہاں امام، کہاں وہ ہجوم عام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام
میں یاں ہوں ایتو اور بڑھی ہوگی فوج شام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

۱۴
تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزند بوتراب
اچھا مریں گے بعد شہِ آسماں جناب
ذرّہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیّرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

۱۵
جب گھر لٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنئ خانہ پھر کہاں
صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختم رسل نہ ہو
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو

۱۶
دنیا سے جلد ہم کو اٹھا لے ہمارا رب
صدقے ہوں خیر سبطِ نبیؐ کے قدم پہ سب
آغوش قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
مانع ہیں آپ اور پھوپھی سدِ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں زہراؑ گواہ ہیں

۱۷
مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
سر سے حقوق والدِ ماجد ادا کروں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں اقتلوا الحسینؑ کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے

۱۸
تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
رکھ لیجے آبروئے پسر بہرِ ذوالجلال
اوّل تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصتِ جدال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اٹھائیے اب نورِ عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

۱۹

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول — جلدی ہو کر بلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول — نے جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے — کافی ہیں منھ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

۲۰

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر — کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نام ور — کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریٔ پدر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے — کہنے سے منھ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

۲۱

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ — بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منھ پہ یاس سے زینبؑ نے کی نگاہ — گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی — بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

۲۲

ان کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر — بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر — زینب پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو — کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

۲۳

کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار — اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار — بن بیاہے تم ابھی تو ہو اے میرے گلعذار
سہرا دکھا کے مادرِ پُرغم کو چھوڑیو — آئے دلہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو

۲۴

مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے — یہ وائی اپنے ہاتھ سے دولھا تمھیں بنائے
غل ہو کہ لو حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے — اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دلہن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل پوری نکالیں گے — اب ہم تمھاری طرح سے پوتے کو پالیں گے

۲۵

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر — کرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا ادھر ادھر
یاد آگئی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر — یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر
غازی ہو وصف تم میں ہو سعادت نشان ہو — کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

۲۶

دادا کا مرتبہ دے تمھیں ربِ ذوالجلال — تا عمر تم ہمارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال — بچپن کی دائیوں کا بھی رکھتے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو — ابتو تمھیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

۲۷

دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر — ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے مگر — خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا — صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

۲۸
قوت تھیں جو دل کی تھیں پارۂ جگر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہ میں نے سر
یہ بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
میں کہتی تھی جیے یہ مرا غیرتِ قمر
اکبر تو ہے اگر مرے پیارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں

۲۹
باتیں یہ کر کے منھ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر وہ مہ لقا
سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
کی عرض رو کے اے پھوپھی اماں کروں میں کیا
میں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر
زندہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

۳۰
منھ سے ہٹایئے تو ردا بہر کردگار
چادر ہٹا کے منھ سے یہ بولی وہ دلفگار
اچھا نہ جائیں گے سوئے میدان کارزار
میں کون صدقے جاؤں تمھیں کو ہے اختیار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے پاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو، ماں تو پاس ہے

۳۱
اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپھی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
ماں نے کیا اشارا کہ اے غیرتِ قمر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

۳۲
جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
تقصیر عفو کیجیے اے خواہرِ امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

۳۳
انصاف کیجیے کسے پیاری نہیں ہے جان
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائگاں
اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجوان
روتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشنِ جہاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے

۳۴
اکبر نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
الفت کا جوش آ گیا بنتِ علیؑ کو تب
کڑھتے ہو کس لیے میں تمھیں روکتی ہوں کب
سچ ہے جہاں میں تم سا کوئی باوفا نہیں
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

۳۵
کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
تم جاؤ آگے صدقے گئی یہ تمھاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

۳۶
جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر
دشمن تمھارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی

۳۷

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں پہ چلے
نازوں سے، منّتوں سے، مُرادوں سے تم پلے
تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

۳۸

بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہؑ کی جا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۳۹

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بانوؑ بھی رو دی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں

۴۰

بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہُدا
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیئے پھوپھی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
راہیں سب ان کی روکنے کی بند ہوگئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضامند ہوگئیں

۴۱

ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
اماں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپھی نے جلا لیا

۴۲

عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار
دیکھی ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار
مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر نثار
وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریمؑ کا افتخار
سب فاطمہؑ کا صبر ہے خو ہو تو ایسی ہو
بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو

۴۳

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طاقت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زباں ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

۴۴

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں
تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں
آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں

۴۵

آیا بنائے ہستیِ انساں میں جب خلل
ٹھہرا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
رونا ہے بے حصول کہ ہے سعی بے محل
رو رو کے خاک اُڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
نے فاطمہؑ رہیں نہ امیرِ عرب رہے
ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

۴۶

رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریے
زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریے
پوشاک تو پہنیے یہ کپڑے اُتاریے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبرؑ سنواریے
لے آؤ مصطفیٰؐ کی قبا ان کے واسطے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

۴۷

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفیٰؐ
پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا
ارمان تھا بہت تمھیں اکبرؑ کے بیاہ کا
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

۴۸

کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں اے فلک اساس
اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجیے
گودی میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

۴۹

محتاجِ قبر ہے ابھی لختِ دلِ حسنؑ
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
عُریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن
عباسؑ نامدار نے پایا نہیں کفن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہے بیاہ کا

۵۰

تڑپی یہ سن کر زوجۂ عباسؑ نامور
کبریٰؑ نے آہ سرد بھری اک جھکا کے سر
قاسمؑ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پسر
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر
فریادِ شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی
عمو کا حال سن کے سکینہؑ بلک گئی

۵۱

جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
واری اُجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
بانوؑ پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
پردہ اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا

۵۲

خدام تازیِ علیؑ اکبرؑ کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علیؑ اکبر قریب آئے
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلّائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
اللہ کتنا شوق شہادت ہے آپ کو
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو

۵۳

دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
اے لال قبر تک تمھیں پہنچا تو دے پدر
تکلیف ہو گی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
رونے کو ضبط کیجیے جگر کو سنبھالیے
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

۵۴

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
اس وقت تم کو رو بیٹھیں نہ ایسا جگر کہاں
بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو

۵۵

فرزند نے جو روحِ محمدؐ کی دی قسم
منھ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بہ چشمِ نم
بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ امم
اچھا سدھارو خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

۵۶

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دُلہن
گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
آہو خجل تھے کبکِ دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھی تو ہوا پر عقاب تھا

۵۷

پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسفؑ سے بھی حسیں
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفیؐ کی ہے
اس حُسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

۵۸

شکلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر بر نہ ہونے دیں گے عدو کو قزہ کے تیر
ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمان و تیر پہ قرباں جوان و پیر
قربان چشمِ سُرمہ کشیدہ کی شان پر
چلہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

۵۹

ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دوچند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند
گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند
ہے عین راستی یہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں

۶۰

آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بند و بست
کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
عینُ الکمال سے انھیں پہونچے نہ تا شکست
مردم میں روشنی ہے اسی نورِ عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسینؑ سے

۶۱

ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآبؐ کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ ٹکڑے سحاب کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار اس شباب کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
دونوں سے نور میں مہ و خورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

۶۲

گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
اُڑتا ہے غنچۂ دہن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

۶۳

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار
الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار
بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

۶۴
روشن ہے دستِ گردنِ نازک کے نور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے
فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلابِ مثال ہے
تکمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

۶۵
ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں
سر کی ہیں دم میں بدر و اُحد کی لڑائیاں
شکلِ علیؑ کریں گے صفوں کی صفائیاں
زورِ یداللہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ
پہونچے یہ واں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ

۶۶
سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب اِن کو یاد ہے
ہاں لا کلام مصحفِ ربِّ عباد ہے
ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوحؑ کی ہے سفینے میں اِن کے ہے
جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں اِن کے ہے

۶۷
وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبر مشبّہ بہ
بیداد برچھیوں کی ہو تیروں کا برسے مینھ
نیزے لگائیں اس پہ لعیں سب غضب ہے یہ
سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ نقیہ پر
کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر

۶۸
کس طرح کوئی وصفِ سراپا کرے رقم
قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم
جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
مورِ ضعیف مدحِ سلیمانِ ذی حشم
یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسولؐ ہیں

۶۹
اس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں
کہتا ہے ابنِ سعدِ ستمگارِ سخت جاں
اور اُس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھاؤ ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ اور سرِ اکبرؑ سناں پہ ہو

۷۰
کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈر اے امیر
حاکم کے گو عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر
چہرہ ارے نشانہ یہ تصویرِ بے نظیر
اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جوان و پیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبیؐ نہیں

۷۱
تیرے ہمارے بیچ میں ہے روئے مصطفیٰؐ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفیٰؐ
کھا تو قسم نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفیٰؐ
ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابروئے مصطفیٰؐ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمنؐ کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو اس بدن کی ہے

۷۲
کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر
ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں گر
بیشک کرم کیا ہے رسالت پناہؐ نے
تجھ کو تو کور کر دیا ہے محبتِ جاہ نے

۷۳
کہنے لگا یہ تب رُو سیاہ سے وہ فتنہ گر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گذر
مجھ سے نشانِ خیر ذرا سُن تو بے خبر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گذر اُس جناب کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا

۷۴
جس راہ سے گذرتے تھے پیغمبرِ زماں
محبوبِ کبریا ہیں ارم میں یہاں کہاں
پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی وہاں
اکبر ہے یہ حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسولؐ ہیں کچھ اس میں شک نہیں

۷۵
بالفرض وہ نبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا
اکثر بہادروں نے رسولوںؐ سے کی دغا
قرباں جو اسیر کا، حاکم کی جو رضا
پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفےٰ
در پے رہے جنابِ رسالت پناہ کے
تلوار ماری فرق پہ شیر اللہؑ کے

۷۶
اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام
دشمن کی مدح واہ یہ ہے کون سا کلام
بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کرو گے رحم ہر اک نورِ عین پر
کیوں کر چھری پھراؤ گے حلقِ حسینؑ پر

۷۷
اکبر کو غیظ آ گیا سنتے ہی یہ کلام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام
دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
لے تو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جنّ و بشر جان دیتے ہیں
نام حسینؑ صلِّ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

۷۸
سن کر صدا اٹھے شیر ہٹا فوج سے شریر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر
یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اُس طرف سے تیر
ہلتی زمیں لرزنے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

۷۹
بڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

۸۰
دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
پانچ اس طرف بھی تیغ نہ چمکے تھے کہ دس گئے
جب برقِ تیغ کوند گئی سر برس گئے
چھایا ہوا تھا ابرِ ستم سب بد صفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

۸۱
جوہر شناسِ تیغ زباں منہ اِدھر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
تیزی کو حرف حرف کی بہ نظر کریں
مصرعے وہ جانگداز ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
متنوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
بین السطور تیغِ حسینی کی تاب ہے

۸۲
در پے تھی سرکشوں کے جو وہ تیغِ جانستاں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
یارا عقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
گردن سے سر، رگوں سے لہو اور بدن سے جاں
رن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

۸۳
قبضہ ہر ایک تیغ نے ہر تن سے سر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تل گئی
برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

۸۴
ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
ہر اک عقابِ تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گذر
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

۸۵
سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

۸۶
جی سُن سَنا گئے وہ جدھر سَن سے آ گئی
جلتے ہوئے کباب کی بو، تن سے آ گئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
گویا سموم کوہ کے دامن سے آ گئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آ گئی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل طپیدہ تھی

۸۷
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
پہونچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
اڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گُل پیرہن کے ہاتھ
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور

۸۸
رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغامِ دیں کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اسے یاد آتی ہے
سچ ہے کہیں اُکھڑتے ہیں رکنِ دیں کے پاؤں
تھمتے نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے

۸۹
دب کر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے
رودیں کماں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے رہ گئے
ہر چند تنگ دل تھے پہ مر مر کے رہ گئے
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

۹۰
سر سے عدو کے خود جُدا، تن سے سر جُدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جُدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جُدا
گھٹنوں سے ہر دو پائے ضلالت اثر جُدا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

۹۱

جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھکر جھکے تو حشر بپا ہو کے رہ گیا
سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے "تا" مگر کوئی "لا" ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

۹۲

سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسولؐ
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جہول
برچھی سے پھل کمان سے شاخیں سپر سے پھول
زہراؑ کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

۹۳

لکھتا ہے اُدھمِ قلم اب سرعتِ عقاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
نعل اس کے ماہِ نو ہیں تو سُم رشکِ آفتاب
سرعت میں برق گرم روانی میں جوئے آب
اڑنے میں اِس فرس کو پرندوں پہ اوج ہے
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے

۹۴

افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
غصّے میں جست شیر کی شوخی غزال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا نقشہ براق کا
دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ بُراق کا

۹۵

نازک مزاج و نسترن اندام و تیز رو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو
گردوں مسیر باد یہ پیما وُ برق دو
دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اُسے نہ جَو
رفتار میں ہَوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی بھی نہ چھل بل میں فرق تھا

۹۶

صرصر سے تند، بُو سے سُبک رو، ہوا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز
چالاک فہم و فکر سے، ذہنِ رسا سے تیز
جانے میں اُڑ کے ہُدہُد شہرِ صبا سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا
رہوار کیا، ہَوا پہ سلیماں کا تخت تھا

۹۷

سمٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا اُدھر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُسکی فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ مرد ہی کا وار تھا

۹۸

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرورِ جاں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں
نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
سرہنگ و جنگ جو و سلح شور و پہلواں
غرّہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

۹۹

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توشِ نابکار
اسفندیارِ عصر و نمودار و نامدار
قوّت میں عمرو و عنتر و مرحب کا یادگار
شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گِل میں تھا
نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

۱۰۰
بارِ گناہ، حاکمِ فاسق تھا خود سر
ذی جوشنِ شقی کا جو تھا ناخلف پسر
تھی روسیاہی پسرِ سعد کی سپر
پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بدگہر
ظاہر کماں سے سرکشیِ بد نہاد تھی
قبضے میں تیغ بدعتِ ابنِ زیاد تھی

۱۰۱
میداں میں یوں بڑھا رجز اس نے بشدّ و مد
گرما رہا تھا رخش کو وہ بانیِ حسد
تھرّائے قلب ہل گئی محراب کی لحد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دعا ملک عقبِ بادپا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

۱۰۲
وہ کفر تھا، یہ دیں تھے، وہ ظلمت یہ نورِ رب
وہ ننگِ روزگار تو یہ عزتِ عرب
یہ رشکِ آفتابِ درخشاں وہ تیرہ شب
یہ خیر میں رسولؐ وہ شر میں ابولہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسم کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے

۱۰۳
تازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا
او خوں گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں سعید ہیں عالی جناب ہیں
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

۱۰۴
یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعویٔ جمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کیا جمال
کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
کی سرکشی اِدھر کہ اُدھر آ گیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا، آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے، وہ پھل ہے غرور کا

۱۰۵
ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
کس کا ہے جد شفیعِ اُمم سیّدِ عرب
روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب نسب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیرِ ذاتِ رب
جو دوست ہے خدا کا پسر اس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علیؑ کے ہیں

۱۰۶
شامی بڑھا اِدھر کو جو بھالا سنبھال کے
پھیری فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
رہوار شیر تن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار لے

۱۰۷
پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
آگے بڑھا حسینؑ کا فرزندِ ارجمند
عقدے ہنر کے کھل گئے بند چھٹنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

۱۰۸
گہ داہنے پہ کبھی بائیں سناں پہ کبھی عناں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر سناں
آنیوں سے اڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
یہ بھی عرق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زور ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

۱۰۹
کرّار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب اِدھر
ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیرِ نر
زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
نیزے سے کارِ تیغ لیا واہ رے ہنر
سر پر بھلا ہوئے ہیں سنّی سے دَنی کہیں
کودی کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی اَنی کہیں

۱۱۰
گرزِ گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذو فنوں
تھا اِن کا ہاتھ بفضلِ خدا سے علیؑ کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

۱۱۱
ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں
چھوڑا شقی نے تیرِ سہ پہلو کہ الاماں
آیا مثالِ پیلِ قوی ہیکل و دماں
تھا سر پہ تیغ تولے کے شہزادۂ جہاں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا نے کماں تھی نہ چِلّا نہ تیر تھا

۱۱۲
رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
کیوں ہمگیں ہے کھینچ کے تلوار منھ پہ آ
او کج نہاد و سرکش و بد کیش و بے حیا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

۱۱۳
لی زرد رُو نے میان سے شمشیرِ برق دم
نکلے سیاہ ابر سے اُٹھے بہم
دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بہ یک علم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
یہ گرد اُڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

۱۱۴
چوٹیں رستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
کس کس ہنر سے روکتے اس بے ادب کے وار
یاد آ گئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
رُخ زرد تھا ہراس سے اس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیؑ ولی کی نبرد کا

۱۱۵
شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
تیغ و سپر میں شیرِ الٰہی کی چال ڈھال
تیور وہی جو اس وہی اور وہی کمال
دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہِ دُلدل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

۱۱۶
ڈھالوں کے پُرزے ہو گئے پیہم زرہ کے جو وار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے

۱۱۷
لایا کلامِ سخت جو لب پر وہ بد زباں
دستِ اجل بڑھا کہ اُٹھی تیغِ جاں ستاں
بس آ گیا جلال میں شہزادۂ جہاں
اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آ گیا
عصفور شاہباز کے پنجے میں آ گیا

۱۱۸

نے وہ تہمتنی تھی نہ وہ زورِ گیو کا
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا
منھ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
کافر وہ تھا کہ ہاتھ بھی مارا جنیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کرّ و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

۱۱۹

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بہ چشمِ تر
بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
یا رب لڑا ہے تیسرے فاقے میں یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بیقرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں

۱۲۰

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
گذری بہارِ زیست کی آیا زمانِ دَے
مایا ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کی شہادت حصول کر
یا رب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر

۱۲۱

مقبول جس طرح ہوئی قربانیِ خلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیل
اس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
میں اس کا ملتجی نہیں اے خالقِ جلیل
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

۱۲۲

مصروف تھا دعا میں اُدھر فاطمہؑ کا لال
بڑھ کر دغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدد میں وہ نونہال
لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں سے تھی جدال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا

۱۲۳

یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بہ دم
فاقوں کا ضعف، پیاس کا صدمہ، پدر کا غم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی یہ ہمت بڑھی ہوئی

۱۲۴

نکلا پرے سے ایک جفاکار و کینہ خواہ
جلایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ
تھا کید میں خلیفۂ شیطانِ روسیاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نکل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہراؑ نکل پڑی

۱۲۵

تھا عشق سے پھوپھی کے تو واقف وہ بدلگام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام
گھبرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
منھ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

۱۲۶

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکسی نہ تھا کوئی اس ماہ رو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

۱۲۷

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ
جو گرز فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
رہوار سے گرا پسر شاہ دیں پناہ
بنت رسولؐ رونے کو منہ ڈھانپنے لگی
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی

۱۲۸

سرکاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
اے نور عین فاطمہؑ اے سبط مصطفےٰ
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
اے بحر فیض اے قمر برج ہل اتیٰ
جلد آیئے غلام پہ احسان کیجیے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجیے

۱۲۹

جس دم سنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کدھر گیا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آ لے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

۱۳۰

ہے ہے مرے شفیق پسر مہرباں پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر
خوش رو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر
کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

۱۳۱

مجھ کو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اے تیرا سید الشہدا کہہ کے پھر پکار
اک بار یا شہ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مر جاؤں گا نہیں جو نہ آواز آئے گی

۱۳۲

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہوں
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
دم توڑ دو تم تو ہے غضب اور میں نہ پاس ہوں
کیوں کر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو

۱۳۳

ناگاہ آئی حضرت زہراؑ کی یہ صدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا
ہے ہے حسینؑ تیرے تڑپنے کے میں فدا
جان اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

۱۳۴

چلّائے سر کو پیٹ کے شبیرؑ نامدار
جویا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار
اماں خدا کے واسطے اکبرؑ سے ہوشیار
کہہ دیجیے کہ آتا ہے بابا جگر فگار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

۱۳۵

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بحر و بر
اٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیرؑ مر گئے

۱۳۶
ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دئیے بیٹے کے لب پہ لب
دیکھا کہ بٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
دل سے نکلے پلٹنے کی حسرت نکال دو
بانہیں اُٹھا کے باپ کے گردن میں ڈال دو

۱۳۷
بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اینٹھی ہے گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو
غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
صدقے پدر اشارے ہی میں مطلب ادا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو

۱۳۸
اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں دیکھا رُخِ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یاں سے اُٹھا کے آلِ پیمبر میں لے چلوں
غم ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلوں

۱۳۹
کی عرض مہلت اتنی کہاں ہے شہِ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم
اب کیجیے قبول کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
ساتھ آئے تھے جو جانے والے وہ دور ہیں
روتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضور ہیں

۱۴۰
شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو دو بس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

۱۴۱
بتلاؤ کس امید پہ یہ نیم جان جیے
دنیا میں جس کا تم سا نہ گڑیل جوان جیے
افسوس شیر قتل ہو اور ناتوان جیے
وہ باپ کس طرح جیے کیونکر وہ ماں جیے
جیتے نہ ہم گذر گئے شرمندگی یہ ہے
ہم دونوں ایک ساتھ مریں زندگی یہ ہے

۱۴۲
یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
دو بار کی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

۱۴۳
نکلی اِدھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایکبار
یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمہ پہ بیقرار
اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار
چھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آئیے کہ حضرتِ زینبؑ نکلتی ہیں

۱۴۴
گھبرا کے شاہِ دیں نے اُٹھائی پسر کی لاش
لائے قریبِ خیمہ جو اس سیم بر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

۱۴۵

سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لئے امام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے میں جان ہے

۱۴۶

زینبؑ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود میں دیجیے بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسم زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

۱۴۷

لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امامِ پاک
سندر رسولِ حقؐ کی بھائی پہ روئے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا غش ہیں دعا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

۱۴۷

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپھی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری
غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

۱۴۸

بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدرداں میں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تو ذاکرِ حسینِ علیہ السّلام ہے
تیری انھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

سلام

کوئی انیسؔ کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ رو کے بیٹوں کے غم میں حسینؑ واہ رے صبر
یہ داغ، ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سوئیں گے پاؤں پھیلا کر
سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد و باغِ بہشت
یہ اشک ہیں وہ گہر جو بہا نہیں رکھتے

بغل میں تھا دیکھ کے رخسارۂ علی اکبر
فلک پہ شمس و قمر یہ ضیا نہیں رکھتے

ابوتراب سے جو پیشوا کے پیرو ہیں / قدم بھی خاک پہ وہ بے رضا نہیں رکھتے

قناعت و گہر آبرو و دولتِ دیں / ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

فشارِ قبر کا ڈر ہو تو اُن کو ہو جو لوگ / کفن میں طُرۂ خاکِ شفا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیرِ منتِ خلق / وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے / کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

قطعہ

غمِ حسینؑ کے داغوں سے دل کرو روشن / خبر لحد کے اندھیرے کی کیا نہیں رکھتے

مسافرِ شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار / چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون و مکاں / سخن کو کان سے جو آشنا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا / وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

نہ لوٹو آل کو اعدا سے کہتی تھی فضہ / نبیؐ کی روح سے بھی تم حیا نہیں رکھتے

سکینہ کہتی تھی کیوں کر نہ دم گھٹے اماں / وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آیا راہ میں جب دم تو کہتے تھے سجادؑ / وہ درد ہیں جو اُمیدِ شفا نہیں رکھتے

تپِ دروں، غمِ فرقت، دمِ پیادہ روی / مرض تو اتنے ہیں اور کچھ دوا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلقِ پاکِ رسولؐ / حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

جہازِ آلِ نبیؐ کیا بچے تباہی سے / تلاطم ایسا ہے اور ناخدا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے / بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

گلوئے اصغرِ معصوم و تیر وا ویلا / یہ ظلم وہ ہیں کہ جو انتہا نہیں رکھتے

شہادتِ پسرِ فاطمہؑ کا ہے یہ الم / کہ تاب ضبط رسولِ خدا نہیں رکھتے

فقط حسینؑ پہ یہ تفرقہ پڑا ورنہ / کسی کی لاش کو سر سے جدا نہیں رکھتے

انیس بیچ کے جان اپنی ہند سے نکلو / جو توشۂ سفرِ کربلا نہیں رکھتے

مرثیہ

۱
جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
اُمت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

۲
دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کوئی اُن کا کٹا نہ تھا
پر معرکہ سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

۳
برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمانِ پیر
گورے نہ اُن کے پاؤں نہ روئے مہِ منیر
لیکن نظر نہ آئے گا اُن کا کہیں نظیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرۂ حقیر
پرخوں قبائیں جسم سے سینے تنے ہوئے
ہو پہنچے ریاضِ خلد میں دولھا بنے ہوئے

۴
رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیِ قمر اُن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
اُڑتا تھا رنگِ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

۵
پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
رخ سے عیاں جلال و جوانمردی و نمود
دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
شیدائے آل شیفتۂ واجب الوجود
پھلنے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینہ کو جلا دے کے مر گئے

۶
تاثیر کر گئی تھی اُنھیں صحبتِ امام
لبریز تھے محبتِ حیدرؑ سے دل کے جام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
ذی قدر، ذی شعور، دلاور، خجستہ کام
لشکر جو آئے ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

۷
لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب
وہ نور، وہ جلال، وہ رونق وہ آب و تاب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال اُن پہ آ گیا

۸
گُل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب چراغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
جعفرؑ کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ
پامال ہو گیا حسنِ مجتبےٰ کا باغ
لاشے اُٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے
جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

۹
صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
مارے گئے جہاد میں جب دم وہ شیرِ نر
نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر
رخصت ہوئے حسینؑ سے عباسؑ نامور
دریا بنے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

۱۰

روتے میں قہر ہے خبرِ مرگِ نوجواں
رتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں
تھا خانۂ علیؑ میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر لٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

۱۱

غل تھا کہ خوں میں بھر گیا سقائے اہلبیت
دنیا سے کوچ کر گیا سقائے اہلبیت
ہم لٹ گئے گذر گیا سقائے اہلبیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقائے اہلبیت
ہے ہے کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زباں اب کسے بچے دکھائیں گے

۱۲

لٹتا تھا خیمہ روتے تھے یوں اہلبیتِ شاہ
صدمے سے حالِ زوجۂ عباسؑ تھا تباہ
چلاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ
ہے ہے میں لٹ گئی مرے بچے ہوئے تباہ
غم سے گرا تھا کوہِ مصیبت حسینؑ پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہؑ کے بین پر

۱۳

ماتم ادھر تھا جشن میں تھے اہلِ شر ادھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر ادھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر ادھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت ادھر ادھر
غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

۱۴

باقی نہیں کوئی تو وغا کو خود آئیے
حیدر کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے
گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں اَنی بھی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

۱۵

کاٹے ہیں جس نے بازوئے لختِ دلِ امیر
ہے خوب آبدار وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو موجود ہے وہ تیر
ہرگز وہ ہے ضرب سے جس کی ہوئے اخیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی وہ ہے جو نکل تھی پہلو کو توڑ کر

۱۶

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ انس و جاں
اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اٹھیں گے وہ عباسؑ نوجواں
حضرت پکارتے ہیں کہ بھائی اب کہاں
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیے وہ شیر مر گیا

۱۷

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام
کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام
سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کا یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ہنگامِ جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

۱۸

ان کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

۱۹
عمو کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر
معلوم ہو گا لاشوں کے جب رن میں ہوں گے ڈھیر
ان ظالموں کے زعم میں اب ہے ہمیں دلیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
مجمع ہے اس طرف ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یوں ہی سہی ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

۲۰
جوہر دکھائیں ہم کو بہادر ہیں جو بڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ غول کے گر پڑے
تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر شیر ہیں

۲۱
ہم کو یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے بحالِ جانِ دردمند
کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
کاٹیں تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

۲۲
گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشکِ ماہ
فرمایا خیر کہہ لیں جو کہتے ہیں روسیاہ
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے الٰہ
غصہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے کس طرح دیکھو گے باپ کو

۲۳
برہم نہ ہو تمھیں سرِ شبیر کی قسم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
لو گھر میں جاؤ خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بد دعا کروں
پر امت نبی کی ہے بجز صبر کیا کروں

۲۴
یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفےٰ
وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھائے ہمیں خدا
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملی گر تو موت ہے

۲۵
کیا پہلے سر کٹائے گا یا شاہِ زماں
آگے جو کچھ رضائے خدا اے پدر کی جاں
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ ہاں
جیتے ہیں پیر سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے وہ دریا پہ سوتے ہیں

۲۶
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بہ چشمِ تر
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

۲۷
چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

۲۸

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے لڑے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا، ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گیا
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

۲۹

بہرِ رسول رن کی رضا دیجیے مجھے
صدقہ علیؑ کا اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام جِلا دیجیے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبرؑ نثار ہو

۳۰

شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہو گے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے بنے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

۳۱

راتیں یہ عیش کی ہیں مرادوں کے ہیں یہ دن
پورے جواں نہیں ابھی کیا ہے تمھارا سن
اکبرؑ تری جوانی پہ روئیں گے انس و جن
کیوں کر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بِن
کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

۳۲

دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوں ہی کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اسے رخصتِ جدال
کیا جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

۳۳

تسلیم کر کے بولے علیؑ اکبرِ غیور
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور
برچھی لگا کے دل پہ خوشامد کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

۳۴

ہیں مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار
ہاں ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اُس کو آئے گا

۳۵

سب جانتے ہیں جو ہے پھوپھی کو تمھاری چاہ
معلوم ہو گا جاؤ گے جب سوئے خیمہ گاہ
باہیں گلے میں ڈالے گی زینبؑ بہ اشک و آہ
قدموں پہ گر کے آپ کی ماں ہو گی سدِّ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

۳۶

حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولہا بنے پسر
آئے دلہن جو چاند سی آباد ہو یہ گھر
پوتے کی آرزو میں ہے اک سوختہ جگر
نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
ہر دم یہی ہے ذکر جو فضلِ الٰہ ہو
اٹھارویں برس علی اکبر کا بیاہ ہو

۳۷

ماں کہتی تھی بناؤں گی دولہا اسی برس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا نہ ان کا بس
مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
ہم بھی مریں گے خیر نہیں اتنا پیش و پس
شکوہ ہے چرخ کا نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

۳۸

روتے ہوئے چلے علیؑ اکبر سوئے خیام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی پہ آیا وہ نیک نام
کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آکے بالی سکینہؑ چمٹ گئی
زینبؑ بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

۳۹

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گل عذار
در پہ تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
تم صبح سے گئے تھے اب آئے یہ ماں نثار
کھولو بس اب کمر کو مرا دل ہے بیقرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

۴۰

تر ہے قبا پسینے میں پنکھا کوئی ہلاؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی بیٹھ جاؤ
سونلا گئے ہو دھوپ میں واری ہوا میں آؤ
گھٹ جائے گا لہو مرا آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

۴۱

صغراؑ کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر
اکبرؑ نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر
جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیر النساءؑ کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

۴۲

اس وقت کس سے دردِ دل اپنا کہوں میں آہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
تم بھی ہو سدِّ راہ پھوپھی بھی ہیں سدِّ راہ
اماں مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

۴۳

دیتے نہیں رضا جو امامِ فلک اساس
اب غیر یاس کوئی نہیں ان کے آس پاس
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھوپھی کا پاس
ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
کیوں کر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

۴۴

عباسؑ جب سے مر گئے روتے ہیں دم بہ دم
چلوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیٔ ستم
رخ زرد ہے کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہؑ پہ ہم
سب روکتے ہیں رن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو پھوپھی کو بہنوں کو بھائیں کس طرح

۴۵

بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ
راضی پھوپھی ہوں جب تو لڑوں اور زخم کھاؤں
یا فاطمہؑ تمھیں علی اکبرؑ کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر ستم مشرقین پر
زغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسینؑ پر

۴۶

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیِ پسر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
دولت پہ فاطمہؑ کے تصدق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لئے تمھیں کب روکتی ہوں میں

۴۷

زہراؑ کے لال پر مرے مادر پدر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا، لاکھ سر نثار
عابدؑ نثار، اصغرؑ تشنہ جگر نثار
قربان گھر کنیز تصدق، پدر نثار
گھبرائی گو کہ ہوں پہ بہو میں علیؑ کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

۴۸

مجھ پر حوالے کرتے ہیں گر شاہِ خوش خصال
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال
رخصت کا صدقے جاؤ پھوپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

۴۹

کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا نہ شب کو شب
لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
لیجے انھیں سے آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ نہ سیدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

۵۰

روتے ہوئے گئے علی اکبرؑ پھوپھی کے پاس
زانو پہ سر لیے ہوئے کبرا ہے بے حواس
دیکھا کہ غش پڑی ہیں زمیں پر وہ حق شناس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلامِ یاس
اب تاب و طاقتِ جسد و روح و دل گئی
کیوں صاحبو رضا علی اکبرؑ کو مل گئی؟

۵۱

اکبرؑ سے مجھ کو یہ نہ توقع تھی ہے غضب
اس گل نے ہائے میری ریاضت بھلائی سب
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بہ لب
نامِ خدا جواں ہوئے کیا ہم سے کام اب
ہیں محو رن کے شوق میں رخصت کے دھیان میں
سچ ہے کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

۵۲

یا بے ہمارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم
مالک اب اور ہو گئے کوئی ہوئے نہ ہم
ہے ہے وہ میرا درد مصیبت وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں جو چونک کے راتوں کو ڈرے ہیں
پوچھو تو کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں

۵۳

کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
روئیں پسر یہ اِن کو رُلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو میں تھی ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

۵۴

ہر چند دونوں تھے مرے فرزند خورد سال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
پر اِن کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
میں کہتی تھی ہٹو علی اکبرؑ ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

۵۵

چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بار ہا
دن رات تھی خوشامدِ ہمشکلِ مصطفےٰ
آقا کے نورِ عین ہیں عالی مقام ہیں
پر عون کیا عقیل تھا بخشے اُسے خدا
سینے پہ جب یہ سو گئے تو اس نے یہی کہا
اماں یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

۵۶

رہتے تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر
غافل نہ اُن کے پیار سے میں ایک آن تھی
الفت میں اِن کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
صورت پہ تھی انھیں کی تلاوت میں بھی نظر
قرآں تو رحل پر تھا حمائل میں جان تھی

۵۷

میں نے انھیں پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال
کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو

۵۸

بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
بھیگیں مسیں نمود ہوا سبزۂ عذار
ثابت ہوا اِدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
اب کیا غرض گذر گئی وہ فصل وہ بہار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک آئیں گے

۵۹

باہر سدھارے یا ابھی ہیں ماں سے ہم کلام
سینے پہ منھ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
خادم جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
بھابی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام
آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام
کس جرم پر حضور خفا ہیں حقیر سے

۶۰

کیا ہے قصور جس پہ یہ غصہ ہے یہ عتاب
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیِ جناب
شکوہ یہ خاکسار کا اے بنتِ بوتراب
پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

۶۱

پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کرتی ہے روح شکر وہ راحت مجھے ملی
رکھا عزیز آپ نے عزت مجھے ملی
کی مہر آفتاب نے ذرہ چمک گیا

۶۲

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام
روتی ہیں آپ کس لیے اچھا نہ جائیں گے
بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک ہے ہم کو کام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
پر یاد رکھیے منھ نہ کسی کو دکھائیں گے

۶۳

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحالِ زار
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
شکوے کے بدلے منھ سے یہ نکلا کہ میں نثار
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

۶۴

لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو
صدقے ہے تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں منگاؤ سواری خفا نہ ہو
آئے بلا حسینؑ پہ جو اس کو رد کرو
اچھا سدھارو دکھ میں پدر کی مدد کرو

۶۵

الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
کبرا کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
اٹھا یہ دل میں درد کہ تھرّا گیا جگر
کیا ماجرا ہوا مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار انکا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجہ نکل گیا

۶۶

کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال
ہے ہے مری کمائی پہ آ جائے گا زوال
بےہوش ہوں حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اس کا سند نہیں

۶۷

میں ہوش میں نہ تھی یہ قدم پر گرے تھے جب
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی ہے طلب
میں بھی کہوں یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب
اکبرؑ کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ہے غضب
اصلاً خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا اکبرؑ نے کیا کہا

۶۸

کیا کہہ دیا کہ مرنے کو جائے یہ گل بدن
بےخود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہ زمن
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبرؑ کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل نہ زباں اختیار میں

۶۹

زندہ دلہن میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں
اٹھارواں برس ہے دلہن تو مجھے دکھائیں
اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں غم کھائیں
پالا ہے ننھے پن سے مرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

۷۰

رخصت کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
گر سن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر
ایسا نہ ہو کہ بانوئے بےکس کو ہو خبر
پیارا ہوا نہ سبط علیؑ کو مرا پسر
سمجھیں تھیں کیا جو دی لے رخصت جدال کی
زینبؑ نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

۷۱

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں
ہوں لاکھ ان کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے ہو صاحبو کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں پھر غیر غیر ہے

۷۲

ماں کی نہ کم ہو بھی اور نہ کسی کا پیار
بلبل فدا ہے گل پہ شکایت کرے ہزار
غصہ ہو یا کہ سخت کہے دل میں ہے نثار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ نام خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال پھر اُنکی تو جان ہیں

۷۳

جس دم سُنے یہ دُور سے بانوؑ نے سب کلام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
کس کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
آئی قریب حضرتِ زینبؑ وہ نیک نام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا

۷۴

لونڈی ہے فاطمہ کی کنیزوں میں یا خدا
حضرت کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
کچھ جائے گفتگو ہے نہ ماں کو نہ باپ کو
ہو قطع وہ زباں جو کرے آپ کا گلا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

۷۵

غم کھائیے نہ خونِ جگر آپ پیجیے
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
عابدؑ کو بھیج دیجیے اصغرؑ کو بھیجیے
قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجیے
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

۷۶

گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
کبریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو سب کو عزیز ہوں
شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبرؑ کی دائی ہوں
بھاوج مجھے نہ جانیے ادنیٰ کنیز ہوں

۷۷

آپ اس کی ماں ہیں آپ کا فرزند ہے یہ لال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال
آپ اس کو چاہتی ہیں یہ صدقے ہے آپ پر
دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۷۸

قسمت بُری ہے اس میں کسی کا قصور کیا
پروا ہماری ہے نہ خیال ان کو آپ کا
عابدؑ ہوں یا کہ یہ بھی آنکھوں کے تارے ہیں
اچھا رہیں کہ جائیں ہمارا بھی ہے خدا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں اُن پر بھی ہیں فدا
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں نہ ہمارے ہیں

۷۹

یہ سُن کے کانپنے لگی زینبؑ جگر فگار
اللہ یہ محبتِ فرزند اور یہ پیار
رخصت نہ دے گی تو اگر اس نورِ عین کو
آئی صدا اے فاطمہؑ جیتی یہ ماں نثار
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسینؑ کو

۸۰

آواز سُن کے کانپ گئی بنتِ مرتضیٰ
دادی سدھارو خیر جو کچھ مرضیٔ خدا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے اکبرؑ سے یہ کہا
ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
بنتِ نبیؐ تمھاری سفارش کو آئی ہیں

۸۱

تسلیم کر کے خیمے سے وہ سیم بر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
لٹتے ہیں اہلِ بیت دہائی امام کی
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
چلاتی تھی پھوپھی مرا لختِ جگر چلا
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

۸۲
بھائی کے غم سے عابدِ بیکس تھے بے قرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا ترے نثار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحالِ زار
اک حشر تھا جدا علیؑ اکبر جو ہو گئے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغرؑ بھی روتے تھے

۸۳
برپا تھا خیمہ رانڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی اِدھر کو غش تھی کوئی تھی اُدھر پڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسینؑ کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

۸۴
نکلا حرم سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضورؑ
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکم شہِ نامدار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

۸۵
گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براق فلک سیر راہوار
صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

۸۶
حضرت تو یاں زمیں پہ گرے تھام کر جگر
جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسین غیرتِ قمر
چہرہ پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

۸۷
ہے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی
خوشبو ہے زلف و جسم میں مشک و گلاب کی
سر تا قدم ہے شانِ رسالت مآب کی
تصویر ہے رسولِ خدا کے شباب کی
گھوڑے کے گرد جنّ و ملک کا ہجوم ہے
صلِّ علی النبیؐ کی بیاباں میں دھوم ہے

۸۸
روشن کیا ہے روئے منور نے راہ کو
اُس رخ پہ نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
آغوش میں لئے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

۸۹
یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
چلائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا
ہنگامِ ظہر تھا یہ گمانِ سحر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلیٔ طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

۹۰
غش ہوگیا کوئی کوئی گر کر سنبھل گیا
صلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
چمکا جو نور دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریائے نورِ حق کا فقط اوجِ موج تھا
سب پست تھے زمیں کے ستارے کا اوج تھا

۹۱

صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا
ذرّوں کو آفتاب درخشندہ کر دیا
جو مردہ دل تھے دم میں انھیں زندہ کر دیا
گردوں کو اس زمین نے شرمندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش کے ہم دست ہو گیا
جلوے سے اوجِ کاہکشاں پست ہو گیا

۹۲

اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان
تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حمزہؑ کا رعب، زورِ علیؑ، مصطفٰی کی شان
پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
شیرینیٔ کلامِ حسنؑ بات بات میں

۹۳

کچھ حسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب
اپنی جگہ یہ خال کے نقطے ہیں انتخاب
وہ گل سا جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
پتلی کا نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن کی ضو میں طور تجلّیِ طور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

۹۴

دل پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک
غرفوں سے جس کے حسن کی حوروں کو جھانک تاک
طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
یوسفؑ جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک
نام اس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اس پہ دم کیا

۹۵

کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف نہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
رکھتی تھی رعب یہ نہ عجم نے عرب کی آنکھ
غصہ ستم کا، قہر کی چتون، غضب کی آنکھ
پانی تھا خوفِ جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

۹۶

غل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
حسنِ بہارِ باغِ جوانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے دہن اس دقیق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

۹۷

کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
قامت یہ ہے کہ سروِ گلستانِ اعتدال
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی

۹۸

زخمی جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسارِ نازنیں
پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوئے دل حزیں
پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہِ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوبؑ بھی جو ہوں تو کلیجہ نکل پڑے

۹۹

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام
یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
لوٹو جنابِ فاطمہ زہراؑ کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

۱۰۰

تصویرِ مصطفیٰ کی مٹائے گا آج جو
محبوبِ کبریا کے مشابہ ہے گر تو ہو
کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وہ
اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو
ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور وہ ایک ہے

۱۰۱

دنیا نہ جائے دین کا گر ہو تو ہو ضرر
تم آبدیدہ ہو لبِ خشک اس کے دیکھ کر
ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
قطرہ نہ دو دل میں گھٹنیوں اصغرؑ بھی آئے گر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰ میں کسی کا نشاں نہ ہو

۱۰۲

ہاں نامزدو نہ اس کی جوانی کا غم کرو
برچھی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو
نیزے پہ نیزے مارو ستم پر ستم کرو
نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو
بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسینؑ

۱۰۳

چھد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر
تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
نکلے گی خیمہ گاہ سے زینبؑ برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

۱۰۴

یہ گل عذار دخترِ حیدر کی جان ہے
بابا کی روح ہے تنِ مادر کی جان ہے
بہنوں کی زندگی ہے برادر کی جان ہے
بے جاں کرو اسی کو یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن یہی ہے بازوئے برنا و پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

۱۰۵

یہ سن کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد
غل سن کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد
دردِ دلِ حسینؑ کا تھا ایک کو نہ درد
کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہِ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی دال علی اکبرؑ پہ چھا گئی

۱۰۶

قرنا بجی سپاہ میں طبلِ وغا بجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا
باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جابجا
چلائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو علی اکبرؑ اکیلے ہیں

۱۰۷

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے
چومے قدم زینب نے جھک کر یہ جب بڑھے
تنہا ادھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
گویا پئے جہاد امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

۱۰۸

ڈھالوں کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود
تھرا گیا تمام جنودِ سقر ورود
گو تھے کئی ہزار پہ کیا ان کی ہست و بود
نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ دہ چند ہو گئی
باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہو گئی

۱۰۹

جرار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ
چمکا ایک آئینہ کہ ہوئی فوجِ شام دنگ
صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغ شعلہ رنگ
دکھلا کے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

۱۱۰

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی

۱۱۱

جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
پس دفعۂ سیاہ کا دفتر الٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بے کار ہو گئے

۱۱۲

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی
جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوجِ شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغ تیز نہیں موت آتی ہے
کیوں کر قدم تھمیں کہ زمیں سرکی جاتی ہے

۱۱۳

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر ادھر
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر ادھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

۱۱۴

بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی
چار آئینہ کٹا زرہِ خیرہ سر کٹی
سینہ کٹا جگر ہوا زخمی سپر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
اِن سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

۱۱۵

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک
شعلے میں یہ چمک تھی نہ بجلی میں یہ لپک
کانپی کبھی زمیں کبھی تھرا گئے فلک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

۱۱۶

سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن اُلٹ گئی
آ کر زمیں پہ جب سوئے گردن پلٹ گئی
باقی تھی جتنی عمر تہِ تیغ کٹ گئی
بجلی سے رعد، رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیل امیں کانپ کانپ کے

۱۱۷

ملتا نہ تھا صفوں میں علم کا نشاں کہیں
نیزے کہیں تھے ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
چلے کہیں تھے شست کہیں اور کماں کہیں
جمدھر کہیں کمند کہیں برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

۱۱۸

بجلی گری اٹھی اِدھر آئی اُدھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالا سے سر گئی
خالی کئے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

۱۱۹

سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اڑ گئے
ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سر تن سے اڑ گئے
پائی جو راہ طائرِ جاں تن سے اڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبرؑ تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

۱۲۰

اللہ رے وہ آبِ تیغِ دو دم کی کاٹ
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
آفت تھی جس کی باڑھ قیامت تھا جس کا گھاٹ
ہر دم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغزِ قلم جانتی تھی وہ

۱۲۱

آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
ہر اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی
تھالے اڑا دیا وہی سر جس کو پا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئینہ کا کاٹ اسی پر حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے خود تو منھ کا نوالہ تھا

۱۲۲

یارا فرار کا تھا نہ صورت قرار کی
رومی تنوں کو تاب نہ تھی ایک وار کی
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
ٹکڑے تھے ہاتھ وہ کہ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منھ وہیں کٹ جائے گیو کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچہ تھا دیو کا

۱۲۳

اتری زمیں پہ تو وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اتری یہ کب چڑھی
دم بھر میں آبِ تیغ کی ندی غضب چڑھی
سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تپ چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ سبک ظرف تل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

۱۲۴

زندہ کسی کو تیغِ دو دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

۱۲۵

قعرِ سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے
قبضہ میں تھا نہ زور نہ بازو درست تھے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
کھینچیں کسے کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی تھے قلم یہ نیا شاخسانہ تھا

۱۲۶

تینوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جو پھینکنے لگے
مغفر سروں کے مثلِ سبو پھینکنے لگے
ننگا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

۱۲۷

کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں
ابھاتے تھے کمند کیانی کمان میں
رعشہ تھا اُن کے ہاتھ میں، لکنت زبان میں
ترکش میں تیغ رکھتے تھے نیزوں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منھ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

۱۲۸

بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے
حملہ کیا جو تیغ دو دم تول تول کے
پہلے انھیں کو مار لیا رول رول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم سے عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

۱۲۹

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
رستہ تھا ایک ادھر وہ گئے یا اُدھر گئے
جس گھاٹ پر جو آئے سر اُن کے اتر گئے
پھر پھر کے ہر طرف سے میان سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں آب اُن کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب میں پانی نے آگ میں

۱۳۰

وہ حرف وہ شکوہ وہ شان پیمبری
وہ تیغ خوں چکاں وہ جلالِ غضنفری
نعرے وہ زور و شور کے وہ ضربِ حیدری
راکب جو رشکِ حور تو رہوار تھی پری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اڑ جاتا تھا ہما کی طرح اور پر نہ تھے

۱۳۱

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں
گنڈے کو دیکھ کر نہ فدا ہووے سرنگوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں کنوتی کو کیا کروں
قرباں ہزار جان فرس بے نظیر پر
سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

۱۳۲

کوتاہ و گرد و صاف کنوتی کمر کفل
سیماب کی طرح نہیں آرام ایک پل
کیا خوش نما کشادگی سینہ و بغل
پھرتا تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی اس کے لیے تازیانہ تھا

۱۳۳

وہ جست خیز سرعتِ چالاک کی سمند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم، سر بلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

۱۳۴

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
کبکِ دری خجل پرِ طاؤس پائمال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

۱۳۵

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا
گر قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

۱۳۶

جب اُس جری نے قتل کیے پانچ سو جواں
چلّایا ابنِ سعدِ سیہ قلب و سخت جاں
ہر صف سے ہر پرے سے اُٹھا شورِ الاماں
نکلیں وہ دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیے
اس ناتواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

۱۳۷

فاقہ ہے تین روز کا سولہ پہر کی پیاس
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس
برساؤ تیر دور سے جاؤ نہ اس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب تھم سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

۱۳۸

یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
پھر عقب سے پڑنے لگے رو بہ رو سے تیر
سب سرخ تھے شبیہ نبیؐ کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِ عین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسینؑ پر

۱۳۹

سینے پہ تیر کھا کے اٹھا یا جو راہوار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ آبدار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک کے پار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ وہ رخ ان کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

۱۴۰

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی تھی غش کی سر اک جھک گیا
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

۱۴۱

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھراتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ نکال کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

۱۴۲

نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
قربانِ جرأتِ پسرِ شاہِ نامدار
ماری جھپٹ کے دوڑ کے اک تیغِ آبدار
پہونچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

۱۴۳

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز بے ستم
رکھ دی گلے پہ شبث نے شمشیرِ تیز دم
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کہ وہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہرو کی لاش پر

۱۴۴

حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
ناگاہ رن سے آئی صدا اے فلک جناب
سن کر یہ غل رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
بیٹا جہان سے جاتا ہے اب آئیے شتاب
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

۱۴۵

سن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال
سیدانیوں نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال
ہے ہے پسر پہ کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اجڑ گئی

۱۴۶

نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
گرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر پدر پدر
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرا پسر
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ اسی کی ہے پہچانتی ہوں میں

۱۴۷

بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نامدار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بے قرار
اٹھتے تھے اور زمیں پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہِ پیمبرؐ ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہیں

۱۴۸

بیٹا پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
اے نورِ عین جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجہ نکال کے

۱۴۹

آؤں کدھر کو اے علی اکبرؑ جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
اکبرؑ برائے خالقِ اکبر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

۱۵۰

کچھ سوجھتا نہیں کہ کدھر جاؤں کیا کروں
اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں کیا کروں
مضطر ہے جان و دل کے سمجھاؤں کیا کروں
کیوں کر پسر کو ڈھونڈھ کے میں لاؤں کیا کروں
پایا تھا مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لال ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

۱۵۱

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جسمِ زار زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اس کا ہاتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

۱۵۲

جنگل سے بے حواس پکارے نہر پہ گئے
واں بھی جو وہ گہر نہ ملا سوئے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہ رو ملا

۱۵۳

جا کر صفوں کے پاس پکارے بااشک و آہ
ہے کس طرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالمو یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

۱۵۴

لاشِ پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر
کہتا تھا شمر اے پسرِ سیدالبشر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

۱۵۵

یہ سن کے کھینچ لی شہِ والا نے ذوالفقار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار
چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

۱۵۶

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشمِ نم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیرِ غم
ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
اکبرؑ کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ آفتاب مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے صدقے رکاب کے

۱۵۷

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشمِ تر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ سرو قد ملا تو مگر نیم جاں ملا

۱۵۸

دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں
پیکاں گلے میں ہونٹوں سے نکلی ہوئی زباں
گردن تھی کج پھری ہوئی آنکھوں کی پتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

۱۵۹

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں واکر کے چشمِ تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے جانِ جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

۱۶۰

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ رہے یہ پیر جواں یوں جہاں سے جائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

۱۶۱

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گل عذار
آنکھیں تو کھولو کہ مرا دل ہے بے قرار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبرؑ تمھاری ماں نہ بچے گی فراق میں

۱۶۲

غش میں سنا جو ہیں علی اکبرؑ نے ماں کا نام
سوکھی زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی میں جان ہے

۱۶۳

فرمایا شہ نے اے علی اکبرؑ میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستمگر میں کیا کروں
پانی نہیں ہے مجھ کو میسر میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دلبر میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا تمھاری ساقیِ کوثر مدد کریں

۱۶۴

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا حلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
اتنی زباں ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
انگڑائی لے کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

۱۶۵

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
نکلی حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال
یعنی اِدھر ہوا علی اکبرؑ کا انتقال
گویا جنابِ سیدہؑ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اُس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گردِ آفتاب کے

۱۶۶

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے ابرِ شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے آسماں وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ارضِ کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سناں سے جان گئی میہمان کی
بستی کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

۱۶۷

اے میرے لمبے گیسوؤں والے کدھر ہے تو
واری کہاں لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
ہے ہے مری غریبی کے پالے کدھر ہے تو
کیوں کر پھوپھی جگر کو سنبھالے کہاں ہے تو
اٹھارھواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

۱۶۸

ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں
صفدر جواں شکیل جواں نازنیں جواں
خوش رو جواں غریب جواں مہ جبیں جواں
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسیں جواں
آغاز تھیں مسیں ابھی ایسے سِن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

۱۶۹

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بے حواس اِدھر سے وہ نوحہ گر
سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدھر سے لاش لیے شاہِ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

۱۷۰

ہاں شاہِ دیں کے تعزیہ دارو بکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے پہ مارو بکا کرو
ہاں اے خدا کے دوست کے پیارو بکا کرو
اکبرؑ جہاں سے اٹھ گئے یارو بکا کرو
سمجھو شریکِ بزم شہِ مشرقین کو
دے لو جواں بیٹے کا پُرسا حسینؑ کو

۱۷۱

اولاد والو درد کرو شہ کے دل کا یاد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیرؑ خوش نہاد
نے آج کی خبر ہے نہ ہے کل کا اعتماد
بیٹا جہاں سے اٹھ گیا ناشاد و نامراد
خوش رو تھے خوش مزاج تھے شیریں بیان تھے
پیشو جوانو اکبرؑ مہ رو جوان تھے

مرثیہ ۱

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
قبضے کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

۲

بے چین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

۳

پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
بیوہ ہوئی اک شب کی دلھن وائے مصیبت
لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
بے شمع ہوئی قبرِ حسنؑ وائے مصیبت
تازہ تھیں پھر بھائیؑ کا غم ہو گیا آقا
دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا

۴

کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیرِ دو دم دیکھ رہے ہیں
کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
دنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے
کیا جانے مرے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

۵

یاد آتی ہے بھائیؑ کی وصیت مجھے ہر بار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غم خوار
عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائیؑ
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائیؑ

۶

تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہِ امم سے
ٹپکا کیا چہرہ پہ لہو دیدۂ نم سے
دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
قاسمؑ کے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

۷

واللہ کہ قاسمؑ کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
سرسبز ہوا سیدۂ معصوم کا محبوب
سامان وہی ہو گیا جو تھا انہیں مطلوب
اک ہم ہیں کہ بہنوں سے خجل بھائیؑ سے محجوب
منہ زینبِؑ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
بھاوج کے بھی پُرسے کے لیے جا نہیں سکتے

۸

سمجھے شہِ والا یہ کنایہ یہ اشارا
ہم نے بھی تو صدمے سہے اور دم نہیں مارا
رو کر کہا کیا خواہشِ تقدیر سے چارا
گودی کے پلے مر گئے گھر لٹ گیا سارا
یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا
اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

۹

سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جاں
سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آساں
بھائی ہیں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں
اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احساں
بھائی کی خوشی خلق میں سب کرتے ہیں بھائی
ہم تم سے رضا رن کی طلب کرتے ہیں بھائیؑ

۱۰

بیتاب ہے دل پیار کریں ہم تمھیں آؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
داغِ غمِ فرزندِ جواں سہہ نہ سکیں گے
اکبرؑ بھی کچھ اس امر میں پھر کہہ نہ سکیں گے

۱۱

تھرّا گئے عباسِ علیؑ سن کے یہ تقریر
آقا کے تصدق سے ملی ہے مجھے توقیر
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
بخشش تو کریموں کا دستور ہے آقا
میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا

۱۲

سر دینے کو موجود ہوں اے کل کے مددگار
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غم خوار
جان دینے میں صرفہ ہے نہ حجت ہے نہ تکرار
تم دیتے ہو کچھ، ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بندِ علیؑ ہو
دو رن کی اجازت تو یہ جانیں کہ سخی ہو

۱۳

عباسؑ نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجے
میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
مشہور ہے جرار غلام آپ کا سب میں
عزت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

۱۴

گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبدِ وفادار
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرار
فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمدِ مختار
مخدومۂ کونین خوش ہوں گی کہ بے زار
ان قدموں کو چھوڑا ہے کبھی یاد تو کیجے
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے

۱۵

شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
کفنائیو زہراؑ کی ردا میں تنِ بے سر
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
رکھیو تمھیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
سمجھائیو ناموسِ شہنشاہِ زمن کو
پُرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو

۱۶

عباسؑ نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
عابدؑ کا گلا طوقِ گلوگیر میں دیکھیں

۱۷

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
اشک آنکھوں سے برسے صفتِ ابرِ بہاری
اچھا وہی ہوئے گا جو مرضی ہو تمھاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے

۱۸

یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
فضہ نے کہا زینبِ دلگیر سے ناگاہ
عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
میدان سے آتے ہیں ادھر سیدِ ذی جاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

۱۹
زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسِؑ دلاور
فرمایا یہیں تھی سببِ گریۂ سرور
روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبیؐ کا
ساماں یہ ہے رخصتِ عباسِؑ علیؑ کا

۲۰
بر سن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیمبرؐ
بانوئے علیؑ اکبرؑ کے لیے ہو گئی مضطر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسِؑ دلاور
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
بولیں کہ یوں ہیں حال مرا غیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

۲۱
یہ کہہ کے چلی جانبِ در شاہ کی ہمشیر
داخل ہوئے ڈیوڑھی میں اِدھر حضرتِ شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبرؐ کی بلائیں
اک ہاتھ سے عباسِؑ دلاور کی بلائیں

۲۲
خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
یہ روتے ہیں جوں جوں انھیں سمجھاتے ہیں بہنا
بھائی تو ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں بہنا

۲۳
بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم
مل جائے رضا ان کی تقاضہ یہ ہے ہر دم
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم
مر جائے گا عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم
یہ غیظ میں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
کہتے ہیں چلا جاؤں گا روضے پہ علیؑ کے

۲۴
یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی اُن سے نہ ہوگا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا
اس وقت میں عباسؑ تمھیں چھوڑیں گے تنہا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

۲۵
دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
جرار و وفادار و مددگار و فدائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
رخصت ابھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دوں گی

۲۶
ساتھ ان کے اگر آج نہیں اور یہ غمخوار
پالا ہے انھیں گو وہ ہیں کیا میں نہیں مختار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؑ
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؑ

۲۷
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
زینبؑ نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
لے جا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ
تم کو سرِ زینبؑ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہ ہوگے تو کدھر جائیں گے شبیرؑ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائیں گے شبیرؑ

۲۸

عباسؑ نے رو کر کہا اے ثانیِ زہراؑ
سر دینے کو میدان میں چلتے تھے شہِ والا
مرجانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
رکتے نہ جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
مرجانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
شبیرؑ نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا

۲۹

خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
نے دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا
فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؑ کا جانا
جرّاروں کے سر جسم پہ جس کے لیے ہیں
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

۳۰

آگے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبیرؑ
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر
صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
مرجاؤں میں اکبرؑ پہ جو تولے کوئی شمشیر
اس گھر کی غلامی کا سبب منظورِ نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

۳۱

روکو نہ مجھے سیّدِ ابرار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرار کا صدقہ
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
دلوا دو رضا احمدِ مختار کا صدقہ
میدان میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؑ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

۳۲

کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا ہائے مقدر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور
دلوادوں میں بھائی سے رضا بھائی کو کیونکر
جینے کے نہیں جیتے رہے راضی بھی ہوئے گر
بہلانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمنؑ نے
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے

۳۳

یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبِ بے پر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
کی عرض نہیں مانتے عباسِ دلاور
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر

۳۴

روتے ہیں کہ ہمشکلوں میں اب ہوتا ہوں محجوب
خیر اب وہی کیجے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی بہ رضا ہیں
بندے کے تو سب امر محوّل بہ خدا ہیں

۳۵

فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
شبیرؑ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
لو داغِ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے تمھیں وہ باغ مبارک
شبیرؑ کے سینے کے لیے داغ مبارک

۳۶

عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
بانوؑ نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
اس طرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی

۳۷

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
زینبؑ نے کہا آئی ہے وہ عاشقِ عباسؑ
اودے ہوئے جاتے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
عباسؑ نے گودی میں لیا آکے بصد یاس
بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے

۳۸

عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی
شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لو گود سے اترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

۳۹

یہ سنتے ہی اس پیاسی میں اک جان سی آئی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبیرؑ کی جائی
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
میں رن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھارو
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو

۴۰

عباسؑ نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
اور آگے مری جان جو اللہ کو منظور
مشکیزہ بھرا اور ہوئے خرم و مسرور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
وعدہ کریں کیونکر کہ بھروسا نہیں دم کا

۴۱

بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
ہر چند کہ بے آب مری زیست ہے مشکل
کیوں مشک انھیں دوں کہ نہ دوں اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
حضرتؑ نے سنیں حضرت عباسؑ کی باتیں
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

۴۲

بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ذی جاہ
پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
تم پیاسی ہو کس طرح تمھیں منع کروں آہ
دو مشک انھیں خیر جو کچھ مرضیِ اللہ
کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سکینہؑ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہؑ

۴۳

یہ سن کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصد غم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدرؑ نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

۴۴

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو، شجاعت نے قدم کو

۴۵

جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادمِ درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وجد ہو یہ حال ہے میرا
عزت نے کہا اوج پہ اقبال ہے میرا

۴۶
استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
تھا متصلِ برجِ شرف نیّرِ اعظم
دونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اس دم
عالم میں نظر آنے لگا نور کا عالم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکر میں پڑے تھے
گویا کہ علیؑ عرش کے پہلو میں کھڑے تھے

۴۷
اسوارئ علم خوارِ امامِ زمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گلِ یاسمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلھن آئی
آمد درِ دولت پہ ہوئی کبکِ دری کی
مرغانِ چمن بھول گئے چال پری کی

۴۸
گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسِؑ فلک جاہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
روحِ اسدُاللہ چلی شیر کے ہمراہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
اس بیچ کا جواں عرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدر میں اور اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

۴۹
داؤدی زرہ ہے اسی انداز سے بر میں
غصہ وہی چتون وہی ہے رعب نظر میں
ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
برپا تھی قیامت شہِ ذی جاہ کے گھر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شبیرؑ
ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیرؑ

۵۰
جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا
پھرتا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
جرار، وفادار، دلاور نظر آیا
سب فوج کو نورِ رخِ حیدر نظر آیا
گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہے خدا کی
دی خاک کے ذروں نے صدا صلِ علیٰ کی

۵۱
غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور
کہتی تھی یہ گیتی کہ انا النور انا النور
ہم پنجہ ہو پنجہ سے، یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزیِ افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریمؑ کی طرح پاک پھریرا

۵۲
زرریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند
تھی اس کی ضیا آئینۂ مہر سے دہ چند
یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی
اوڑھے ہوئے اک سبز ردا حور کھڑی تھی

۵۳
اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی
پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی
تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سبزیِ چمن سرخیِ رنگِ شہِ دیں تھی
سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

۵۴
غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
زرریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا شجر کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

۵۵

ناگاہ بڑھے حضرتِ عباسِ فلک جاہ
اشعارِ رجز پڑھتے کہ چلی سیفِ ید اللہ
ذروں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے روباہ
دم بند تھے دہشت سے فصیحانِ جہاں کے
کھلتی تھی فصاحت کہ نثار ایسی زباں کے

۵۶

نعرہ تھا کہ میں شیرِ نیستانِ علی ہوں
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
جرار ہوں صفدر ہوں شجاعِ ازلی ہوں
میں جوشنِ بازوئے ولی ابنِ ولی ہوں
گھر ہے وہ ملک برجِ شرف کہتے ہیں جس کو
جثہ ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو

۵۷

پڑھ کر یہ رجز میان سے لی تیغ جری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبکِ دری نے
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیمِ سحری نے
اڑ کر گیا اور بھر کے طرارہ نکل آیا
تلواروں کے جنگل سے چکارہ نکل آیا

۵۸

گھوڑے کو اُدھر سے جو پلٹ کر اِدھر آئے
گویا کہ علی لشکرِ ہیجا میں در آئے
یوں آئے کہ روباہوں پہ جوں شیرِ نر آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے بہم نظر آئے
تلوار کی بجلی جو گری کوند کے رن میں
آخر صفِ اول ہوئی اک چشم زدن میں

۵۹

اس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی پہ جب آئے
غل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
معلوم ہوا شیر کے پنجہ میں سب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برقِ غضب آئے
جھونکا جو چلا صرصرِ شمشیر کا سَن سے
ڈھالیں تو اٹھی رہ گئیں، سر اڑ گئے تن سے

۶۰

میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
خود امن نے گھبرا کے اماں مانگو پکارا
راحت نے کہا غیرِ فرار اب نہیں چارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستہ نہ ملے گا

۶۱

شمشیرِ علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
بکتیں ہیں دو پارہ کہ قلم سیفِ زباں ہے
چار آئینہ کیا، یہ سر نو ہے وہ کتاں ہے
کیا قبضے سے اس برقِ جہاں سیر کے نکلے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے

۶۲

بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
چار آئینہ کیا قلعۂ آہن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سن سے نکل جائے
جب تک نہ کسا دُم کبھی جھکتے نہیں دیکھا
ہاں سیل ترکی پر آ کے رکتے نہیں دیکھا

۶۳

خاک اڑ گئی اس صف کی جدھر سن سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
خود و سر و زرہ کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ
تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

۶۴

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیلِ فنا تھی
بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا تھی
پتلا تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اس کی نہ تھی ناگن نکالی تھی پری نے

۶۵

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اس کا
تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اس کا
قامت میں بھی چال میں وہ بانکپن اس کا
چلتی تھی سرِ دل پہ یہ نیا تھا چلن اس کا
ہے صاحبِ جوہر کا محل چرخِ بریں پر
رکھا ہے قدم تو نے کبھی پاؤں زمیں پر

۶۶

نقل تھا یہ کسی تیغ میں یہ خم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
بھر گیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

۶۷

دشمن کو ہوا لگ گئی اس کی جو قضا را
گھاٹ اس کا نہ تھا بحرِ فنا کا تھا کنارا
سمجھا وہ کہ شہپر ملک الموت نے مارا
بے تن سے سر اترے ہوئے مشکل تھا اتارا
دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اس کے
ابھری نہ کوئی کشتی تن گھاٹ سے اس کے

۶۸

وہ برق ہے جو خرمنِ ہستی کو جلا دے
وہ شعلہ ہے جو تیغ دو دستی کو جلا دے
وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے
ہے دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بری ہے

۶۹

اک آفتِ نو لشکرِ سفاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
دو ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغِ دو دم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

۷۰

سالم صفِ ہیجا میں کسی صف کو نہ چھوڑا
جوشن کو کمر بند کو بکتر کو نہ چھوڑا
سر کیا ہے کہ بے دو کیے پیکر کو نہ چھوڑا
چار آئینہ کو ڈھال کو مغفر کو نہ چھوڑا
لوہے کے چبانے کی صدا بھا گئی اس کو
جس چیز پہ منہ ڈال دیا کھا گئی اس کو

۷۱

اڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
تھا دستِ مبارک میں علم، ہاتھ میں تلوار
چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار
دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسمِ جری کی

۷۲

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسِ خوش اطوار
اس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
بھولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
پانی سے اٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
رحمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

۷۳

ڈھیلی کی لگام اس کی کئی بار یہ کہہ کر
کی عرض کہ اے محنتِ دلِ ساقیِ کوثر
تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہوئے گا میسر
دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبر
پانی پیے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا

۷۴

یہ سن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُر نم
منہ باندھ کے تسمے سے رکھا دوش پہ جب دم
پُر آب کیا مشک سکینہؑ کو بصد غم
کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

۷۵

کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
ہر چند کہ دو روز سے پانی نہیں پایا
لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کے پلا ہوں
جس حال سے آیا تھا اسی طرح چلا ہوں

۷۶

یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسِؑ فلک جاہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
جاری تھا زباں پر کہ توکلتُ علی اللہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اس نہر میں مر جائیں گے عباسؑ

۷۷

ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر
تھے گھاٹ کو روکے ہوئے تلواروں سے بے پیر
ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے چلے تیر
عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتا تھا ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

۷۸

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہمکو نہ روکا

۷۹

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی
لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکمِ خدا روکے تو روکے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

۸۰

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور
پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
لو جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

۸۱

دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا
جو بھاگے تھے ان لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا
وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

۸۲
لکھا ہے کہ اک تھا بنِ ورقہ ستم آرا
بے دست ہوا حیدرِ کرار کا پیارا
تیغ اس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضارا
احمد کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جراتِ سقائے حرم کو
تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو

۸۳
جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علمِ شاہ
اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ
کس یاس سے عباسِؑ علمدار نے کی آہ
دونوں نہ رہے دستِ جگر بندِ ید اللہ
تیروں کی تو بوچھار ہوئی چھن گئے عباسؑ
بازو جو کٹے سروِ رواں بن گئے عباسؑ

۸۴
یاں کی تو یہ صورت تھی سنو حال اُدھر کا
عریان ہے سر فاطمہؑ زہراؑ کے پسر کا
سب گھر تہ و بالا ہے شہِ جن و بشر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاعِ ازلی کے
کانوں میں صدا آتی ہے رونے کی علیؑ کے

۸۵
مجمع حرمِ شاہ کا ہے خیمے کے در پر
تھرا رہی ہے زوجۂ عباسِؑ دلاور
میدانیاں سب پیٹتی ہیں کھولے ہوئے سر
فرزند تو ہے گود میں سر پر نہیں چادر
بانہیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچے
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچے

۸۶
غش ہے کوئی سامانِ عزا کرتی ہے کوئی
تسبیح لیے ذکرِ خدا کرتی ہے کوئی
ششدر کوئی بی بی ہے بکا کرتی ہے کوئی
ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتی ہے کوئی
دکھ ہو نہ کچھ بازوئے شاہِ شہدا کو
یارب تو بچا لیجو سکینہؑ کے چچا کو

۸۷
زینبؑ کا یہ نقشہ ہے کہ چادر نہیں سر پر
چھائی ہے اداسی شہِ مظلوم کے گھر پر
گہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چلتی ہے چھری پیاس کی بچوں کے جگر پر
ہمدم یہ ہے کچھ کہہ نہیں سکتی ہے سکینہؑ
اک اک کا منہ یاس سے تکتی ہے سکینہؑ

۸۸
کہتی ہے کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مل کر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقدر
میرے لیے مجروح ہوا اُن کا برادر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
کیوں بیبیوں تم نے مری تقدیر کو دیکھا

۸۹
میں کس سے کہوں کون ہے جو نہر پہ جائے
کس کام کا پانی ہے جو وہ پھر کے نہ آئے
للہ چچا کو کوئی میدان سے لائے
جان آئے بدن میں جو سکینہؑ انھیں پائے
کہہ دے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو

۹۰
یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج سے اک بار
اب پائیں گے شبیر کہاں ایسا مددگار
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
مارا اسے کیا قتل ہوئے حیدرِ کرار
کم ہو گیا زور آج امامِ ازلی کا
کٹتا ہے گلا حضرتِ عباسؑ علیؑ کا

۹۱
اس شور کے ساتھ آئی صدا طبلِ ظفر کی
اٹھے شہِ دیں دیکھ کے صورت کو پسر کی
فضہ نے ادھر دوڑ کے زینبؑ کو خبر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ ادھر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے
لرزا تھا کلس خیمے کا ہے ہے کی صدا سے

۹۲
میداں میں عجب حال سے پہونچے شہِ ذی جاہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جانکاہ
اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیرِ یداللہ
نے پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں
ہم شکلِ نبی دستِ پدر تھامے ہوئے ہیں

۹۳
گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار
دریا کی ترائی ہے کہ صحرا ہے مرے غمخوار
غل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیر جواں کا

۹۴
اکبرؑ نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
عباسؑ نے آواز حزیں اپنی سنائی
شبیرؑ پکارے مرے بھائی مرے بھائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہیں جدا بہرِ سلام اٹھ نہیں سکتا
تن چور ہے ایسا کہ غلام اٹھ نہیں سکتا

۹۵
شبیرؑ پکارے ترے قربان برادر
سانوشت برادر مرے ذی شان برادر
طاقت مری پیری کی، مری جان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
کیا پھر گیا طفلی کا وہ اقرار تمھارا
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمھارا

۹۶
پانی کے لیے واہ کمر بھائی کی توڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپ نے موڑی
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
اٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مزہ تھا
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزہ تھا

۹۷
یہ کہتے تھے جو لاشۂ پر خوں نظر آیا
شانوں سے رواں خون کا جیحوں نظر آیا
تلواروں سے ٹکڑے قدِ موزوں نظر آیا
رنگِ گلِ رخسار دگرگوں نظر آیا
دم توڑتے تھے شیر سے لپٹے ہوئے رن میں
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں

۹۸
شاہِ شہدا لاشِ علمدار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
کس شوق سے کس پاس سے کس پیار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا شہِ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

۹۹
چلاتے تھے اے بھائی کی پیری کے سہارے
اے باپ کے محبوب پسر بھائی کے پیارے
اے شیر جواں یارِ وفادار ہمارے
اب خلق سے جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
تھا میری ضعیفی کا عصا ہاتھ تمھارا
آج اٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمھارا

۱۰۰

جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی　　معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جدائی
تھی یاد حسنؑ کی تری الفت نے بھلائی　　گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی　　یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

۱۰۱

یہ سن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری　　شہ نے کہا روتے ہو عزیزی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچتی تھیں ساری　　بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
بوسے قدمِ شاہ پہ دینے لگے عباسؑ　　صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

۱۰۲

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمۂ جاں کاہ　　کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی پاس سے دیکھا طرفِ شاہ　　بولے دمِ آخر کہ نثارِ شہِ ذی جاہ
روتے رہے شاہ و شہدا مر گیا بھائی　　آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی

۱۰۳

خاموش انیسؔ اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار　　کافی ہے رلانے کو ترے درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار　　فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا　　کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رباعی

خورشیدِ شرف برجِ شرف میں ہو گا　　جوہر معدن میں دُر صدف میں ہو گا
مشرق میں کہ مغرب میں کرو دفن اُسے　　جو عاشقِ حیدرؑ ہے نجف میں ہو گا

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے　　پیری میں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہی جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر　　خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

مرثیہ

۱

اے تیغ زباں جوہرِ تقریر دکھا دے
اے ذہن رسا نظم کی توقیر دکھا دے
اے دستِ قلم قوتِ تحریر دکھا دے
اے حسنِ بیاں نور کی تصویر دکھا دے
صحبت ہے عجب، گرم ہے دربارِ حسینیؑ
سب بزم ہے مشتاقِ علمدارِ حسینیؑ

۲

عباسِ علیؑ اخترِ اقبالِ علیؑ ہے
نقشہ ہے کہ آئینۂ تمثالِ علیؑ ہے
شوکت سے عیاں حشمت و اجلالِ علیؑ ہے
صورت ہے کہ تصویرِ خط و خالِ علیؑ ہے
کس باپ نے آفاق میں پایا خلف ایسا
خاتم پہ جہاں کے نہیں دُرِّ نجف ایسا

۳

سیافِ غزا سروِ وغا صفدرِ جرار
ذریتِ محبوبِ الٰہی کا مددگار
ساونت اولوالعزم جواں مردِ وفادار
لڑنے میں کبھی شہ کی سپر اور کبھی تلوار
ٹھہرا ہو نہ کیوں بازوئے شاہِ شہدا کا
فرزند زبردست ہے وہ شیرِ خدا کا

۴

دریا دل و دیں پرور و ذی رتبہ و ذی جاہ
وہ شیر کہ اک دم میں الٹ دے صفِ جنگاہ
شمشیرِ خدا بازوئے فرزندِ یداللہ
مانندِ علیؑ سارے محبوں کا ہوا خواہ
احسان و کرم خلق میں کس پر نہیں اس کا
اقبال و حشم میں کوئی ہمسر نہیں اس کا

۵

شمشادِ خیابانِ ارم ہے وہ بہشتی
سقائے یتیمانِ حرم ہے وہ بہشتی
تاجِ سرِ اربابِ ہمم ہے وہ بہشتی
پیاسا ہے گر بحرِ کرم ہے وہ بہشتی
شرمندہ نیستاں شہِ مرداں کے پسر سے
بھر دیتے ہیں دریا کے بھی داماں کو گہر سے

۶

گو دور ہیں پر اپنے غلاموں کا ہے کیا پاس
آتی ہے صدا دل سے کہ یا حضرتِ عباسؑ
جس وقت کہ ہوتا ہے ہجومِ الم و یاس
ہو جاتا ہے وہ امر کبھی جس کی نہ ہو آس
مانا کہ امامت سے وہ ممتاز نہیں ہے
بتلاؤ یہ پھر کیا ہے جو اعجاز نہیں ہے

۷

اللہ رے سروِ چمنِ فاطمہؑ کا پیار
گردن کو رہا طوقِ غلامی سے سروکار
قمری کی طرح عشق کے دم بھرتے ہیں ہر بار
تھے عاشقِ شمعِ قد و رنگِ گلِ رخسار
چھوڑا نہ کبھی ابنِ شہنشاہِ عرب کو
بلبل تھے اگر دن کو تو پروانہ تھے شب کو

۸

عاشور کو جب رن میں صف آرا ہوئے بے پیر
سب برچھیاں سیدھی ہوئیں چلّوں سے ملے تیر
خوں ریزیِ سادات کی ہونے لگی تدبیر
نیزے پہ جو نیزے تھے تو شمشیر پہ شمشیر
تیغیں جو کھنچیں برق بھی تھرا گئی رن میں
ڈھالوں کی سیاہی سے گھٹا چھا گئی رن میں

۹

گھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے رن میں صف آرا
عباسؑ سے کرتا تھا یہ ایک ایک اشارا
آنکھ اُن سے ملانے کا نہ تھا شیر کو یارا
ہو حکم تو لے لیں ابھی دریا کا کنارا
ڈرتے نہیں مرنے سے کہ ہم حق کی طرف ہیں
سو جان سے نثارِ خلفِ شاہِ نجف ہیں

۱۰

تھے قلب میں لشکر کے شہِ بے کس و بے آس
ہتھیار سجے قاسمؑ و اکبرؑ تھے چپ و راس
لختِ دلِ زینبؑ تھے ستاروں کی طرح پاس
اور آگے علم کھولے ہوئے حضرت عباسؑ
سب بھائی بھی تولے ہوئے شمشیر کھڑے تھے
اک شیر کے پہلو میں کئی شیر کھڑے تھے

۱۱

جب دوپہر آئی تو قیامت یہ ہوئی آہ
ہمشیر کے پڑے کو چلے تھے شہِ ذی جاہ
زینبؑ کی کمائی پہ زوال آ گیا ناگاہ
جو رن میں ہوا شور کہ مارا گیا نوشاہ
زہراؑ کی بہو گھر سے کھلے سر نکل آئی
ماں کوکھ کو پکڑے ہوئے باہر نکل آئی

۱۲

چلاتی تھی کھیتی ہوئی مجھ رانڈ کی پامال
روتے تھے حسینؑ آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
اک شب کی دولہن چھوڑ گیا ہائے مرا لال
تھا غیظ سے عباسِؑ دلاور کا عجب حال
منہ سرخ تھا اور اشک بھی آنکھوں میں بھرے تھے
جھنجھلائے ہوئے ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے

۱۳

تکتے تھے سوئے فوجِ مخالف صفتِ شیر
تھا غم سے بھتیجے کے جہاں آنکھوں میں اندھیر
رہ جاتے تھے ہر صف کی طرف تول کے شمشیر
کہتے تھے کہ رہ جانے میں کی ہم نے بڑی دیر
پہلے ہی نہ کیوں اٹھ گئے ہستی کے چمن سے
نادم کیا قسمت نے حسینؑ اور حسنؑ سے

۱۴

لٹتے ہوئے شادی کے چمن دیکھ چکے ہم
ٹکڑے ہوا دولہا کا بدن دیکھ چکے ہم
پامالِ خزاں باغِ حسنؑ دیکھ چکے ہم
بیوہ ہوئی اک شب کی دولہن دیکھ چکے ہم
دشمن کو بھی یہ داغ نہ تقدیر دکھائے
اب دیکھیں ہمیں کیا فلکِ پیر دکھائے

۱۵

اس ہاتھ کے اس تیغ کے مالک شہِ دلگیر
ہم قید ہوں شاید ہے یہی مرضیِ شبیرؑ
قبضہ بھی نہ اپنا ہو تو بیکار ہے شمشیر
کچھ زور نہیں خیر پہن لیویں گے زنجیر
ہے نام سے مطلب نہ شجاعت سے غرض ہے
ہم کو فقط آقا کی اطاعت سے غرض ہے

۱۶

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثالِ اسد اللہ
شاید کہ ہوئی ختم سپاہِ شہِ ذی جاہ
باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ
تولے ہوئے شمشیر دو دم آتے ہیں رن میں
ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

۱۷

سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرِ کرارؑ
جو لشکرِ آل اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار
وہ سیلِ فنا خوں میں ڈبا جائے گی سب کو
حیدر کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

۱۸

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسِؑ خوش اطوار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یک بار
سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار
کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

۱۹
شہزادۂ عالم کی سنی آپ نے تقریر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر
ہے پہلے علمدار کے مر جانے کی تدبیر
للہ انھیں روکیے یا حضرتِ شبیرؑ
موقع ابھی مرنے کا نہیں ان کے لیے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لیے ہے

۲۰
میداں میں یہ مرنے کے لیے جائیں میں دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں میں دیکھوں
تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں میں دیکھوں
شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں میں دیکھوں
آقا کے پسر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا
یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا

۲۱
شہ بولے ہمیں شاق ہے دونوں کی جدائی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی
گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
فرزند تو ممکن ہے یہ ملتا نہیں بھائی
اصغرؑ ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

۲۲
جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے
واللہ کہ جینے کے مزے اٹھ گئے سارے
زور آگیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمھیں دل کی تمھیں طاقت ہو جگر کی
کیونکر تمھیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی

۲۳
ہوتا ہے بڑا بھائی کو بھائی سے سہارا
چھوڑا نہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا
بھائی کبھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر جلد کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

۲۴
سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہو تو جائیں
گر ان کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رلائیں
ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں سے تو لائیں
جنت میں پہنچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
وہ دن سے مرے ساتھ گرفتارِ محن ہیں
اب ان کو نہ روکو یہ بہت تشنہ دہن ہیں

۲۵
سن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؑ
پیچھے وہ رہے ہوئے علم فوج کا جس پاس
کی عرض کہ خیر اب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی تھی
زہراؑ سے خجالت مری قسمت میں لکھی تھی

۲۶
فرمائیں گے عباسؑ نے جاں اپنی بچائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی
یہ کون کہے گا کہ رضا ان کی نہ پائی
اچھا علی اکبرؑ کی بھی دیکھیں گے جدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں میرے لیے موت ہے آقا

۲۷
تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہرِ دریائے صداقت
غیروں نے کیا سر سے ادائے حقِ رفاقت
اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجھ کو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیرِ دو دم بھی انھیں دیجے
رخصت تمھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجے

۲۸

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام
لشکر کا نشاں پا کے بھی قسمت میں نہ تھا نام
اب ہے نجف اور گریۂ و زاری سحر و شام
افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بُری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

۲۹

رونے لگے سُن کر یہ سخن سیّدِ ابرار
تم جان ہو پھر جان کی رخصت تو ہے دشوار
فرمایا کہ آزردہ ہوئے اے مرے غم خوار
تم سے تو زیادہ علی اکبرؑ کا نہیں پیار
رو کیں گے انھیں ہم جو ملال اس کا ہے بھائی
ہم کس کے ہیں بھائی یہ علم کس کا ہے بھائی

۳۰

گھٹتا ہے لہو بھائی کا آنسو نہ بہاؤ
کیوں روٹھ گئے پیار کریں ہم تمھیں آؤ
تم کو یہ مناسب ہے کہ بے کس کو رلاؤ
اکبرؑ نہیں اب جائیں گے اچھا تمھیں جاؤ
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہیں
کچھ پیش و پس اتنا نہیں ہم بھی سفری ہیں

۳۱

تم بن ہمیں ممکن ہے کہ ہو زیست گوارا
تم رن میں ہوئے قتل کہ سر ہم نے بھی وارا
نہ صبر کی طاقت ہے نہ اب رونے کا یارا
اپنی بھی وہی راہ جدھر قصد تمھارا
الفت کے طریقے سے نہ منہ موڑیں گے بھائی
تم چھوڑ دو ہمیں ہم نہ تمھیں چھوڑیں گے بھائی

۳۲

آقا نے جو الفت کی یہ تقریر سنائی
جھک کر قدمِ شاہ پہ کی عرض کہ بھائی
سُرخی سی رخِ حضرتِ عباسؑ پہ چھائی
عزت تمھیں قدموں کے تصدق سے ہے پائی
تھا میں مترصّد اسی امید کا آقا
ذرّہ کو دیا مرتبہ خورشید کا آقا

۳۳

میں کیا تھا مجھے خاک سے حضرت نے کیا پاک
پایا ہے کسی نے بھی یہ رتبہ تہِ افلاک
ورنہ مرا دوش اور نشانِ شہِ لولاک
ہاں کون سی نسبت ہے کہاں نور کہاں خاک
جو بے سر و ساماں ہو یہ ساماں اُسے مل جائے
اک مور جو ہو تختِ سلیماں اُسے مل جائے

۳۴

میرے لیے جو کچھ ہے سو آقا کی بدولت
ہے جلوہ گری طور کی موسیٰ کی بدولت
گوہر جو یہ پائیں ہیں سو دریا کی بدولت
ادنیٰ بھی چمک جاتا ہے اعلیٰ کی بدولت
جان آئی ہے مُردوں میں مسیحا کے قدم سے
ہوتے ہیں ہرے خشک شجر ابرِ کرم سے

۳۵

جب لعل نے حیدر کے یہ کی عجز کی تقریر
فرمایا کہ محجوب ہوں میں بے کس و دلگیر
اس وقت گہر بار ہوئے دیدۂ شبیرؑ
کیا میں نے دیا حق نے عطا کی تمھیں توقیر
بخشی جو یہ خدمت علمِ خیر بشر کی
احسان مرا کیا تھا وصیت تھی پدر کی

۳۶

دنیا میں کسی دن تمھیں راحت نہ ملی آہ
اللہ و پیمبرؐ مری غربت سے ہیں آگاہ
پیاسے رہے فاقے کئے تم نے مرے ہمراہ
بابا سے شکایت نہ مری کیجیو للہ
بچپن سے مرے ساتھ تمھیں عشقِ دلی ہے
راحت کسی بے کس کی رفاقت میں ملی ہے

۳۷
سن سن کے یہ تقریرِ شہِ بے کس و بے آس　رویا کیے گردن کو جھکائے ہوئے عباسؑ
ناگاہ سکینہؑ نے پکارا یہ بصد یاس　کیا کرتے ہو عباسؑ چچا آؤ مرے پاس
جلتا ہے کلیجہ مرا پانی مجھے لا دو　اے ساقیٔ کوثر کے پسر پیاس بجھا دو

۳۸
اب اینٹھی ہی جاتی ہے زباں پیاس کے مارے　دم ہونٹوں پہ ہے موت کے آثار ہیں سارے
پہونچو مری فریاد کو صدقے میں تمھارے　گودی میں مجھے لے چلو دریا کے کنارے
بے خبری سب لوگ ہیں کیا لشکرِ شر میں　پانی جو نہ دیں گے تو چلی آؤں گی گھر میں

۳۹
منہ تکنے لگے شاہ کا عباسِؑ دلاور　رو کر شہِ بے کس نے کہا جاؤ برادر
تکتے ہیں کھڑے راہ درِ خلد پہ حیدرؑ　کوثر کی سبیل اس سے نہ ہوگی کوئی بہتر
حاصل ہے وہ جو کچھ تمھیں مطلوب ہے بھائی　مقبولی بہشتی کے لیے خوب ہے بھائی

۴۰
عاشق ہیں سکینہؑ کے جو عباسؑ علمدار　روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے خیمے کی یک بار
لپٹا کے گلے خوب بھتیجی کو کیا پیار　دکھلا کے زباں خشک یہ بولی وہ دل افگار
ہوئے گا یہ عالم نہ کسی تشنہ دہاں کا　تم حال تو دیکھو مری ننھی سی زباں کا

۴۱
عباسؑ نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے مری جاں　تم تین شب و روز سے پیاسی ہو میں قرباں
ہیں قاتلِ ساداتِ وہ ہم جن کے ہیں مہماں　ہو جاتا ہے اب پانی کے ملنے کا بھی ساماں
شرم آتی ہے تم کو تو نہ لے جائیں گے بی بی　ہم نہر سے مشکیزے کو بھر لائیں گے بی بی

۴۲
وہ بولی مجھے لیتے چلو صدقے میں تم پر　عباسؑ یہ بولے کہ خفا ہوں گے برادر
تم فاطمہؑ کی پوتی ہو شبیرؑ کی دختر　شہزادیاں پردے سے نکلتی نہیں باہر
لونڈی کی تلک اس گھر کی کھلے سر نہیں نکلی　فضہ کبھی بے مقنع و چادر نہیں نکلی

۴۳
یہ سنتے ہی دی مشک سکینہؑ نے چچا کو　حاصل ہوئی رخصت خلفِ شیرِ خدا کو
یہ رونے کو غش آگیا شاہِ شہدا کو　غل تھا کہ چلے حضرتِ عباسؑ وغا کو
گھوڑے پہ چڑھے کھینچ کے اک آہ جگر سے　اکبرؑ کو صدا دی کہ خبردار پدر سے

۴۴
کی عرض جنابِ علی اکبرؑ نے بصد یاس　اس داغ سے بابا کے بھی جینے کی نہیں آس
ساتھ آپ کے آؤں کہ میں حضرت کے رہوں پاس　تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ کہنے لگے عباسؑ
عمو کی عبث فکر ہے بابا کو نہ چھوڑو　اس وقت میں تنہا مرے آقا کو نہ چھوڑو

مطلع دوم ۴۵
میداں میں عباسِؑ دلاور کی ہے آمد　ہر صف میں یہ ہے شور کہ صفدر کی ہے آمد
سب کہتے ہیں کرار کے دلبر کی ہے آمد　یہ اور کی آمد نہیں حیدرؑ کی ہے آمد
اک دم میں الٹ دے گا ورق فوج کی صف کا　رخ ہے سوئے دریا خلفِ شاہِ نجف کا

۴۶

غمخوارِ امامِ زمن آتا ہے خبردار
لڑنے کو بڑا تیغ زن آتا ہے خبردار
بازوئے حسینؑ و حسنؑ آتا ہے خبردار
ابنِ شہِ خیبر شکن آتا ہے خبردار
غصے میں ہے غازی نہ اجل سر سے ٹلے گی
کانپے گی زمیں آج وہ تلوار چلے گی

۴۷

دامن سرِ غازی پہ لٹکتا ہے علم کا
ہر گام پہ اقبال چمکتا ہے علم کا
خورشید بھی منہ رشک سے تکتا ہے علم کا
بجلی نہیں پنجہ یہ چمکتا ہے علم کا
کس جنگ میں ایسے علمِ نور کھلے ہیں
پرچم نہ کہو موئے سرِ حور کھلے ہیں

۴۸

کس شان سے اڑتا ہوا آتا ہے پھریرا
لہرا کے سرِ عرش پہ جاتا ہے پھریرا
طوبیٰ کو عروج اپنا دکھاتا ہے پھریرا
ساتھ اپنے ہوا خلد کی لاتا ہے پھریرا
ایسی کوئی جنت میں رواں نہر نہ ہوگی
سرچشمۂ کوثر میں بھی یہ لہر نہ ہوگی

۴۹

عسکر میں یہ غل تھا کہ وہ غازی نظر آیا
بازوئے شہنشاہِ حجازی نظر آیا
دیں پرورِ ابرار و نمازی نظر آیا
بجلی سا تڑپتا ہوا تازی نظر آیا
لرزہ ہوا اندام شجاعانِ عرب کو
آمد اسد اللہ کی یاد آگئی سب کو

۵۰

دیکھا جو علم رفعتِ طوبیٰ نظر آئی
تابندگیِ برقِ تجلیٰ نظر آئی
پنجے میں ضیائے یدِ بیضا نظر آئی
کوسوں وہ زمیں نور کا دریا نظر آئی
سایے نے سماں دشت پہ نایاب دکھایا
خورشید کو لطفِ شبِ مہتاب دکھایا

۵۱

چہرے نے عجب نور کی ضو رن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
ذروں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی
غیرت سے سفیدی تھی رخِ چرخِ بریں پر
نقشِ سمِ توسن مہِ کامل تھی زمیں پر

۵۲

جادہ کو یہ دعویٰ تھا کہ میں کاہکشاں ہوں
پلہ مرا بھاری ہے کہ رتبہ میں گراں ہوں
کرتی تھی زمیں ناز کہ میں نور فشاں ہوں
فرزندِ علیؑ جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بشر ہیں وہاں ایک قمر ہے

۵۳

استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشم ذی قدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر
دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے تری شمس و قمر کو
ایک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

۵۴

پیشانیِ پرنور سے ہے رن میں اجالا
ابرو ہیں کہ سر تیز سروہی کا ہے بالا
رُو و خطِ رخسار وہ مہتاب میں ہالا
پلکیں نہیں جھپکیں یہ ہے لشکر تہ و بالا
دیکھے سے اڑیں ہوش نہ کیوں اہلِ حسد کے
آنکھیں تو ہیں آہو کی پہ تیور ہیں اسد کے

۵۵
جلتے رہیں کیوں کر نہ سپندِ خور سحر و شام
خال اور خطِ سبز وہ دانہ ہے تو یہ دام
ہے حسن کی آتش سے بھبوکا رخِ گلفام
ہے سب دلِ عالم کی اسیری کا سرانجام
بینی کو جو دیکھو تو عجب شوکت و شاں ہے
یہ حسنِ علمدار کے لشکر کا نشاں ہے

۵۶
اک جا تو مناسب نہ تھے دو مردمِ بیمار
اک شاخ ہے یا دو گلِ بادام ہیں اظہار
صانع نے اٹھا دی ہے فقط نور کی دیوار
یا یہ الفِ ماہِ دو ہفتہ سے ہے نمودار
خوشبوئے گلستانِ ارم اس میں بھری ہے
گویا ورقِ زر پہ کلی گل کی دھری ہے

۵۷
یاقوت لبِ سرخ ہیں دندان دُرِ مکنوں
کس چیز سے نسبت دہنِ تنگ کو میں دوں
دیکھے سے عقیقِ جگری کا بھی ہے دل خوں
نایاب ہے عنقا کی طرح طائرِ مضمون
حال ان کا نزاکت سے کھلے گا نہ کھلا ہے
یاں بابِ سخن بند ہی رکھئے تو بجا ہے

۵۸
آتی ہے صدا صاف قلم سے دمِ ترقیم
بینی ہے الف زلف ہے لام اور دہن میم
ہے جوہرِ فرد اس کی نہ ہو گی کبھی تقسیم
جو حرف ہے قرآں کا وہ ہے لائقِ تعظیم
وصفِ دہنِ تنگ میں دقت مجھے کیا ہے
کافی ہے بس اتنا ہی کہ اسرارِ خدا ہے

۵۹
آتی ہے ثنائے دُرِ دندان زباں پر
ہیرے کے نگیں ان سے ہوں کس طرح برابر
تقریر کے رشتے میں پروتا ہوں میں گوہر
یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہے عکس ان کا فلک پر
بجلی بھی تڑپ جاتی ہے دانتوں کی چمک پر

۶۰
دل کس کا نہ گردن کی صفائی پہ ہو قرباں
گویا کہ ہلالِ شبِ اول ہے گریباں
مہتاب کو ہے جس کے گلے ملنے کا ارماں
شانوں کی نشانِ اسدِ حق سے ہے کیا شاں
حیراں تھی نظر دوشِ مبارک پہ گماں ہے
یاقوت میں خورشیدِ جہاں تاب عیاں ہے

۶۱
ہیں بازوئے عباسؑ کہ شاخِ شجرِ حسن
گھر حسن کا سینہ ہے تو بازو ہیں درِ حسن
پڑتی ہے سدا نور پہ جن کی نظرِ حسن
طالع ہے کفِ دست سے ہر سحرِ حسن
ان ہاتھوں سے ہم دست کوئی حور نہیں ہے
خورشید کے پنجے میں بھی یہ نور نہیں ہے

۶۲
ہر چیز علمدار نے پائی ہے علیؑ کی
پنجہ ہے علیؑ کا تو کلائی ہے علیؑ کی
اللہ نے تصویر بنائی ہے علیؑ کی
ان انگلیوں میں عقدہ کشائی ہے علیؑ کی
قدرت میں ہے زور ان کو ملا جد و پدر سے
ہلکا درِ خیبر کو سمجھتے ہیں سپر سے

۶۳
دیکھو تو کسی شیر نے پایا ہے یہ سینہ
حق نے یدِ قدرت سے بنایا ہے یہ سینہ
حصے میں اسی چاند کے آیا ہے یہ سینہ
سینے سے یداللہ نے لگایا ہے یہ سینہ
فرماتے ہیں عاشق ہوں میں اس شکلِ قمر کا
یہ سینہ سپر ہووے گا زہراؑ کے پسر کا

۶۴
ہے تا بہ عدم ذہنِ رسا دوڑ کے جاتا
ہے بالِ سیہ ڈبرِ نجف میں نظر آتا
لیکن کہیں مضمونِ کمر کو نہیں پاتا
مثلِ رگِ گل تابِ نزاکت نہیں پاتا
اس رشتے سے محکم کمرِ مرتضوی ہے
نازک تو ہے پروین کی پشت اس کی قوی ہے

۶۵
شمشاد سے بالا قدِ بالائے مبارک
تعویذِ شفا نقشِ کفِ پائے مبارک
در پیش ہے اب وصفِ قدم ہائے مبارک
جس جا گزر ان کا ہو وہ ہے جائے مبارک
واں آتے ہیں سجدے کو ملک عرشِ بریں کے
احساں یہ انھیں پاؤں کے ہیں سر پہ زمیں کے

۶۶
ہر شخص تھا محوِ رخِ عباسِؑ فلک جاہ
ہر لب پہ سخن تھا کہ زہے قدرتِ اللہ
تھا شور فلک پر کہ زمیں کا ہے یہی ماہ
ہر چشم یہ کہتی تھی کہ جلوہ ہے عجب واہ
غازی تھا جہاں پتلیاں مردم کی اُدھر تھیں
حوریں بھی دریچوں سے نکالے ہوئے سر تھیں

۶۷
واں پر ہوئی تھی فوجِ سقر موج مرتب
چلّوں سے اُدھر ملتے گلے تیرِ ستم سب
اک دل ہیں مہیائے زد و کشت صفیں سب
جانِ اسد اللہ بڑھا چھیڑ کے مرکب
چلّائے یہ لشکر کے سپاہی غضب آیا
بپھرا پسرِ شیرِ الٰہی غضب آیا

۶۸
ہمت کا سخن تھا کہ فنا فوج کو کر دے
دل نے کہا سرداروں کے سر کاٹ کے دھر دے
اقبال پکارا کہ زمیں لاشوں سے بھر دے
نصرت کی دعا تھی کہ خدا تجھ کو ظفر دے
تحریر ہو یہ فتح ترے نامِ نکو پر
ہر دم تری شمشیر رہے فرقِ عدو پر

۶۹
یہ نام سدا خلق میں نامی رہے تیرا
محکوم ہر اک کوفی و شامی رہے تیرا
ہر صبح شہِ شرق سلامی رہے تیرا
تو جس کا پسر ہے وہی حامی رہے تیرا
دامانِ علم فرق پہ ہو سبطِ علیؑ کے
اور تو رہے سایہ میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۷۰
جب غیظ سے اشعارِ رجز پڑھنے لگا شیر
ہر صف تہ و بالا ہوئی مشکل زبر و زیر
جھک جھک گئے خوں ریزوں کے سر صورتِ شمشیر
کچھ پیش نہ جائے گا رہا غل یہی تا دیر
یہ تیزی تقریر کوئی لائے کہاں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

۷۱
گھبرا کے بڑھا خود پسرِ سعدِ بد انجام
سن لیجئے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام
عباسؑ سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
پر آپ تک آتے ہوئے تھراتا ہے اندام
جھنجھلائے ہوئے شیر سے اندیشہ ہے جاں کا
ہیں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

۷۲
کی چیں بہ جبیں ہو کے یہ عباسؑ نے تقریر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرتِ شبیرؑ
پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر
شیوہ ہے لعینوں کا یہ حیلہ و تدبیر
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہم سے وفا کو
فرزندِ علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

۷۳

وہ تم ہو جو کرتے ہو دغا اہلِ وفا سے
سادات کا سر کاٹتے ہو تیغِ جفا سے
مطلب ہے محمدؐ سے نہیں کچھ نہ خدا سے
مہماں ہیں یہ کس کے جو ہیں دو روز سے پیاسے
کیا کھا کے قسم پھر گئے تم اپنے سخن سے
ہم وہ ہیں کہ لکھنے پہ چلے آئے وطن سے

۷۴

گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بے کار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار
میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیدِ ابرار
صدمہ یہ اٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

۷۵

کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی
سچ ہے کہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
کوئی تو رہے خلق میں حیدر کی نشانی
غصے کے نہ اندوہ کے نے طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

۷۶

کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اسے مارا
چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمھارا
عباسؑ جدائی کرو بھائی کی گوارا
تا بہ لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

۷۷

یہ سنتے ہی تھرانے لگا شیر کا اندام
قبضے کو جو دیکھا تو اگلنے لگی صمصام
غصے کے سبب سرخ ہوئی چشمِ سیہ فام
فرمایا کہ ظالم مجھے دیتا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہراؑ کے پسر سے

۷۸

بس دور ہو آگے مجھے سننے کی نہیں تاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کون سا آداب
سر تن سے اتاروں ترا او ظالم کذّاب
کیا قدر ہے پھر اس کی جو موتی کی گئی آب
رتبہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

۷۹

آگے مرے تو ذکر پسر کا مرے لایا
اصغرؑ سے تو بے سن میں زیادہ مرا جایا
شبیرؑ کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر
تو بیٹے ہوں تو صدقے کروں ان کے پسر پر

۸۰

ہوتا ہے چمن فاطمہؑ کا ظلم سے برباد
مارا گیا بیوہ پسر قاسمؑ ناشاد
موسم یہ مرے عیش کا ہے کیوں ستم ایجاد
روتے ہیں نبیؐ شیرِ خدا کرتے ہیں فریاد
ہم سے جنھیں الفت ہے وہ ماتم میں رہیں گے
آخر اسے حشر کا دن لوگ کہیں گے

۸۱

بھائی کے لیے جی سے گذر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
نعشیں بھی بہم زیرِ زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی بہم مرگ قریں ہوتی ہیں اکثر

۸۲

بھائی بنے مرے کون سی کی مجھ سے بڑائی
کیا مجھ سے ملا کون سی عزت نہیں پائی
پالا ہے مجھے جانتی ہے ساری خدائی
جان آن پہ تصدق ہے اجل آئی تو آئی
ہم پائیں گے جو شرطِ محبت کی جزا ہے
ناصر اسی موت میں جینے کا مزہ ہے

۸۳

کافر ہوں کہ منہ قبلۂ ایماں سے پھر آؤں
فاقے ہوں تو بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤں
تو کوہِ طلا دے تو میں لالچ میں نہ آؤں
مقتل سے تڑپتا ہوا ان قدموں پہ جاؤں
کس منھ سے کہوں میں کہ قرابت میں قریں ہوں
بھائی ہے تجھے حق میں تو غلام شہِ دیں ہوں

۸۴

بلبل کو کبھی ہجرِ گلِ تر نہیں بھاتا
بے موت جو معشوق کو عاشق نہیں پاتا
پروانہ کہیں شمع کو ہے چھوڑ کے جاتا
قمری کو سوا سرو کے کچھ خوش نہیں آتا
شبیرؑ جہاں ہے یہ دلِ فرزانہ وہیں ہے
محفل میں جہاں شمع ہے پروانہ وہیں ہے

۸۵

کہنے پہ چلوں تجھ سے جفا جو کے زہے فہم
پہونچے انھیں دکھ ہاتھ سے بازو کے زہے فہم
دو لاکھ میں دل کو خبر خوش خو کے زہے فہم
آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے زہے فہم
ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازیِ روباہ چلے گی

۸۶

جرات کو جری نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
شبیرؑ کو اخی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
آقا کو کسی نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
احمدؐ کو علیؑ نے کبھی چھوڑا ہو تو کہہ دے
وہ ہم نہیں کرتے جو زمانے کا چلن ہے
دنیا میں وفا اپنے گھرانے کا چلن ہے

۸۷

بچھڑے ہیں پیمبرؐ سے کبھی حضرتِ جعفرؑ
حیدرؑ کو کبھی چھوڑ گئے مالکِ اشترؒ
حمزہ کبھی دشمن کی طرف مل گئے جا کر
مشہور ہے جنگِ جمل و خندق و خیبر
حیدر تھے کہ سب فوج کے آگے تھے احد میں
نامرد تھے وہ لوگ جو بھاگے تھے احد میں

۸۸

پیرو بس انھیں کا ہے تو او ظالم ناری
بس فتح تھی کرار کی جس دن ہوئی باری
وہ دن جو ہے غزوۂ خندق میں فراری
گل کا کیا خوں جس نے وہ ہے تیغ ہماری
ان ہاتھوں سے لاکھوں سرِ کفار کٹے ہیں
جب پٹ گئی ہے لاشوں سے خندق تو ہٹے ہیں

۸۹

جب گھر سے پئے جنگ قدم ہم نے نکالے
کعبے سے وغا کر کے صنم ہم نے نکالے
دم میں تنِ کفار سے دم ہم نے نکالے
اسلام کے لشکر کے علم ہم نے نکالے
رنگِ رخِ کفارِ عرب ہو گیا فق سے
اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

۹۰

میں حشمتِ دنیا کی تمنا نہیں رکھتا
اعلیٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا
قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا
سیتے سے علاقہ سرِ طوبیٰ نہیں رکھتا
کافر کی طرف صاحبِ ایماں نہیں جاتے
بتخانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

۹۱

خورشید کو محتاجیِ ذرہ نہیں زہرا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات کا غرا
دیں دار صدا کرتے ہیں کافر پہ تبرا
اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرا
قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

۹۲

کچھ خارِ مغیلاں گلِ تر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا
جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

۹۳

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی
دنیائے دنی کام میں کس کے نہیں آتی
بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہرِ ذاتی
محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

۹۴

بخشش ہے خدا نے مرے آقا کو یہ توقیر
کی خامۂ قدرت نے سند عرش پہ تحریر
ہے مہرِ نبوت سے نسب نامۂ شبیرؑ
آیا ہے گواہی کے لیے آیۂ تطہیر
دنیا میں کسے ملتے ہیں جبریلؑ سے شاہد
موجود ہیں میکائیلؑ و سرافیلؑ سے شاہد

۹۵

حور و ملک و خلد و ارم کوثر و طوبیٰ
خورشید و نجوم و قمر و گنبدِ خضرا
سنگ و شجر و کوہ و بر و گوہر و دریا
روم و زمی و مقر و نجف یثرب و بطحا
پوچھے جو کوئی کون امام ازلی ہے
سب دیں یہ گواہی کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے

۹۶

جنات پکاریں کہ یہی فخرِ بشر ہے
چلائے فلک پاؤں پہ اُس کے مرا سر ہے
ہر نخل کہے باغِ نبیؐ کا گلِ تر ہے
گویا ہوں ستارے کہ یہ زہراؑ کا قمر ہے
ہر بحر کہے گوہرِ امید ہے شبیرؑ
ذروں سے صدا آئے کہ خورشید ہے شبیرؑ

۹۷

رضواں کا سخن ہو کہ مددگار ہے میرا
زہراؑ کی صدا آئے کہ دلدار ہے میرا
فردوس کہے مالک و مختار ہے میرا
فرمائیں پیمبرؐ کہ شہوار ہے میرا
میکائیلؑ پکارے کہ ملازم ہوں اسی کا
جبریلؑ کرے فخر کہ خادم ہوں اسی کا

۹۸

کیا رکن و مقام اور چہ میزاب چہ زمزم
آجائے صدا کوہِ صفا سے یہی ہر دم
ایک ایک سے سن تو صفتِ قبلۂ عالم
حج سے شہِ والا کی زیارت نہیں ہے کم
یوں اٹھے حجر رتبہ سے آگاہ ہوں میں بھی
کعبہ یہ کہے بندۂ درگاہ ہوں میں بھی

۹۹

ہے شرعِ محمدؐ کا جنھیں امر و مناہی
لوح و قلم و عرش و ملک دیں یہ گواہی
ہوں ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
ورثہ میں ملی ہے اسے کونین کی شاہی
کرسی کہے پیغمبر یہ معراج یہی ہے
خود عرش پکارے مرا سرتاج یہی ہے

۱۰۰
جو شاہ کہ سب خلق میں رتبے سے سوا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہو تو کیا ہو
بتلا تو غلام اس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
لوں میان سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو
غارت تمھیں کر دینے کو تیار ہے عباسؑ
بھائی کے مگر رحم سے ناچار ہے عباسؑ

۱۰۱
خود مجھ کو قسم دی ہے کہ غصے میں نہ آنا
امت کی تباہی پہ کڑھیں گے مرے نانا
بھیا نہ لے راہ تو دریا پہ نہ جانا
اُن کا تو وہ رحم اور تمھارا یہ ستانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگ دلی ہے

۱۰۲
ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی
تھرا گیا یہ سن کے یداللہ کا جانی
نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
یہ دیکھ اسی حملے میں ہم پیتے ہیں دریا

۱۰۳
یہ کہتے ہی جرار نے لی میان سے تلوار
نعرہ جو کیا شیر نے یا حیدرِ کرار
بھاگا صفتِ غولِ بیاباں وہ ستم گار
اوتادِ اراضیِ عرب ہل گئے اک بار
دہشت سے اڑا رنگ رخِ جن و ملک کا
تھرا گیا دہشت سے بدن جن و ملک کا

۱۰۴
جنگل میں بن آئی جو نہ کچھ خوف کے مارے
آہو جو تھے شیروں میں تو چیتوں میں چکارے
ٹھہرے نہ قدم شیر ہرن ہو گئے سارے
گھبرا کے درندے یہ پرندوں کو پکارے
شیطاں پسرِ سعد کی گردن پہ چڑھا ہے
بھاگو پسرِ شیرِ خدا رن پہ چڑھا ہے

۱۰۵
صحرا میں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
در سے جو اڑے کبک تو جنگل سے اڑے مور
اس شور سے بہرام کی تھرانے لگی گور
صفدر کا قدم بڑھتے ہی شیروں کا گھٹا زور
آہو میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
نے شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے

۱۰۶
چمکی جو علمدار کی شمشیر ہلالی
دہشت سے نیستان اسد کر گئے خالی
گھبرا کے فلک نے سپرِ مہر سنبھالی
اور بحر نے بھی بر میں زرہ موج کی ڈالی
اعدا میں یہ غل تھا کہ یہ تیغ ہیں جو ہیں
احول کی طرح ایک سمجھتا تھا کہ دو ہیں

۱۰۷
وہ حجتِ قاطع ہے علمدار کی شمشیر
کچھ وصف لکھا چاہتی ہے تیز سی تقریر
دشمن کو مفر جس سے نہیں ہے کسی تدبیر
ڈر یہ ہے کہ خامہ نہ قلم ہو دمِ تحریر
مضمون بہت تیز ہیں اس برقِ دو دم کے
جوشن کی دعا چاہیے بازو پہ قلم کے

۱۰۸
ڈالوں جو بیاں ہی میں دمِ تیغ کا پانی
شمشیرِ خراسانی و تیغِ صفاہانی
تب ہو رقم اس برقِ سر افشاں کی روانی
ہاں کند ہے گر لاکھ رکھے تیز زبانی
دم میں نہ پیادے نہ سواروں کے پرے ہیں
سب جوہرِ شمشیرِ خدا اس میں بھرے ہیں

۱۰۹
خوں ریزیِ شمشیر کا لکھوں جو کوئی حرف
ہوتے تھے سیہ کاروں کے تن مثلِ قلم حرف
ہو صاف سیاہی سے عیاں شوخیِ شنجرف
روکیں کوئی وار اس کا یہ ڈھالوں کا نہ تھا ظرف
ہر ایک کے مانند اجل دشمنِ جاں تھی
چار آئینہ میں امن نہ جوشن میں اماں تھی

۱۱۰
ہے لطف یہی نام اس کا فقط شیر نے پایا
عالم پہ اسی نام سے رعب اس کا ہے چھایا
تب جوہرِ جرأت اسی کے حصہ میں آیا
آنکھ اس سے ملانے کی کوئی تاب نہ لایا
مثلِ دمِ شمشیر لہو اس کی خورش ہے
پنجے میں جو ہے زور تو ناخن میں برش ہے

۱۱۱
لو حملہ کناں ہوتے ہیں عباسِ علمدار
لو حضرتِ حمزہؓ نے کیا فوج کو مسمار
لو جعفرِؓ طیار ہوئے جنگ پہ طیار
لو غزوۂ خیبر پہ چلے حیدرِ کرار
ٹھہرے نہ قدم فوج میں ہلچل پڑی آخر
لو تیغ دو چلی صفِ اول ہوئی آخر

۱۱۲
رہوار نے بیتابیِ سیماب دکھائی
تلوار نے بجلی کی تب و تاب دکھائی
اڑتا تھا سوئے نہر کدھر سے آب دکھائی
ہر تاب نے اک جدولِ خون ناب دکھائی
افتادہ تھے بے سر جو پرے فوجِ لعیں کے
سطریں سی نظر آتی تھیں صفحے پہ زمیں کے

۱۱۳
اللہ ری برش وار سے تھا وار زیادہ
اور دیدۂ عشاق سے خوں بار زیادہ
معشوق کے ابرو سے جفا کار زیادہ
شمشیر مہ نو سے نمودار زیادہ
گھاٹ ایسا کہ چھوڑا نہ کسی کشتیِ تن کو
باڑھ ایسی کہ اک قلزمِ خوں کر دیا رن کو

۱۱۴
قبضہ وہ درِ ظلم و ستم بند ہے جس سے
جوہر وہ سدا فتح قلم بند ہے جس سے
باڑھ ایسی ردِ ملکِ عدم بند ہے جس سے
پشہ وہ کہ نمرود کا دم بند ہے جس سے
چھائی ہے یہ جوہر کی گھٹا ابر نہیں ہے
دشمن کو پناہ اس سے بجز قبر نہیں ہے

۱۱۵
تھا چار طرف شام کے لشکر میں تلاطم
برپا تھا عجب فوجِ ستمگر میں تلاطم
آندھی سے ہو جس طرح سمندر میں تلاطم
واں بحر میں ہلچل تھی ادھر بر میں تلاطم
تھا شور کہ لشکر کی بھی کثرت میں کمی ہے
ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں طوفاں میں تھمی ہے

۱۱۶
تھیں وہ کہ جن پر نہ دھری جاتی تھی انگشت
دہشت سے اٹھاتے نہ تھے سر گرز گراں مشت
منہ پھیرے چلے جاتے تھے ہنگامِ زد و کشت
ڈھالوں کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھیں پسِ پشت
ہتھیار گرے پڑتے تھے ثابت قدموں کے
سمٹے ہوئے تھے ڈر سے پھریرے علموں کے

۱۱۷
سو سو ہوئے بے سر صفِ دشمن پہ جب آئی
اتنی تو صدا آئی کہ برچھی غضب آئی
غل تھا نہیں بچنے کے اجل سب کی آب آئی
پھر یہ نہ کھلا کب گئی اور سر پہ کب آئی
دشمن کو نہ انجام نہ آغاز دکھایا
تلوار نے سب موت کا انداز دکھایا

۱۱۸

ہر غول میں غل تھا کہ بلا آتی ہے بھاگو
برقِ غضبِ ربِّ عُلا آتی ہے بھاگو
رکنے کی نہیں سیلِ فنا آتی ہے بھاگو
تلوار نہیں سر پہ قضا آتی ہے بھاگو
ڈر جس کا لگا رہتا ہے دن رات یہی ہے
اے بے خبرو مرگِ مفاجات یہی ہے

۱۱۹

ہر فرد کو اس تیغ کے جوہر نظر آئے
سوئے سپرِ افواجِ ستم پر نظر آئے
ریتی پہ تپاں جسم برابر نظر آئے
اُڑتے ہوئے بالائے ہوا سر نظر آئے
چلّاتے تھے ڈر ڈر کے پرندے کہ یہ کیا ہے
آتی تھی سلیمانؑ کی صدا قہرِ خدا ہے

۱۲۰

ترچھی جو پڑی زیرِ بغل فرق سے نکلی
یوں جا کے تنِ ظالمِ پُرزرق سے نکلی
منہ غرب کی جانب جو کیا شرق سے نکلی
العظمۃ للہ صدا برق سے نکلی
اُڑ اُڑ کے چمکتی تھی جو اعدا کے سروں پر
دم نادِ علیؑ کرتے تھے جبرئیل پروں پر

۱۲۱

لٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے آہن ستم اس کا
لشکر کو دکھاتا رہِ راست خم اس کا
خوں پینے سے بھرتا تھا نہ خالی شکم اس کا
نے سنگ سے رکتا تھا نہ آہن سے دم اس کا
کب سنگ کی سختی کو بھلا مانتی تھی وہ
فولاد کو جب موم سے کم جانتی تھی وہ

۱۲۲

دکھلا کے گلِ زخم، بدن سے نکل آئی
ہمراہ لیے روح کو تن سے نکل آئی
شمشیرِ خزاں تھی کہ چمن سے نکل آئی
شپ سے جو پڑی سر پہ تو سن سے نکل آئی
سرکش تھا تکبّر سے جب افلاک پہ سر تھا
جھپکی تھی ادھر آنکھ ادھر خاک پہ سر تھا

۱۲۳

مغفر میں ہوئی غرق تو سر کاٹ کے نکلی
شانے پہ گری تا بہ کمر کاٹ کے نکلی
روکا جو سپر پر تو سپر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
ہر ہاتھ میں گردش تھی نئی ڈھنگ نیا تھا
گھوڑے کے بھی ٹکڑے تھے یہ جو رنگ نیا تھا

۱۲۴

دل ہٹ گئے جس دم وہ صفِ فوج پہ چمکی
جب فرد کو دو کر کے پھری زوج پہ چمکی
معلوم ہوا برقِ غضب موج پہ چمکی
چمکی کبھی پستی پہ کبھی اوج پہ چمکی
گردش جو ہوئی ہاتھ کو ہالا نظر آیا
ہر ضرب میں عالم تہ و بالا نظر آیا

۱۲۵

ڈر سے کوئی لشکر کا نشاں چھوڑ کے بھاگا
شہ زور ہر اک گرزِ گراں چھوڑ کے بھاگا
شمشیر و سپر کوئی جواں چھوڑ کے بھاگا
کوئی صفتِ تیر و کماں چھوڑ کے بھاگا
اندام سے نکلی جو زرہ دام سے چھوٹا
غل تھا کہ ہرن پنجۂ ضرغام سے چھوٹا

۱۲۶

تڑپا ہوا پہونچا لبِ ساحل جو وہ صفدر
رہوار نے دیکھا رخِ عباسؑ کو مڑ کر
یاد آ گئی بس تشنگیِ آلِ پیمبرؐ
سمجھے کہ ہے گھوڑا ابھی بہت پیاس سے مضطر
آنکھوں سے رواں ہوں گے وہاں اشکِ سکینہؑ
بہتر ہے کہ اب جلد بھرو مشکِ سکینہؑ

۱۲۷

بس خوب لڑے شانِ یداللہ دکھائی
سب ہیچ ہے گر پیاس نہ بچوں کی بجھائی
عالم کو بہت یاد رہے گی یہ لڑائی
اب وہ کرو جس میں کہ رضامند ہوں بھائی
گھبرائے ہوئے ہو گیا بنتِ امامِ مدنی سے
سقائی بھی کچھ کم نہیں شمشیر زنی سے

۱۲۸

مرجانا تو لڑ بھڑ کے کچھ ایسا نہیں دشوار
مشکیزے کی کشتی لیے اس فوج سے ہو پار
مردوں کا یہی کام ہے جب کھینچ لی تلوار
عباسؑ بڑی فتح ہے چل جائے جو یہ وار
عالم میں یہ چرچا سحر و شام رہے گا
سقائے حرم حشر تلک نام رہے گا

۱۲۹

ہے یاد تجھے قصۂ بیرِ الم اے دل
یاں کون سا اندیشہ ہے اور کون سی مشکل
پانی کے لیے آگ میں کودے شہِ عادل
نے آگ ہے نہ جن ہیں وہ دریا ہے یہ ساحل
کیا منہ ہے جو ناری ہمیں واں جانے نہ دیں گے
بیٹھے ہیں تو ہم مشک پہ آنچ آنے نہ دیں گے

۱۳۰

فرماکے یہ دریا میں وہ غازی جو در آیا
پھر بعد کئی دن کے جو پانی نظر آیا
ہر ماہیِ دریا نے یہ جانا قمر آیا
اشک آنکھوں سے بہنے لگے منہ کو جگر آیا
صدمہ ہوا یاد آ گئی تقریرِ سکینہؑ
آنکھوں کے تلے پھر گئی تصویرِ سکینہؑ

۱۳۱

عباسؑ نے مشکیزے کو چھاتی سے لگا کر
لٹکا لیا تسمے کو قریں دوش کے لا کر
سیراب کیا نہر سے پھر اشک بہا کر
اعدا کی صفیں بند ہو گئیں پھر نہر پہ آ کر
لب تشنہ جو وہ حق کا شناسا نکل آیا
رہوار بھی اس نہر سے پیاسا نکل آیا

۱۳۲

ساحل سے نکلتا تھا کہ پھر چلنے لگے تیر
غازی نے کہا کون سی اب کیجیے تدبیر
اس چاند پہ بدلی کی طرح چھا گئے بے پیر
پھر جنگ کرو آگے جو کچھ خواہشِ تقدیر
پروا نہیں دم میں یہ انبوہ تو ہٹ جائے
پر مشک کا ڈر ہے کہ تیغوں سے نہ کٹ جائے

۱۳۳

دیکھا جو بہادر نے کہ آ پہنچے عدو پاس
آنکھیں تھیں لہو، تیر سے بکتے تھے حواس
یا شیرِ خدا کہہ کے بڑھے حضرتِ عباسؑ
بچ جانے کی امید کبھی تھی تو کبھی یاس
تیروں کے کبھی سامنے کر دیتے تھے سینہ
گھبرا کے کبھی مشک پہ دھر دیتے تھے سینہ

۱۳۴

بچانے کی اگر دہنی طرف راہ نہ پائی
چھاتی کو سپر کر دیا تلوار جب آئی
مشکیزہ لیے جانبِ چپ باگ پھرائی
نیزوں سے بچایا نہ بدن مشک بچائی
جب زخم کوئی کھایا تو مشکیزہ کو دیکھا
سن سے کوئی تیر آیا تو مشکیزہ کو دیکھا

۱۳۵

رہوار کو جھنجھلا کے کبھی کاوے پہ ڈالا
لڑ کر کبھی انبوہ سے گھوڑے کو نکالا
دکھلا دیا سب کو کبھی چاند اور کبھی ہالا
کاٹا کبھی نیزہ کبھی ترکش کبھی بھالا
انبار تن و سر کا سرِ راہ دکھایا
ہر ضرب میں زورِ اسد اللہ دکھایا

۱۳۶

لرزتے تھے وہ انبوہ نہ ہوتا تھا اگر کم
اجڑا تھا سمندر کی طرح لشکر اظلم
واں جانے نہ دیتا یہی غل ہوتا تھا ہر دم
واں غش میں سکینہؑ تھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بکف اکبرؑ ذی جاہ کھڑے تھے
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

۱۳۷

فرماتے تھے رو رو کے یہ اکبرؑ سے بصد یاس
اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا عباسؑ
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے آس
آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
مارا ہمیں امت نے دہائی ہے نبیؐ کی

۱۳۸

گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا
کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلائے شہ دیں کہ نہیں صبر کا یارا
سقائے حرم چھوڑتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقت عباسؑ نے کھویا
ہے ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

۱۳۹

منہ کر کے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری
دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لا کر ہمیں دو مشک ہماری
بابا کی سنی جاتی نہیں گریہ و زاری
چلاؤ کہ بے تاب امام دو سرا ہیں
ہم نے تمھیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

۱۴۰

یہ سن کے ادھر کرتے تھے شہ اشک فشانی
واں ہو گیا بیدست یداللہ کا جانی
شانوں سے لہو بہنے لگا مشک سے پانی
گھوڑے سے نہ گرتا ابھی وہ یوسفؑ ثانی
خوں خواروں کے نرغے میں گھر آگئے عباسؑ
اک گرز لگا سر پہ کہ تیورا گئے عباسؑ

۱۴۱

حضرت کو پکارا مرے آقا مرے آقا
دوڑو کہ مجھے مارا مرے آقا مرے آقا
تن زخمی ہے سارا مرے آقا مرے آقا
بندہ ہوں تمھارا مرے آقا مرے آقا
سقے کی بہشتی کی فدائی کی خبر لو
خادم کی نمک خوار کی بھائی کی خبر لو

۱۴۲

چلا کے شہ دیں نے کہا ہائے برادر
تم بھائی سے ہوتے ہو جدا ہائے برادر
بھائی نہ ہوا تم پہ فدا ہائے برادر
لکھی تھی جوانی میں قضا ہائے برادر
افسوس کہ وقفہ نہ کیا چند نفس کا
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے بتیس برس کا

۱۴۳

یہ کہہ کے سوئے نہر جو دوڑے شہ والا
تیورا کے گرے تھے مگر اکبرؑ نے سنبھالا
گر پڑتے تھے رستا تھا جہاں خون کا نالا
معلوم نہ ہوتا تھا اندھیرا نہ اجالا
بھائی کے تصور میں جو گھبراتے تھے شبیرؑ
ہر لاش سے چلا کے لپٹ جاتے تھے شبیرؑ

۱۴۴

بسمل سے تڑپتے ہوئے جب نہر پہ آئے
عباسؑ کوئی آن کے میداں نظر آئے
سر پیٹتے شبیرؑ جو بالائے سر آئے
اشک آنکھوں میں عباسؑ دلاور کی بھر آئے
زخمی کو جو اٹھنے کی نہ طاقت تھی زمیں سے
ملنے لگے آنکھیں قدم سرور دیں سے

۱۴۵
حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ
عباسؑ ہم آغوش میں یوں ہیں ادھر آؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

۱۴۶
یہ کہہ کے گرے لاش پہ پھر با دلِ مضطر
زانو پہ رکھا خاک سے سر اُس کا اٹھا کر
پیشانی کو بوسہ دیا منھ رکھ دیا منہ پر
رو رو کے کہا کھولو تو آنکھوں کو برادر
ملنے کے لیے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں عباسؑ
تم دیکھو تو کس حال سے ہم آئے ہیں عباسؑ

۱۴۷
غش میں جو سنی اس نے صدا اے شہِ والا
ہونٹوں کو بھی جنبش ہوئی آنکھوں کو بھی کھولا
آہستہ کہا شہ سے میں صدقے مرے مولا
تعظیم سے معذور ہوں میں اٹھ نہیں سکتا
یہ داغ زمانے سے چلا ساتھ ہمارے
پانی نہ ملا تن سے کٹے ہاتھ ہمارے

۱۴۸
افسوس کہ بن آئی نہ ہم سے کوئی تدبیر
دل زخمی جب سے کہ لگا مشک پہ اک تیر
کہہ دیجو سکینہؑ سے کہ بی بی تری تقدیر
پانی کے نہ لانے میں نہ تھی کچھ مری تقصیر
لب تشنہ رہو تم یہی مرضی تھی خدا کی
اب حشر کے دن دیکھو گی صورت کو چچا کی

۱۴۹
یہ کہتے ہی اک موت کی ہچکی اُسے آئی
اور آنکھ بھی نظارۂ عالم سے پھرائی
گھبرا کے کہا شہ نے یہ کیا کرتے ہو بھائی
کی عرض کہ نزدیک ہے اب وقتِ جدائی
بیدست برادر کی مدد کیجئے آقا
قبلے کی طرف مجھ کو پھرا دیجئے آقا

۱۵۰
شاہد مرے کلمے کے رہیں آپ برادر
معبود نہیں کوئی بجز خالقِ اکبر
برحق ہے رسولِ عربی حق کا پیمبرؐ
بے فصل ہے احمدؐ کا وصی حیدرِ صفدر
بعد اُن کے حسنؑ مالک و مختارِ زماں ہیں
اور بعدِ حسنؑ آپ امامِ دو جہاں ہیں

۱۵۱
سب آپ پہ روشن ہے عقیدے کا مرے حال
کیجے گا مدد ہوئے گی جب پرسشِ اعمال
ہے خوفِ فشارِ لحد اے فاطمہؑ کے لال
پر آپ نے آغوش میں پالا ہے کئی سال
نازاں ہوں کہ کام آئیے گا واں مرے مولا
سب مشکلیں ہو جائیں گی آساں مرے مولا

۱۵۲
آوازِ علیؑ آئی کہ اے عابد و زاہد
مقبولِ خدا ہیں ترے اعمال و عقائد
صدقے ترے اے راہِ الٰہی کے مجاہد
ہیں ہیچ تنِ پاک ترے زہد کے شاہد
تشریف رسولؐ دوسرا لائیں گے بیٹا
غم کھاؤ نہ تم قبر میں ہم آئیں گے بیٹا

۱۵۳
یاں تھا ابھی یہ ذکر کہ برپا ہوا محشر
رونے میں لگے دیکھنے شہ خیمے کو مڑ کر
دیکھا کہ حرم گھر سے نکل آئے ہیں باہر
چلاتی ہے فضہ علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اب دخترِ سلطانِ مدینہ نہیں تھمتی
عباسؑ سے کہہ دو کہ سکینہؑ نہیں تھمتی

۱۵۴

فضہ کی یہ آواز جو عباسؑ تک آئی
شہ سے کہا یاں آتی ہے اب آپ کی جائی
تھرانے لگا نزع میں وہ شہ کا فدائی
دامن سے مرے منہ کو چھپا دیجئے بھائی
یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ
منہ پھیر لیا شرم سے اور مر گئے عباسؑ

۱۵۵

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے
عباسؑ علی چھوڑ کے جنت کو سدھارے
بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدق
عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدق

۱۵۶

کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینہ
بتلاؤ بھتیجی کی تسلی کا قرینہ
چلاتی ہے ڈیوڑھی پہ تمہیں بالی سکینہؑ
اس صدمے سے دشوار ہے اس بچی کا جینا
یہ مشک جو اس خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

۱۵۷

سر پیٹ کے چلانے لگے سیدِ ابرار
اب جوش پہ رقت ہے انیسؔ جگر افگار
ہے ہے مرے پیارے مرے بھائی مرے غم خوار
مولا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
حسرت ہے یہ آنکھوں سے درِ شاہ کو دیکھوں
عباسؑ فلک جاہ کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

عباسؑ کو لطفِ زندگانی نہ ملا
اکبرؑ کو بھی کچھ حظِ جوانی نہ ملا
اس موسمِ گرما میں غضب ہے یارو
شبیرؑ کو تین روز پانی نہ ملا

رباعی

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈھتی ہیں وہ نور ہے تو
ہے قرب رگِ جاں سے اس پہ یہ بعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

	مرثیہ	
عباسِ علیؑ یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے شبیرؑ کا دل روحِ حسنؑ جانِ علیؑ ہے	۱	شمشادِ قباپوشِ گلستانِ علیؑ ہے شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیوں کر رہے میدانِ وغا کا		فرزندِ زبردست ہے وہ دستِ خدا کا
سلطانِ سریر و حشم و جاہ ہے عباسؑ آئینۂ تصویرِ یداللہ ہے عباسؑ	۲	عالم کے شجاعوں کا شہنشاہ ہے عباسؑ شبیرؑ تو خورشید ہے اور ماہ ہے عباسؑ
اقبال و جلال اُن کا زمانہ پہ جلی ہے		وہ نورِ محمدؐ ہے تو یہ نورِ علیؑ ہے
روتے ہیں ملائک یہ عزاخانہ ہے کس کا ہر شمع کو رقّت ہے یہ افسانہ ہے کس کا	۳	جنت سے علیؑ آئے یہ کاشانہ ہے کس کا گردش میں ہے خورشید یہ پروانہ ہے کس کا
اُلٹے ہیں علم سب کے گریبان پھٹے ہیں		کس شیر کے بازو تہِ شمشیر کٹے ہیں
یہ لشکرِ غم ہے کہ عزاداروں کی صف ہے کون اُٹھ گیا کیوں رونے کا غل چاروں طرف ہے	۴	گوہر ہے جو ہر اشک تو ہر چشم صدف ہے ہاں ماتمِ فرزندِ شہنشاہِ نجف ہے
خالی نہیں مجلس میں جگہ نوحہ گروں سے		پُرسے کو علمدار کے آئے ہیں گھروں سے
بن کر ہمہ تن گوش سنو وصفِ علمدار ہیں بلبلِ گلزارِ سخن اور بھی دو چار	۵	دے سب کو خدا دیدۂ حق بیں، دلِ بیدار انصاف کریں ہر محلِ مضموں کے طلبگار
گلدستۂ معنی کے ذرا ڈھنگ کو دیکھیں		بندش کو نزاکت کو نئے رنگ کو دیکھیں
خورشیدِ منیرِ فلکِ نور ہے عباسؑ سقائے حرم خلق میں مشہور ہے عباسؑ	۶	مصباحِ شبستانِ سرِ طور ہے عباسؑ حیدرؑ کی طرح صاحبِ مقدور ہے عباسؑ
لاکھوں ہوں تو خوف اس کو دمِ رزم نہیں ہے		ایسا کوئی عالم میں اولوالعزم نہیں ہے
کیا کیا نہ جواں مرد ہوئے خلق میں پیدا ہر شہر میں غازی کی شجاعت کا ہے شہرا	۷	لیکن کوئی عباسؑ کی جرأت کو نہ پہونچا ہر لب پہ یہ ہے ذکر کہ یکتا ہے وہ یکتا
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہوئے گا جہاں میں		جو اہلِ وفا ہے اسے روئے گا جہاں میں
کیا دھاک ہے کیا رعب ہے کیا عزّت و توقیر معشوقِ شہِ عقدہ کشا عاشقِ شبیرؑ	۸	ہے فتح طلب اُن سے ہر ایک صاحبِ شمشیر صورت میں سراپا اسداللہ کی تصویر
حملہ ہے وہی شان وہی حرب وہی ہے		پنجہ ہے وہی زور وہی ضرب وہی ہے
دنیا میں ہما نے یہ سعادت نہیں پائی حمزہؑ نے یہ ہمت یہ شجاعت نہیں پائی	۹	فردوس میں طوبیٰ نے یہ رفعت نہیں پائی جعفرؑ نے یہ توقیر یہ شوکت نہیں پائی
سقائے حرم ہیں خلفِ شاہِ نجف ہیں		واں ایک بزرگی ہے تو یاں لاکھ شرف ہیں

۱۰

دو ہاتھ جو قربان کے حصے میں آئے
کوثر تو ہے قبضے میں تصرف میں ترائی
دیں پروری و دادرسی عقدہ کشائی
ہر بندے کو دیتے ہیں یہ بندوں کو رہائی
بیدست ہیں لیکن سپرِ پیر و جواں ہیں
کیا تیغ کی حاجت ہے کہ خود سیف زباں ہیں

۱۱

تھراتا ہے خورشیدِ جلال و حشم ایسا
نام ایسا دل ایسا شرف ایسا کرم ایسا
لاکھوں سے بھی ہٹتا نہیں ثابت قدم ایسا
جھک جاتی ہے شاخِ سرِ طوبیٰ علم ایسا
قطرے کے عوض لعل و گہر دیتے ہیں عباسؑ
دامن دُرِ مقصود سے بھر دیتے ہیں عباسؑ

۱۲

کیا فیض ہے کیا اسمِ مبارک میں اثر ہے
کیسی ہی مہم سخت ہو اک آن میں سر ہے
ہنگامِ مرض تقویتِ قلب و جگر ہے
بازو پہ جو باندھے تو سپر دستِ ظفر ہے
کام آتا ہے یہ نام مصیبت میں بلا میں
آفت میں سپر ہے تو سروہی ہے وغا میں

۱۳

شمشیرِ وغا فارسِ میدانِ تہور
تشبیہ میں عاجز ہو کس طرح تصور
جرار و وفادار و اولعزم و بہادر
ہے عالمِ بالا میں ملائک کو تحیر
جب کھینچ چکی شکل علمدار و علم کو
خود چوم لیا صانعِ قدرت نے قلم کو

۱۴

لکھے کوئی کیا نعتِ سردار و علمدار
بلبل کو بھی یوں گل کی محبت نہیں زنہار
دیکھا نہ کبھی عاشق و معشوق میں یہ پیار
قمری بھی نہیں سرو کی اس طرح طلب گار
اک آن فراق ان میں شب و روز نہیں ہے
پروانہ بھی یوں شمع کا دلسوز نہیں ہے

۱۵

فخر اپنا سمجھتے تھے یہ نعلین اٹھانا
ساتھ آنا سدا شاہ کے اور ساتھ ہی جانا
معراج تھی رومال کھڑے ہو کے ہلانا
تھی عینِ تمنا قدم آنکھوں سے لگانا
شہ سوتے تو تکیے پہ نہ سر دھرتے تھے عباسؑ
مانندِ قمر پھر کے سحر کرتے تھے عباسؑ

۱۶

فرماتے تھے شبیرؑ کہ اے میرے گل اندام
کہتے تھے غلاموں کو ہے آرام سے کیا کام
تم نے کوئی ساعت نہ کیا رات کو آرام
راحت ہے جو خدمت میں بسر ہو سحر و شام
لازم ہے ادب آپ ہیں سردار ہمارے
جاگے تو زہے طالعِ بیدار ہمارے

۱۷

فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر
عباسؑ علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدر
اس بھائی میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیرِ خدا کی

۱۸

ساری وہی صورت وہی شوکت ہے وہی شان
عباسؑ دلاور پہ تصدق ہے مری جان
طینت میں وہی خلق وہی طبع میں احسان
منظور یہ ہے روزِ حسینؑ اس پہ ہو قربان
اس کو بھی تو بچپن سے مرا عشقِ دلی ہے
صفدر ہے بہادر ہے سعیدِ ازلی ہے

۱۹

وہ کہتی تھی اے احمدِ مختار کے پیارے
زیبندہ ہے صدقے ہوں اگر چاند پہ تارے
خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
فخر اس کا ہے عباسؑ جو سر قدموں پہ وارے
شکر اس نے صد ایپائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

۲۰

عباسؑ کی خاطر سے میں کہتی نہیں واری
سوتے میں بھی رہتا ہے زباں پر یہی جاری
ہے اوس کو نہ اولاد نہ جان آپ سے پیاری
فرزندِ پیمبرؐ پہ فدا جان ہماری
ہے عشقِ ولی اُس کو شہ کون و مکاں سے
بیتا نہیں بے صلِ علی نام زباں سے

۲۱

اک روز کہا میں نے کہ عباسِؑ وفادار
صدقے گئی یہ طرفہ محبت ہے نیا پیار
تم اُن کا غلام آپ کو کیوں کہتے ہو ہر بار
جو تم ہو سو وہ ہیں خلفِ حیدرِ کرّارؑ
مرتے ہوئے حیدرؑ نے سپرد اُن کے کیا ہے
کچھ خطِ غلامی تو نہیں لکھ کے دیا ہے

۲۲

اتنا مرا کہنا تھا کہ بس آنکھ پھرا لی
تو بہ کرو یکساں ہوا میں اور شہِ عالی
تھرا کے کہا بات یہ کیا منہ سے نکالی
میں بندۂ ناچیز وہ کونین کا والی
قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا
ذرّہ کبھی خورشید سے ہمسر نہیں ہوتا

۲۳

نسبت مجھے کیا اُن سے کہاں نور کہاں خاک
عباسؑ کے نانا بھی ہیں کیا سیدِ لولاک
میں گردِ قدم اور وہ تاجِ سرِ افلاک
میرے لیے آئی ہے کبھی خلد سے پوشاک
سویا ہوں کبھی میں بھی محمدؐ کی عبا میں
میری بھی ثنا ہے کہیں قرآنِ خدا میں

۲۴

زہراؑ نے مجھے دودھ پلایا ہو تو کہہ دو
جبریلؑ نے جھولے میں جھلایا ہو تو کہہ دو
کاندھے پہ محمدؐ نے چڑھایا ہو تو کہہ دو
ان رتبوں میں سا رتبہ کوئی پایا ہو تو کہہ دو
وہ فخرِ دو عالم ہے امامِ دو جہاں ہے
اسرارِ لدُنّی مرے سینے میں نہاں ہے

۲۵

اک مور ہو کس طرح سلیماں کے برابر
ہر باغ نہیں روضۂ رضواں کے برابر
رتبہ میں صحیفہ نہیں قرآں کے برابر
کیوں کر ہو سُہا نیّرِ تاباں کے برابر
سر قائمۂ عرش تلک جا نہیں سکتا
کعبے کا شرف کوئی مکاں پا نہیں سکتا

۲۶

خوش ہوں جو غلامِ علی اکبرؑ مجھے سمجھیں
وہ خادمِ اولادِ پیمبرؐ مجھے سمجھیں
میں یہ نہیں کہتا کہ برادر مجھے سمجھیں
رتبہ مرا بڑھ جائے جو قنبرؑ مجھے سمجھیں
نعلین اٹھاؤں مری معراج یہی ہے
شاہی بھی یہی تخت یہی تاج یہی ہے

۲۷

یکساں ہے تو ہے مرتبۂ شبّرؑ و شبیرؑ
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں اے مادرِ دلگیر
بیٹوں میں علیؑ کے یہ کسی کی نہیں توقیر
مجھ سے نہ سنی جائے گی اس طرح کی تقریر
اب آپ کو صورت بھی نہ دکھلائے گا عباسؑ
باتیں جو یہی ہوں گی تو مر جائے گا عباسؑ

۲۸

کیا بھول گئیں واقعۂ رحلتِ حیدرؑ
اس پہلو میں شبیرؑ تھے اُس پہلو میں شبرؑ
تھا آپ کے زانو پہ سرِ فاتحِ خیبر
زینبؑ بہ سرِ خاک تڑپتی تھیں کھلے سر
صحت ہو پدر کو یہ دعا کرتا تھا میں بھی
لپٹا ہوا قدموں سے بکا کرتا تھا میں بھی

۲۹

پاس اپنے بلا کر مجھے بابا نے کیا پیار
فرمایا حسنؑ ہے مرے نو بیٹوں کا مختار
اور ہاتھ مرا ہاتھ میں شہ کے دیا اک بار
عباسؑ رہا اک تو حسینؑ اس کا ہے سردار
فرمایا تھا مجھ سے کہ امام اپنا سمجھنا
آقا سے کہا تھا کہ غلام اپنا سمجھنا

۳۰

ہنس ہنس کے میں سنتی رہی تقریر یہ ساری
لے لے کے بلائیں کہا تب میں نے کہ واری
اُس کو تو یہ غصہ تھا کہ آنسو ہوئے جاری
حاصل ہوئی واللہ مراد آج ہماری
وہ دن ہو کہ حق مجھ سے غلامی کا ادا ہو
تو قبلۂ کونین کے قدموں پہ فدا ہو

۳۱

فرمانے لگے اشک بہا کر شہِ ابرار
عباسؑ مرا اور مرے سب گھر کا ہے مختار
ہاں والدہ ایسا ہی ہے وہ بھائی وفادار
رکھتا ہے حسینؑ اک یہی بازو یہی غم خوار
اماں اسی بازو سے قوی ہاتھ ہیں میرے
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ساتھ ہیں میرے

۳۲

کیا انس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ
جب قافلہ نزدیک پہونچتا ہے تو ناگاہ
مر کر بھی ہیں پروانۂ شمعِ لحدِ شاہ
عباسؑ کو یہ ہوتا ہے حکمِ شہِ ذی جاہ
آج آتے ہیں غم خوارِ شہنشاہِ امم کے
لاؤ مرے زواروں کو سایے میں علم کے

۳۳

تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشقِ شبیرؑ
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاند سی تصویر
کاندھے پہ محمدؐ کا علم ہاتھ میں شمشیر
ہوتے ہیں جلو میں شہدا صاحبِ توقیر
واں رحمتِ خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ
کس دھوم سے زواروں کو لے جاتے ہیں عباسؑ

۳۴

روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار
دربار یہ حضرتؑ کا وہ عباسؑ کی سرکار
اردو ہے ادھر شہ کا اُدھر آپ کا بازار
دونوں درِ رحمت ہیں جدھر رخ کریں زوار
دل کھل گئے پہونچے جو رواقِ شہِ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلدِ بریں میں

۳۵

یاں زحمتِ غربت ہے وہاں دبدبۂ جاہ
شیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں روباہ
روضے پہ ہے یہ رعب کہ العظمۃ للہ
سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ
بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضے میں قسم کھا نہیں سکتا

۳۶

رشکِ درِ فردوس ہے وہ روضۂ پرنور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہے مشہور
پہونچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سرِ طور
زنجیر ہے یا سلسلۂ زلفِ سرِ حور
رضواں کی طرح خادمِ درگاہ کھڑے ہیں
کیلیں نہیں اس در پہ ستارے سے جڑے ہیں

۳۷

ساتوں فلک اس در کی بلندی سے ہیں ششدر
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر
زیبا ہے اسے کہیے اگر عرشِ منوّر
حقا کہ درِ خانۂ ایماں ہے وہی گھر
اس در کے لیے خلق میں یہ عزّ و شرف ہے
دنیا میں جواب اس کا اگر ہے تو نجف ہے

۳۸

شبیر کے زوّاروں کی الفت کا جو ہے جوش
ہے ذاتِ علم دار عطاپاش و خطاپوش
دروازہ بھی ہے شوق میں کھولے ہوئے آغوش
روتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش
یہ کون سی جاگہ ہے رہے دھیان ادب کا
آرام میں ہے نسل شہنشاہِ عرب کا

۳۹

دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
روشن ہے زمیں وادیٔ ایمن سے زیادہ
مل جاتا ہے داں سے درِ فردوس کا جادہ
ہاتھ آیا شرف جب قدم اس فرش پہ پہونچا
کرسی پہ دھرا پاؤں تو سر عرش پہ پہونچا

۴۰

اس گنبدِ آبی کی زہے آب زہے تاب
کیا سطوتِ شاہانہ ہے کیا رعب ہے کیا داب
ہوتے دلِ پژمردہ جسے دیکھ کے شاداب
جھک جھک کے ملک کرتے ہیں سجدے بصد آداب
یہ قصرِ فلک قالبِ افتادہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے کاہکشاں جادہ ہے اس کا

۴۱

ضو دیتا ہے کیا قبۂ ایوانِ علم دار
شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار
ہے مہبطِ انوارِ خدا ہر در و دیوار
گر پڑتی ہے بالائے زمیں مہر کی دستار
ہو جاتا ہے دھوکا فلکِ نیلوفری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاجِ زری پر

۴۲

رتبے میں ہے وہ سقف کہیں چرخ سے عالی
بے حسن نہ دیکھا کوئی روزن کوئی جالی
پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی
معمار نے بھی اس کی بنا نور کی ڈالی
منہ ملتا ہے خورشید ہر اک خشت پہ آکر
گچ واں کی بنائی ہے ستاروں کو ملا کر

۴۳

فولادی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے
حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے
ہے نور کا گھر بولے بہشت اس میں بھری ہے
جو اس کا شگفتہ ہے وہ اک چشمِ پری ہے
ہے زانوئے حور اس کے رخِ پاک کے نیچے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے

۴۴

محروم پھرا داں سے نہ جا کر کوئی مخلوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق
پاتے ہیں شفا کور و شل و ابرص و مدقوق
آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق
رحمت کا سفینہ اسے کہیے تو بجا ہے
تابوتِ سکینہ اسے کہیے تو بجا ہے

۴۵

کرتے ہیں طواف اس کا سدا فخر سے افلاک
پلکوں سے ملک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک
تابوت نہیں عرشِ بریں ہے یہ سرِ خاک
روضہ ہے اگر رحل تو قرآں جسدِ پاک
کیا قدرِ ارم جب یہ مکیں اس میں نہیں ہیں
خاتم تو ہے نادر پہ نگیں اس میں نہیں ہے

۴۶

قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور
رنگ رخ مہتاب فلک ہوتا ہے کافور
پروانہ ہے شمعوں پہ تجلی سر طور
ہو جاتا ہے خورشید فلک شام سے مستور
بخشے ہیں خدا نے دل بیدار دروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو

۴۷

قندیلوں میں خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن
نور اس میں ہے یوں سینے میں جیسے دل روشن
خاکے ہیں کہ بریں پہ کنعاں کی ہے جو شن
جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلی کا ہے مسکن
ہر وقت نیا حسن نئی جلوہ گری ہے
کھنچنے میں ہے طاؤس ابھرنے میں پری ہے

۴۸

عباسؑ علمدار کی درگاہ کے صدقے
کیا شیر ہیں ابن اسد اللہ کے صدقے
شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
جس راہ سے سب جاتے ہیں اس راہ کے صدقے
پہلے نہ بہشت اور نہ رخ حور دکھائے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھائے

۴۹

مداحیٔ عباسؑ بشر کا نہیں مقدور
ظاہر ہوئی گردوں پہ جو صبح شب عاشور
اب تذکرۂ معرکۂ جنگ ہے منظور
میداں میں صف آرا ہوا سب لشکر مقہور
تیر آتے ہیں ہر صف سے امام ازلی پر
فوجوں کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علی پر

۵۰

جب شہ کے عزیزوں کو پیام اجل آیا
اک شیر سا جھنجلا کے پرے سے نکل آیا
راحت میں علمدار جری کی خلل آیا
تلواریں کھنچیں واں ادھر ابرو پہ بل آیا
کچھ کہہ تو نہ سکتے تھے شہ دیں کے ادب سے
ہونٹوں کو چباتے تھے مگر جوش غضب سے

۵۱

اتنے میں شہادت کئی لڑکوں نے بھی پائی
جب شمع مزار حسنؑ اعدا نے بجھائی
اور سامنے مارے گئے چھوٹے کئی بھائی
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبیرؑ کی جائی
محتاج تھا یاں لاشۂ نوشاہ کفن کو
واں بی بیاں رنڈسالہ پنہاتی تھیں دولھن کو

۵۲

روتے تھے بھتیجے کے لئے سید ابرار
رو کر علی اکبرؑ سے یہی کہتے تھے ہر بار
تر تھے عرق شرم سے عباسؑ علمدار
جی چاہتا ہے پھینک دیں اب کھول کے ہتھیار
انصاف کرو منہ کسے دکھلانے کی جا ہے
غیرت سے گلا کاٹ کے مرجانے کی جا ہے

۵۳

کی زوجۂ مسلمؑ نے خدا اپنی کمائی
سب بیبیوں نے دولت اولاد لٹائی
بیٹوں کو رضا مرنے کی زینبؑ نے دلائی
قاسمؑ تھے سو ماں اُن کی انھیں نذر کو لائی
ہم کس سے کہیں چپکے کھڑے روتے ہیں خفت سے
اماں تو مدینے میں ہیں بابا ہیں نجف میں

۵۴

شبیرؑ نے مغموم جو عباسؑ کو پایا
احوال جو پوچھا تو یہ اکبرؑ نے سنایا
ہم شکل پیمبر کو اشارے سے بلایا
ہے ابر الم دل پہ چچا جان کے چھایا
کام آتا ہے جو رن میں خجل ہوتے ہیں عباسؑ
دامان علم منہ پہ دھرے روتے ہیں عباسؑ

۵۵

جس وقت سے نوشاہ کا لاشہ ہوا پامال
چہرہ ہے کبھی زرد کبھی سبز کبھی لال
اس وقت سے ہے آپ کے بھائی کا عجب حال
دانتوں میں کبھی ہونٹ کبھی آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ اب سوئے نجف جائے گا عباسؑ
منہ رانڈ بھتیجی کو نہ دکھلائے گا عباسؑ

۵۶

حضرت نے کہا سب ہے یہ سامانِ جدائی
منظور تھا ضائع نہ ہو بابا کی کمائی
ٹوٹے گی کمر ہم سے بچھڑ جائے گا بھائی
کچھ اُن کا نہ جائے گا ہماری اجل آئی
بھائی کے لیے داغِ جگر بھائی کا غم ہے
دھیان اپنا ہے اُن کو ہمیں تنہائی کا غم ہے

۵۷

وہ چاہتے ہیں جوہرِ شمشیر دکھائیں
خود سینہ سپر ہو کے برادر کو بچائیں
آنچ آئے نہ شبیرؑ پہ ہم برچھیاں کھائیں
ہم آہ کہاں سے جگر اس طرح کا لائیں
پھر کون ہے میرا جو وہ عالم سے اٹھے گا
یہ داغ تو پیارے نہ کبھی ہم سے اٹھے گا

۵۸

رخصت نہ ملے گی وہ خوشی ہوں کہ خفا ہوں
ہم کو بھی تو مرنا ہے شہید ایک ہی جا ہوں
دم بھرتے ہیں الفت کا تو مجھ سے نہ جدا ہوں
ہم اُن پہ تصدق ہوں تو وہ ہم پہ فدا ہوں
جب آئے اجل کھول کے آغوش لپٹ جائیں
اور تیغ سے دونوں کے گلے ساتھ ہی کٹ جائیں

۵۹

اکبرؑ نے کہا زیست سے بندہ بھی ہے عاری
شہ بولے ابھی چپ رہو خاطر ہے ہماری
ہے بعد مرے رخصتِ عباسؑ کی باری
کس کس کی جدائی میں کریں گریہ و زاری
تنہا کرو دوشِ محمدؐ کے مکیں کو
اتنا بھی ستاتے نہیں اکبرؑ روحزیں کو

۶۰

دیتا ہے کوئی داغ کوئی کرتا ہے گھائل
کیا درد رسیدہ کو الم دینے سے حاصل
سو وار ہیں اک جان ہے سو زخم ہیں اک دل
تم دونوں کو مشکل نہیں کچھ ہے مجھے مشکل
ایسا بھی کوئی بے کس و بے آس نہ ہوگا
ہم ذبح بھی ہوں گے تو کوئی پاس نہ ہوگا

۶۱

مختار تمہاری تو ہے بس زینبؑ دلگیر
تم برچھیاں کھانے کی عبث کرتے ہو تدبیر
لازم ہے تمہیں پالنے والی سے یہ تقریر
جو روٹھے ہیں ان کو تو منالے ابھی شبیرؑ
اولاد کا ہے دھیان نہ کچھ پیاس کا غم ہے
تم سب سے زیادہ مجھے عباسؑ کا غم ہے

۶۲

بیٹے سے یہ فرما کے جو رونے لگے سرور
سمجھے کہ طلب کرتے ہیں رخصت علی اکبرؑ
بے چین ہوئے دیکھ کے عباسؑ دلاور
حضرت کے پسِ پشت کھڑے ہو گئے آکر
سایا جو کیا فرق پہ دامانِ علم کا
سینے میں دھڑکنے لگا دل شاہِ امم کا

۶۳

مڑ کر کہا اللہ مری جان کہاں تھے
اندھیر جہاں تھا کہ تم آنکھوں سے نہاں تھے
ہم دیر سے تصویر کی صورت نگراں تھے
کیوں تر گلِ رخسار ہیں کیا اشک رواں تھے
لاشے پہ تو روئے نہ تھے فرزندِ حسنؑ کے
ہاں خیمے میں پرسے کو گئے ہو گے دولہن کے

۶۴
ان روتی ہوئی آنکھوں کے قربان ہو شبیرؑ
چھاتی سے لپٹ جاؤ مری اے صاحبِ شمشیر
اللہ رے کیا زور ہے جو خواہشِ تقدیر
کی سر کو جھکا کر یہ علمدار نے تقریر
ناچیز پہ کچھ لطف سے حاصل نہیں مولا
میں چھاتی سے لپٹانے کے قابل نہیں مولا

۶۵
شہ نے کہا کیوں ہم سے کچھ آزردہ ہو بھائی
کیا کہتے ہو کیوں شرم سے گردن ہے جھکائی
ان باتوں سے کچھ بوئے خفگی کی ہمیں آئی
پیارے نہیں ہم تم کو یہ کیا جی میں سمائی
دیکھو تو ادھر سبطِ نبیؐ تم پہ فدا ہو
ہم صدقے ہیں تم بھائی سے روٹھو کہ خفا ہو

۶۶
لو آؤ میں ان اشکوں کو دامن سے کروں پاک
قربان تمھارے پسرِ سیدِ لولاک
زلفوں پہ کدھر جا کے جلا لائے ہو یہ خاک
مجھ دردرسیدہ کو عبث کرتے ہو غمناک
سر پیٹو گے اور نالہ و فریاد کرو گے
مر جاؤں گا جب میں تو بہت یاد کرو گے

۶۷
میں نے کبھی ناخوش تمھیں رکھا ہو تو کہہ دو
تیوری بھی چڑھا کر کبھی دیکھا ہو تو کہہ دو
کچھ رنج مرے ہاتھ سے پہونچا ہو تو کہہ دو
اکبرؑ سے کبھی کم تمھیں سمجھا ہو تو کہہ دو
بھائی نہیں جانا یہی جانا کہ پسر ہو
تم تو مری آنکھیں ہو مرا دل ہو جگر ہو

۶۸
انصاف کرو تم سے کیا کس کو سوا پیار
ہر چند کہ جعفرؑ کے بھی پوتے تھے طلبگار
مالک ہو مرے گھر کے مری جان کے مختار
میں نے یہی چاہا مرا بھائی ہو علمدار
کچھ دل پہ برادر کے ملال آنے نہ پائے
بابا نہیں سر پر یہ خیال آنے نہ پائے

۶۹
اب کون سی وہ بات ہے جس کا ہے تمھیں غم
رو رو کے علمدار نے کی عرض یہ اُس دم
حیرت یہ رہی دل میں کہ جیتے ہیں ابھی ہم
ہے فخر غلامی سے مجھے اے قبلۂ عالم
چھوڑوں نہ قدم سر بھی اگر تن سے جدا ہو
بندے کی یہ طاقت ہے کہ آقا سے خفا ہو

۷۰
مجھ کو علی اکبرؑ کی طرح گود میں پالا
حضرت کے تصدق سے ہوئی شان دوبالا
ہوش آپ کے دربار میں خادم نے سنبھالا
کیا رنج مجھے پہونچے گا اے سیدِ والا
میں ہوں تو غلام آپ شہِ جن و بشر ہیں
حضرت تو زمانے میں یتیموں کے پدر ہیں

۷۱
حضرت میں ہے سب احمدِ مختار کی خو بو
فرمایا بصد لطف جسے قوتِ بازو
جتلائیے حرؑ کون تھا اے سیدِ خوش خو
سر اس کا کہاں اور کہاں آپ کا زانو
رحمت کا طریقہ کبھی چھوڑا نہیں آقا
دشمن کا بھی دل آپ نے توڑا نہیں آقا

۷۲
کیا سن تھا مرا خلق سے جب اٹھ گئے حیدرؑ
ہوتا المِ بے پدری پھر مجھے کیوں کر
میں آپ کے سایے میں پلا یا شہِ صفدر
تھا فضلِ الٰہی سے شفیق آپ سا سر پر
سب رازِ خفی قبلۂ عالم پہ جلی ہیں
میں نے یہی جانا کہ مرے سر پہ علیؑ ہیں

۷۳

ادنیٰ تھا میں اعلیٰ ہوا حضرت کی بدولت
قطرہ تھا سو دریا ہوا حضرت کی بدولت
ہر شہر میں شہرہ ہوا حضرت کی بدولت
یہ سب مرا رتبہ ہوا حضرت کی بدولت
مولا جو مرے حال پہ ہے آپ کی شفقت
نے ماں کی یہ شفقت ہے نہ ہے باپ کی شفقت

۷۴

بھولے نہیں خادم کو کبھی آپ مگر آج
کیا حال ہے پوچھی بھی نہ بندے کی خبر آج
پاتا نہیں خادم وہ عنایت کی نظر آج
دیکھا بھی نہیں آپ نے شفقت سے اِدھر آج
بیزاری کا باعث تو بتا دیجیے آقا
تقصیر ہوئی ہو تو سزا دیجیے آقا

۷۵

مارے گئے خویش و رفقا مجھ کو نہ پوچھا
لڑکے ہوئے مقتل میں فدا مجھ کو نہ پوچھا
مرجانے کی دی سب کو رضا مجھ کو نہ پوچھا
قاسمؑ پہ چلی تیغِ جفا مجھ کو نہ پوچھا
کس طرح کہوں فرق عنایت میں نہیں ہے
حصہ مرا کیا جنسِ شہادت میں نہیں ہے

۷۶

آرام سے سب سوتے ہیں اے سیّدِ والا
مارے نہ گئے ہم تو رہے گا یہی چرچا
جا گہہ مری اک قبر کی مقتل میں نہیں کیا
میداں سے ہوا پیش روِ قافلہ پس پا
جینے کا نمک خوار کے اب لطف نہیں ہے
اماں بھی مجھے دودھ نہ بخشیں گی یقیں ہے

۷۷

شہ بولے اسی بات کا یہ بس ہے یہ شکایت
رخصت ہی کے ملنے کو سمجھتے ہو عنایت
انصاف سے تم ذرا اے پسرِ شاہِ ولایت
کیا رائے میں آیا ہے یہ اے حاملِ رایت
قوت ہے تمھیں سے تو مرے قلب و جگر کو
تینوں میں کوئی ہاتھ سے کھوتا ہے پسر کو

۷۸

پاتا میں زمانے میں کہاں گر تمھیں کھوتا
سر پیٹ کے پھر کون مری لاش پہ روتا
جینا نہیں آتا جو میں ساتھ ترے قبر میں سوتا
مرجاتا ہے جب بھائی تو پیدا نہیں ہوتا
بھولے مری الفت کو بھی اللہ برادر
رخصت کے لیے روٹھ گئے واہ برادر

۷۹

معلوم ہوا اے تمھیں منظور ہے جدائی
لو چھاتی سے لپٹو کہ رضا مرنے کی پائی
ہیں منع تو کرتا نہیں کیوں روٹھے ہو بھائی
یہ سنتے ہی اک جان سی عباسؑ میں آئی
خوش ہو کے تصدق ہوئے سلطانِ امم پر
سر رکھ دیا جھک کر شہِ والا کے قدم پر

۸۰

ناگاہ درِ خیمہ سے فضہؑ یہ پکاری
گہوارے میں اصغرؑ بھی سسکتا ہے میں واری
غش ہو گئی ہے پیاس سے پھر آپ کی پیاری
عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
رانڈوں میں دہائی ہے رسولِ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خدا کی

۸۱

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانوئے دلگیر
پانی اِسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
لِلّٰہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لیے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

۸۲

فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمۃ للہ
روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
پانی کا ادھر شور ادھر ماتمِ نوشاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لیے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

۸۳

مُردے کی طرح زرد ہوا تھا رخِ روشن
چھاتی تو دھڑکتی تھی بس اور سرد تھا سب تن
لب پیاس سے نیلے تھے برنگِ گلِ سوسن
لٹکے ہوئے تھے ہاتھ ڈھلی جاتی تھی گردن
ماں روتی تھی چلا کے تو رک جاتی تھی ہچکی
ننھا سا دہن کھلتا تھا جب آتی تھی ہچکی

۸۴

اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہِ ابرار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار
آوازِ پدر سن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار
قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہووے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

۸۵

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی
روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی
سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

۸۶

یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان
ہاتھوں سے پلے تھے مرے تم آہ چچا جان
اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
رکھ دیجیے مری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
رو دیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

۸۷

پہلے شہِ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ
کچھ دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ
پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
مانوں گی نہ میں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کہہ دوں انھیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

۸۸

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی
رکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی
بی بی کے پلانے کے لیے لاتے ہیں پانی
کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی
بے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

۸۹

چپ ہو گئی یہ سن کے سکینہؑ جگر افگار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہِ ابرار
عباسِؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
تھرانے لگی زوجۂ عباسِؑ علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینے میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منہ چاند سا فق تھا

۹۰

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار
غم تھا کہ یہ سب میرے رنڈاپے کے ہیں آثار
تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علمدار
بیتابئ دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کے بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

۹۱
منہ پھیر کے زوجہ کو یہ کرتے تھے اشارہ
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا
شہ دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا
بہابر نہ آقا کی طرف دیکھ کے رؤو
روتی ہو تو کبریٰ کی طرف دیکھ کے رؤو

۹۲
بس دیکھ چکیں ہم کو اب آنسو نہ بہاؤ
اللہ تو بے دھیان تباہی کا نہ لاؤ
تسکین وہیں ہو گی تم اب رانڈوں میں جاؤ
بچے ہیں بلکتے انھیں چھاتی سے لگاؤ
دنیا سے کئی داغ جگر لے کے چلے ہیں
ہم اپنی نشانی یہ پسر دے کے چلے ہیں

۹۳
چپکے سے وہ کہتی تھی نہیں صبر کا یارا
یہ درد وہ ہے درد کہ جس کا نہیں چارا
بے خنجر و شمشیر ہمیں آپ نے مارا
صاحب نہ ہوئے جب تو رہا کون ہمارا
سینوں میں جگر داغ یتیمی سے جلیں گے
بچے مرے کمسن ہیں یہ کس طرح پلیں گے

۹۴
بھاوج کی طرف دیکھ کے بولے شہ ابرار
سر شرم سے نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
تم سے بھی نہ رو کے گئے عباسِ علمدار
حضرت ہی رضا دینے نہ دینے کے ہیں مختار
مالک مرے اور اُن کے شہ عرش نشیں ہیں
بانو کی میں لونڈی یہ غلام شہ دیں ہیں

۹۵
کچھ اپنے رنڈاپے کا مجھے غم نہیں اے شاہ
ماں کو علی اکبرؑ کے سہاگن رکھے اللہ
کل سے یہ دعا تھی کہ ملے رخصتِ جنگاہ
میری نہ محبت ہے نہ بیٹوں کی انھیں چاہ
جو بھائی ہو کس طرح نہ بھائی پہ فدا ہو
فخر اس کا جو زہراؑ کی کمائی پہ فدا ہو

۹۶
یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے
گہ زیرِ فلک جا کے دعا کی کبھی روئے
مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
رخصت جو ملی اب تو انھیں عید ہوئی ہے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

۹۷
اک آہ بھری شہ نے یہ سن کر سخنِ یاس
سر کھولے ہوئے غول تھے رانڈوں کے چوپاس
آداب بجا لا کے چلے حضرتِ عباسؑ
چلاتے تھے شہ اب ہوئے ہم بے کس و بے آس
تا زیست تو اب دردِ جدائی نہیں جاتا
دنیا سے علیؑ جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

۹۸
غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر
اے بے کس و بے یار خدا حافظ و ناصر
شبیرؑ کے غم خوار خدا حافظ و ناصر
سیّد کے مددگار خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمھیں آتے ہوئے دیکھیں

۹۹
چلاتی تھیں زینبؑ کہ میں صدقے ترے بھیّا
پردے کے قریں بازوئے شبیرؑ جو پہونچا
سچ ہے کہ حسینؑ آج ہوئے بیکس و تنہا
اونچا کیا فضّہ نے در خیمہ کا پردا
کاندھے پہ علم رکھ کے وہ ضیغم نکل آیا
بدلی جو ہٹی نیّر اعظم نکل آیا

۱۰۰

دی پیک نے جھک کر سوئے اصطبل یہ آواز
تھا رخش فلک سیر کی آمد کا یہ انداز
آپ آتے ہیں حاضر کرو شبدیز سبک تاز
جس طرح سے طاؤس خراماں ہو بصد ناز
سرعت کے سبب سایے میں عالم تھا ہرن کا
اندھیاری نہ تھی چہرے پہ گھونگھٹ تھا دلہن کا

۱۰۱

خوبی جو رکابوں کی سبو تو کبھی پائے
آنکھوں کا یہ عالم کہ غزال آنکھ چرائے
ہاتھ آئے تو آنکھوں سے فلک اپنی لگائے
اڑنے میں پرندوں کے بھی ہوش اس نے اڑائے
غازی کی سواری بھی عجب شان سے آئی
غل تھا کہ پری اڑ کے پرستان سے آئی

۱۰۲

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ علمدار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو اک بار
رانوں میں جو دابا تو ہرن ہو گیا رہوار
شیر آتا ہے دریا کی ترائی ہے خبردار
ہاں رخ طرفِ نہر ہے اس بحرِ کرم کا
خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا

۱۰۳

ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھریرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا
پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہنچا
لو سامنے پھریرا ہوا شیر آن ہی پہنچا

۱۰۴

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ امم آتا ہے رن میں
پانی کے لیے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
سلطان کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

۱۰۵

چتون تو قیامت کی ہے تیوریں غضب کے
فرزند ہیں یہ فخرِ شجاعانِ عرب کے
اک حملے میں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے
شیر ان کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
بچے بھی اس گھر کے نہیں رن سے ٹلے ہیں
یہ سب اسد اللہ کے بغلے میں پلے ہیں

۱۰۶

خالق جسے اپنے یدِ قدرت سے بنائے
یہ چاند سی تصویر کہاں سے کوئی لائے
خورشید کی کیا تاب جو آنکھ اس سے ملائے
خود ڈھونڈھے نظیر اپنی تو عالم میں نہ پائے
چہرہ گلِ شاداب ہے قد سروِ سہی ہے
یوسف شہِ والا کے عزیزوں میں یہی ہے

۱۰۷

ہر شہر میں پیشانیِ انور کا ہے شہرا
گویا ورقِ ماہ یہ ہے مہر کا قہرا
سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف سے یہ وہ ہرا
دیکھو سرِ خورشید پہ طالع ہوا زہرا
اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسیٰؑ نے یہ جلوہ یدِ بیضا میں نہ دیکھا

۱۰۸

غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرار
بے جنگ ہوئی جاتی ہے نگاہ صفِ کفار
گویا کہ ہیں دو ناخنِ شیر ابروئے خمدار
بل جاتے ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغِ دو دستی میں نہیں ہے

۱۰۹

گردوں پہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
اک بیت کے یہ مصرعِ برجستہ ہیں دونوں
ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دل بستہ ہیں دونوں

۱۱۰

کہیے مہ نو ان کو تو یہ زو نہیں اس میں
ہے اک گلِ خورشید سو خوشبو نہیں اس میں
مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اس میں
آنکھیں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اس میں
بو ہے گلِ تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

۱۱۱

آنکھوں کو تو دیکھو کہ عجب جلوہ گری ہے
حلقے میں سوادِ شب و نورِ سحری ہے
ہاں دیدۂ نرگس کا بھی مضمون نظری ہے
یہ چشم میں پتلی ہے کہ شیشے میں پری ہے
یہ شام و سحر حور و ملک نے نہیں دیکھی
آنکھ ایسی کبھی چشمِ فلک نے نہیں دیکھی

۱۱۲

نظروں سے نہ کس طرح گرے دیدۂ آہو
آنکھوں سے نہاں ہے جو رخِ سید خوش خو
ہے لطف یہ جب تک کہ نہ ہو چشم نہ ابرو
پتلی صفتِ قبلہ نما پھرتی ہے ہر سو
روتے ہیں فراقِ پسرِ شاہِ نجف سے
آنسو نہیں موتی نکل آتے ہیں صدف سے

۱۱۳

خط ہے جو شبِ قدر تو رخ صبحِ ارم ہے
توصیف میں عاجز دمِ تحریر قلم ہے
کیا قدرتِ حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
دیکھو خطِ ریحاں ورقِ زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شبِ دیجور لئے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا نور لئے ہے

۱۱۴

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
رنگِ لبِ نازک گلِ تر نے نہیں پایا
یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا
نور اس دُرِ دنداں کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

۱۱۵

خورشید رخ ان موتیوں کی آب میں دیکھے
ایسے نہ کواکب شبِ مہتاب میں دیکھے
ہیرے کی چمک اس دُرِ نایاب میں دیکھے
گردوں نے یہ تارے نہ کبھی خواب میں دیکھے
ٹھہرا جو نہ وہ لائقِ تشبیہ نظر میں
سوراخ اسی غم سے ہے موتی کے جگر میں

۱۱۶

آئینے کو حیراں کیا گردن کی صفا نے
الماس سے بازو ہیں تو مہتاب سے شانے
ڈھالا ہے اسے نور کے سانچے میں خدا نے
شانوں کو تو چوما ہے شہِ عقدہ کشا نے
قبضہ کبھی ایسا نہیں شمشیر نے پایا
اس طرح کا پنجہ نہ کسی شیر نے پایا

۱۱۷

دستانے ہیں فانوس تو ہے شمع کلائی
منہ دیکھ لیں خود بھی یہی پتلی میں سمائی
یہ رستمِ دستاں نے بھی قوت نہیں پائی
اور ناخنِ انور کا ہنر عقدہ کشائی
بے تیغ کھینچے ہاتھ کا جوہر نہیں کھلتا
زور ان کا بجز قلعۂ خیبر نہیں کھلتا

۱۱۸

انوارِ الٰہی سے منوّر ہے یہ سینہ
ہم مرتبۂ سینۂ حیدر ہے یہ سینہ
مسکن ہے جہاں نور کا وہ گھر ہے یہ سینہ
عدل و کرم و داد کا مصدر ہے یہ سینہ
ہے عطر کی خوشبو کہ پسینہ ہے قبا میں
جزدان میں مصحف ہے کہ سینہ ہے قبا میں

۱۱۹

اس کی کمرِ راست کا کیا حال کہوں آہ
جس جا پہ ہو نقشِ قدمِ ابنِ ید اللہ
خم ہو گئی مرجانے سے جس کے کمرِ شاہ
ملنے سے وہ شکلِ خطِ قسمت نہیں آگاہ
اس خاک پہ کیوں رشک ہو چرخِ بریں کو
گر زلزلہ آئے تو نہ جنبش ہو زمیں کو

۱۲۰

ورثے میں بزرگوں کے ملے ہیں انھیں ہتھیار
ہاشم کی سپر خودِ ابو طالبؑ سردار
قبضے میں ہے تیغِ کمرِ حیدرِ کرار
دستانے پہنتے تھے یہی جعفرؓ طیار
حمزہ اسی نیزے سے وغا کرتے تھے رن میں
دیکھی تھی اسی طرح زرہ جسمِ حسنؑ میں

۱۲۱

اللہ رے اوجِ علمِ فوجِ پیمبر
تھا سر پہ ہما سایہ فگن کھولے ہوئے پر
جنت کے پھریرے سے ہوا آتی تھی فر فر
پنجے کی ضیا دیکھ کے خورشید ہے ششدر
تابندہ کوئی شے نہیں زیرِ فلک ایسی
موسیٰ نے تجلی میں نہ دیکھی چمک ایسی

۱۲۲

صف باندھے ہوئے محوِ ثنا تھے ستم آرا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا
جو حضرتِ عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ڈٹ کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

۱۲۳

آگاہ کیا تم نے جفا جو نے یہ بڑھ کر
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر
اے وارثِ شمشیرِ علیؑ ثانیِ جعفر
لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے سر بر
بچنے نہیں بچنے کے جو مرنا ہے تو آؤ
پانی کے لیے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

۱۲۴

کچھ تم سے محبت نہیں رکھتے شہِ ذی جاہ
مفت اپنی جوانی کو نہ ضائع کرو للہ
یوسفؑ کو گنواتے ہیں یہ کس طرح کی ہے چاہ
آبِ دمِ شمشیر پہ اس نہر کی ہے راہ
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تینوں کی باڑھوں میں تمھیں گھاٹ ملے گا

۱۲۵

عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اُس پار ہم آئے
ہاں روک تو اے ظالمِ غدار ہم آئے
لے گھاٹ سے اور سر سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے مالک تہِ افلاک ہمیں ہیں
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

۱۲۶

پسپا ہوں یہ جائز نہیں پیشے میں ہمارے
ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
کٹتا ہے پہاڑ آگ ہے تیشے میں ہمارے
بر آ نہیں سکتا کوئی بیشے میں ہمارے
خاطر جو کشیدہ ہو تو جھکتے نہیں غازی
گر آگ کا دریا ہو تو رکتے نہیں غازی

۱۲۷

تو کیا ہے جو رستم ہو تو ہم منہ کو نہ موڑیں
سر جائے تو حیدرؑ کے طریقوں کو نہ چھوڑیں
مر جائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں
گر قلعۂ خیبر ہو تو اک ہاتھ میں توڑیں
سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

۱۲۸

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا
بالا ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
اس شان سے غازی صفِ جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکرِ روباہ میں آیا

۱۲۹

دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اک بار
عالم کو قیامت کے نظر آ گئے آثار
ہلنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار
صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرفِ غار
جن کہتے تھے خالق ہمیں اس آن بچائے
چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

۱۳۰

گرتے تھے طیورانِ ہوا کھوئے ہوئے پر
شہباز کے بازو سے لپٹتا تھا کبوتر
بجلی نہ گرے ہم پہ پرندوں کو یہ تھا ڈر
سب جان بچانے کے لیے پھرتے تھے مضطر
نعرہ جو کیا ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
منہ ڈال دیا شیر کے قدموں پہ ہرن نے

۱۳۱

جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی
دھرتی پہ ہر اک لاش برابر نظر آئی
جب وار کیا قوتِ حیدرؑ نظر آئی
گہ تنگ کے نیچے کبھی سر پہ نظر آئی
غل ہوتا تھا کرتی تھی دو پارا جو سر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

۱۳۲

تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی
اس فوج کا اک وار بھی چلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی
انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں برقِ اجل ہم پہ گری ہے
ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رکی ہے

۱۳۳

ترکش کو نہ چھوڑا نہ کمانداروں کو چھوڑا
حلقے کو نہ چلّے کو نہ سوفار کو چھوڑا
بے دو کیے راکب کو نہ رہوار کو چھوڑا
چھوڑا تو سسکتا ہوا دو چار کو چھوڑا
رخ سب نے قدر اندازوں کے پھرتے ہوئے دیکھے
ہر ضرب میں سر خاک پہ گرتے ہوئے دیکھے

۱۳۴

مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی
سر پر جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی
تہ ڈوب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رکتی
یہ ضرب تو جبریلؑ کے پر سے نہیں رکتی

۱۳۵

نے ڈھال پہ نہ سر پہ نہ گردن پہ رکی وہ
سینے پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رکی وہ
نے سنگ نہ اشجار نہ آہن پہ رکی وہ
نے زین پہ نہ پایہ نہ توسن پہ رکی وہ
پی چاشنیِ خونِ عدو بھا گئی اُس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اُس کو

۱۳۶
سینے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب حال سے نکلی
پہونچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
چار آئینہ کو آٹھ کیا کاٹ نے اس کی
بھلا دی ہر اک کشتیِ تن گھاٹ نے اس کی

۱۳۷
جوں موج ہوئی فوج میں ہل چل لبِ دریا
کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لبِ دریا
دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لبِ دریا
پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بھی بادل لبِ دریا
بدلی میں نہ اس تیغ کا پرتو نظر آیا
مطلع جو ہوا صاف مہِ نو نظر آیا

۱۳۸
جب ناریوں کو تیغ کے گھاٹ اس نے اتارا
سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا
لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا
کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمہارا
تم کہتے ہو ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمہیں آنے نہیں دیتے

۱۳۹
یوں لیتے ہیں دریا جو شجاعت کے دھنی ہیں
ہر چند گرفتارِ غریب الوطنی ہیں
ہم قوتِ بازوئے امامِ مدنی ہیں
پر شیرِ غضبناک و رمِ تیغ زنی ہیں
ہے بات کی پیچ نام پہ مرتے ہیں بہادر
جو کہتے ہیں منہ سے وہی کرتے ہیں بہادر

۱۴۰
خالی تو ہیں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا
ممکن تھا کہ یہ تیر ترائی کو نہ پاتا
ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو برچھیاں کھاتا
کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا
مٹی بھی یہیں کی تنِ صد چاک پہ ہوتی
گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

۱۴۱
عباسِ دلاور تو یہ کہتے تھے بہ صد قہر
دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر
پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرفِ نہر
فرماتے تھے بن شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر
کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا
بے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

۱۴۲
کہہ کر یہ سخن ڈال دیا نہر میں رہوار
تھے صاف حبابِ لبِ دریا گلِ بے خار
حسنِ رخِ رنگیں سے وہ تختہ ہوا گلزار
پانی میں مہک عطر کی آجاتی تھی ہر بار
تھی نور کی ضو عکس سے گرداب کے اندر
خورشید تو باہر تھا قمر آب کے اندر

۱۴۳
پہلے تو کہا دل نے بجھا لیجئے یہاں پیاس
سوچے کہ سلامت تو پہونچنے کی نہیں آس
پر ساتھ ہی ڈوبے عرقِ شرم میں عباسؑ
خم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بصد یاس
جب تشنہ دہن تا بہ لبِ جو نکل آئے
اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

۱۴۴
دریا کی ترائی میں جو آیا وہ غضنفر
شیث آیا کئی سو قدر اندازوں کو لے کر
بھاگی ہوئی پھر جمع ہوئی فوجِ ستم گر
غل تھا کہ نکل جانے نہ پائے یہ دلاور
پیاسے پہ گھٹا شام کے لشکر کی جھکی تھی
تلواروں سے اور برچھیوں سے راہ رکی تھی

۱۴۵

غصے میں بڑھے آتے تھے عباسِؑ علمدار
حملے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار
تھی مشکِ سکینہؑ پہ سپر ہاتھ میں تلوار
اس غول کے آگے کبھی اس صف کے ہوئے پار
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا
آتا تھا کبھی اور کبھی اڑ جاتا تھا گھوڑا

۱۴۶

شعلے کی لپک تیغ کے پرتو نے دکھائی
رفتارِ غزال اس کی تگ و دو نے دکھائی
بجلی کی تڑپ اسپِ سبک رو نے دکھائی
ہر سُم کے تلے شکلِ مہِ نو نے دکھائی
آہو میں بھی ایسے نہ طرارے نظر آئے
ہیکل جو ہلی دھوپ میں تارے نظر آئے

۱۴۷

جب بڑھتے تھے عباسؑ تو ٹل جاتے تھے ناری
گھبرا کے ہر اک صف سے نکل جاتے تھے ناری
فقرے سے بہادر کے دہل جاتے تھے ناری
جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری
اعجازِ یداللہ کے جانی نے دکھایا
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

۱۴۸

جا جا کے جو ہر صف میں لڑا عاشقِ شبیرؑ
جس وقت لگے دونوں طرف بازوؤں پر تیر
برچھی کہیں کھائی کہیں نیزہ کہیں شمشیر
عباسؑ بنے جعفرؑ طیار کی تصویر
جنت کے دریچوں کو ملک باز کریں گے
اب سوئے جناں نہر سے پرواز کریں گے

۱۴۹

گھوڑا جو رکا گھیر لیا فوج نے اک بار
گھبرا گئے جب پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
زخمی تھی کلائی پہ چلی جاتی تھی تلوار
مشکیزے کو جھک جھک کے بچاتا تھا علمدار
پیہم صفِ اعدا سے یہ ناوک فگنی تھی
گھوڑے کی بھی گردن دمِ طاؤس بنی تھی

۱۵۰

تھے جسم پہ مانندِ زرہ تیروں کے روزن
تھی غرق بہ خوں تن کی قبا زین کا دامن
گویا کہ لہو روتا تھا ہر دیدۂ جوشن
غش آتا تھا ہرنے پہ جھکی جاتی تھی گردن
کھا کھا کے سناں شکرِ خدا کرتے تھے عباسؑ
پر مشک نہ سینے سے جدا کرتے تھے عباسؑ

۱۵۱

غل فوج میں تھا مار لیا شیرِ ژیاں کو
پانی سے کہیں تر نہ کرے خشک زباں کو
ہاں بھائیو دم لینے نہ دو تشنہ دہاں کو
توڑو کمرِ سبطِ رسولِؐ دو جہاں کو
مر جائے گا تیغوں سے جو مشکیزہ کٹے گا
پانی جو بہاؤ گے تو زور اس کا گھٹے گا

۱۵۲

جب گھر گیا اعدا میں علمدارِ حسینؑ
زخمی ہوا تیروں سے جو غمخوارِ حسینؑ
لڑتا رہا تا دیر مددگارِ حسینؑ
غل تھا کہ مٹی رونقِ گلزارِ حسینؑ
گو تن میں نہ طاقت تھی مگر لڑتے تھے عباسؑ
جو ٹوکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے عباسؑ

۱۵۳

یاں کا تو یہ نقشہ تھا سنو حالتِ سرور
ڈیوڑھی پہ تو سب ہیں حرم اور آپ ہیں باہر
پھرتے تھے کمر پکڑے ہوئے سبطِ پیمبرؐ
لب پر کبھی نالے ہیں کبھی ہائے برادر
تکتے ہیں سوئے نہر سراچوں کے تلے سے
لپٹاتے ہیں عباسؑ کے بیٹے کو گلے سے

۱۵۴

منہ چوم کے کہتے ہیں یہ رو رو میں ترے قرباں
ننھے سے اٹھا ہاتھ یہ کہتا ہے وہ ناداں
تو باپ کے آنے کی دعا مانگ مری جاں
اللہ یتیمی سے بچائے مجھے اس آں
بھائی کی نشانی پہ فدا ہوتے ہیں شبیرؑ
معصوم دعا کرتا ہے اور روتے ہیں شبیرؑ

۱۵۵

پھر غل جو ہوا رن میں تو زینبؑ کو پکارے
گھیرا ہے مرے شیر کو دریا کے کنارے
آئی ہے تباہی جن اب گھر میں ہمارے
مارے کوئی مجکو مرے بھائی کو نہ مارے
عباسؑ کی گردن سے تو شمشیر ملے گی
پر مجکو کہاں باپ کی تصویر ملے گی

۱۵۶

ڈیوڑھی پہ تلاطم تھا حرم کرتے تھے زاری
سر کھولے دعا مانگتی تھیں بیبیاں ساری
کہتی تھی سکینہؑ کہ چچا جان ہماری
یا شیر خدا خاک میں مل جائیں یہ ناری
طوفاں سے خدا پیاسوں کی کشتی کو بچائے
اللہ سکینہؑ کے بہشتی کو بچائے

۱۵۷

آگاہ یہ جاں کاہ صدا دشت سے آئی
تصویر علیؑ صفحۂ ہستی سے مٹائی
ہاں طبل بجے تیغ علمدار نے کھائی
دیکھیں تو کر اب بھائی کو پیدا کرے بھائی
تنہا شہ والا کا علم کر دیا ہم نے
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کر دیا ہم نے

۱۵۸

نوفل سے کیا شمر لعیں نے جو اشارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا
وہ دست علمدار اٹھا کر یہ پکارا
دیکھے انھیں کس جا ہے ید اللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

۱۵۹

یہ خون بھرے کس کے ہیں الماس سے بازو
لشکر کا علم کیا ہوا اے سید خوش خو
یہ کس گل رنگیں میں ید اللہ کی خوشبو
وہ کون تڑپتا ہے ترائی میں لب جو
وہ نہر پہ خنجر سے گلا کٹتا ہے کس کا
بسمل کی طرح خاک میں تن لوٹتا ہے کس کا

۱۶۰

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ
اتنا تو کہا مر گئے عباسِ علیؑ آہ
تھرانے لگے غیظ سے ابن اسد اللہ
تیغ دو زباں کھینچ کے دوڑے شہ ذی جاہ
یاں بنت علیؑ کوٹھے کے زینے نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

۱۶۱

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا
کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

۱۶۲

فرزند کو بابا کی خبر سن کے غش آیا
دریا پہ جو پہونچا اسد اللہ کا جایا
گودی میں آئے دوڑ کے فضہ نے اٹھایا
واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کئے تھے
تیروں سے چھدی مشک کو پہلو میں لئے تھے

۱۶۳

بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار
مجروح جو تھا تیروں سے وہ جسمِ گہربار
صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
عباسؑ سے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے

۱۶۴

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ
گر ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ
عباسؑ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

۱۶۵

عباسؑ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ
کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
امید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے تم ہو خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک منہ مرا قبلہ کی طرف ہے

۱۶۶

سب کام مرے آپ کے صدقے سے بن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِؐ زمن آئے
وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے
سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلدِ بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو بھی آتی ہے آقا

۱۶۷

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے
گلا چڑھا ہونٹ علمدار کے تھرّائے
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے
زانوئے شہِ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

۱۶۸

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے
سر بھائی کے قدموں سے اٹھاؤ مرے پیارے
عباسؑ ہمیں چھوڑ کے جنت کو سدھارے
بس ہو چکی تعظیم میں قربان تمھارے
بھائی میں تری تشنہ دہانی کے تصدّق
عباسؑ میں اس مرتبہ دانی کے تصدّق

۱۶۹

کچھ بولو تو اے عاشقِ سلطانِ مدینا
بتلاؤ بھتیجی کو تسلی کا قرینا
چلاتی ہے ڈیوڑھی سے یتیمہ ہائے سکینہؑ
اس صدمے سے اس بچی کا دشوار ہے جینا
بے شک جو وہ اس خون میں تر جائے گی بھائی
بس ہائے چچا کہہ کے وہ مر جائے گی بھائی

۱۷۰

زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرت نے کہا جعفرِؑ طیار سدھارے
بیکس ہوئے شہ جن کے ہے غمخوار سدھارے
یارا وہ وفادار وہ مددگار سدھارے
جنت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی

۱۷۱

خاموش انیسؔ اب تو نہ کہہ زاریِ شبیرؑ
ہر بات میں ہے درد ہر اک لفظ میں تاثیر
ٹکڑے کیے دیتا ہے جگر کو تری تقریر
مصرعے ہیں کمانوں کے کھنچے کے لیے تیر
کم ہے جو عوض اس کا خدا کوہِ طلا دے
آقا تجھے اس مرثیہ گوئی کا صلا دے

رباعی

یارب کہیں جلد وہ زمانہ ہووے
بندہ سوئے کربلا روانہ ہووے
لیکن یہ دعا ہے یا مجیب الدّعوات
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

رباعی

سب وارِدِ حشر رونے والے ہوں گے
شاہِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

رباعی

گذرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن بھی جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طولِ عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

رباعی

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

رباعی

انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
سچ ہے کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوفِ صیّاد
مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

رباعی

یہ حرص لے کے جا بجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

مرثیہ

۱

عباسِ علیؑ گوہرِ دریائے شرف ہے
غازی کی وفاداری کا غل چار طرف ہے
سو لعل نہ پہونچیں جسے وہ دُرِّ نجف ہے
کیوں شیر نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے
حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا
اس شہ صدفِ برج میں اک دُر نہیں ایسا

۲

ہم طلعتِ یوسفؑ تھا وہ اولادِ علیؑ میں
ہمت نہ یہ جرأت نہ یہ شوکت تھی کسی میں
تھی قوتِ خیبر شکنی شیرِ جری میں
تھا ایک جواں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
مشہور ہے اس صاحبِ شمشیر کی طاقت
آنکھ اس سے ملائے یہ نہیں شیر کی طاقت

۳

غازی کی زہے قدر زہے دبدبہ و جاہ
زیبِ علم فوج ہنر بر صفِ جنگاہ
حمزہؑ کی جو شوکت تو شکوہِ اسداللہؑ
اقلیم جوانمردی و ہمت کا شہنشاہ
بخشش سے کبھی ہاتھ کو خالی نہیں پایا
جعفرؑ نے بھی یہ رتبۂ عالی نہیں پایا

۴

اللہ نے دی عزت و توقیرِ یداللہؑ
ہر بات میں رنگینیٔ تقریرِ یداللہؑ
مشہور ہوئے وارثِ شمشیرِ یداللہؑ
صورت کا یہ انداز کہ تصویرِ یداللہؑ
روشن ہوا دل قدرتِ اللہ کو دیکھا
دیکھا شہِ مرداں کو جو اس ماہ کو دیکھا

۵

لشکر شکن و صفدر و زور آور و خوشرو
خُلقِ حسنی عز بہتا شاہنشہِ خوش خو
فرزندِ یداللہؑ تو شبیرؑ کا بازو
ساری وہی ہمت وہی خصلت وہی خو بو
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں
کیا کیا صفتیں جمع تھیں اس ایک جواں میں

۶

سروِ چمنِ مرتضوی تھا قدِ بالا
عضوِ بدن ایسے کہ کہے دیکھنے والا
فرزندِ نبیؐ نے جسے آغوش میں پالا
ہے نور کے سانچے میں خدا نے اُسے ڈھالا
رُخ ایک طرف حسن سے اعضا نہیں خالی
خوبی سے سراپا میں کوئی جا نہیں خالی

۷

رعب ایسا کہ شیروں کا جگر خوف سے تھرّائے
حلم ایسا کہ تصویرِ حسنؑ آنکھوں میں پھر جائے
زور ایسا کہ قوتِ اسداللہ کی یاد آئے
حسن ایسا کہ یوسفؑ بھی جسے دیکھ کے شرمائے
نظارۂ خورشید گوارا تھا نظر کو
اس رُخ پہ ٹھہرنے کا نہ یارا تھا نظر کو

۸

اس طرح کا صفدر کوئی آفاق میں کم تھا
ہمراہ سدا لشکرِ اقبال و حشم تھا
حقا کہ وہ فخرِ عرب و روم و عجم تھا
زیبا تھا علم اس کو تو وہ زیبِ علم تھا
شبیرؑ سا سردار خوش اطوار نہ ہوگا
عباسؑ دلاور سا علمدار نہ ہوگا

۹

اللہ نے وہ شیر کیے خلق میں پیدا
ہمت میں وہ بے مثل شجاعت میں وہ یکتا
حیدرؑ سا ولی حضرتِ عباسؑ سا آقا
عاشق وہ محمدؐ کے یہ شبیرؑ کے شیدا
اُن کو تو نبوت کا نگہبان کیا تھا
حکم ان کو امامت کی حفاظت کا دیا تھا

۱۰
کیا کیا شہِ مرداں نے محمدؐ کی مدد کی
جو آئی بلا شیرِ الٰہی نے وہ رد کی
برباد کیا کفر کو اور دیں میں کد کی
مشہور ہے عالم میں وغا بدر و احد کی
کہہ دے کوئی اصحابِ وفادار کدھر تھے
تلوار چلی جب تو علیؑ سینہ سپر تھے

۱۱
وہ فخرِ شجاعانِ جہاں فارسِ میداں
شمشیرِ خدا قوتِ دیں کاشفِ قرآں
عنتر کُشؑ و خیبر شکن و ضیغمِ یزداں
تھا بیرِ الم میں بھی محمدؐ کا نگہباں
پر جلتے تھے اُن سب کے بہادر جو بڑے تھے
ٹھہرے نہ قدم اُن کے علیؑ کو جو تیرے تھے

۱۲
خندق کی وغا میں جو ہوئی فوج صف آرا
واں عمرو سے لڑنے کو نہ تھا ایک کو یارا
اک ضرب میں مولا نے کیا اس کو دوپارا
گردوں سے فرشتوں نے یہ خوش ہو کے پکارا
بس اب نہ رسولِؐ دو جہاں ہوویگا ایسا
تیغ ایسی نہ ہوگی نہ جواں ہوویگا ایسا

۱۳
عباسؑ کو بھی ایسی ہی تھی الفتِ شبیرؑ
اک آن گوارا بھی نہ تھی فرقتِ شبیرؑ
عاشق کی طرح دیکھتے تھے صورتِ شبیرؑ
یا طاعتِ معبود تھی یا خدمتِ شبیرؑ
نعلین بھی شہ کی انھیں افسر کے برابر
حضرت کو سمجھتے تھے پیمبرؐ کے برابر

۱۴
اللہ ری وفاداری عباسؑ خوش اطوار
ہے بعدِ فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
رکھتے ہیں جب ورد اس علم شہ کے عزادار
اور بیچ میں ہوتی ہے ضریحِ شہِ ابرار
مرنے پہ بھی عشقِ شہِ خوش خو نہیں چھوڑا
اب تک شہِ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا

۱۵
مرتے رہے شبیرؑ پہ جب تک کہ جیے ہیں
بے جاں تو ہیں بھائی پہ مگر جان دیے ہیں
بے دست ہیں ہاتھوں سے مگر سایہ کیے ہیں
آغوش میں فرزندِ پیمبرؐ کو لیے ہیں
عاشور کے دن تعزیہ داری میں ہیں آگے
گھر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے

۱۶
بھائی تھے مگر بندۂ شاہِ شہدا تھے
وہ اُن پہ تصدق یہ شہِ دیں پہ فدا تھے
وہ گل تھے تو یہ بلبلِ بستانِ وفا تھے
وہ قبلۂ ایماں تھے تو یہ قبلہ نما تھے
بلبل کو بھی یہ عشقِ گلستاں نہیں ہوتا
پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

۱۷
عباسؑ سا دلسوز نہ ہوگا کوئی زنہار
اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ انس نہ یہ پیار
قربانِ علمدار نثارِ شہِ ابرار
مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا
صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا

۱۸
بیٹی سے محبت جو بہت رکھتے تھے سرور
عاشق تھے سکینہؑ کے علمدارِ دلاور
آغوشِ مبارک میں لیے پھرتے تھے دن بھر
بیٹوں سے زیادہ انھیں پیاری تھی وہ دختر
فرماتے تھے گھر کی مرے آبادی ہے یہ تو
خادم ہوں میں اس کا مری شہزادی ہے یہ تو

۱۹

گردن سے لپٹ کر جو وہ کہتی تھی چچا جاں
زانو پہ بٹھاتے جو اسے سرورِ ذی شاں
یہ کہتے تھے عمو تری آواز کے قرباں
منہ چومتے سے پاؤں پہ یہ رکھ دیتے تھے آں
پروا تھا کہ ثابت نہ ہو سلطانِ امم پر
مل لیتے تھے آنکھیں شہِ والا کے قدم پر

۲۰

زینبؑ سے یہ فرماتے تھے اکثر شہِ ذی جاہ
ہے اس کی وفا سے دلِ شبیرؑ ہی آگاہ
یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ
عباسؑ نہیں ساتھ، علیؑ ہیں مرے ہمراہ
یہ پاس ہو گر اور کوئی پاس نہ ہووے
میں قالبِ بے جاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

۲۱

کیوں اہلِ عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار
قاسمؑ جو ہوا رن میں فدائے شہِ ابرار
اب سبطِ پیمبرؐ سے بچھڑتا ہے علمدار
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
سنتے ہی گرفتارِ الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

۲۲

زینبؑ سے کہا لو بہن اب تن سے چلی جاں
صدقے ہو برادر اسے روکو کسی عنواں
عباسِؑ دلاور کے بچھڑنے کا ہے ساماں
مر جاؤں گا میں گر وہ سدھارے سوئے میداں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو
جیتا رہے عباسؑ حسینؑ اُس پہ فدا ہو

۲۳

اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اٹھا لے
سجادؑ کو سمجھائے سکینہؑ کو سنبھالے
وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے
عباسؑ جنازہ مرا اس گھر سے نکالے
اُس کو یہ خوشی ہے کہ برادر مجھے روئے
میں اس کو نہ روؤں وہ دلاور مجھے روئے

۲۴

میں نے تو ہے بیٹوں کی طرح سے اُسے پالا
میں اُس کا ہوں عاشق وہ مرا چاہنے والا
زینت مرے گھر کی مرے لشکر کا اُجالا
کیونکر نہ ہو سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پاؤں گا کہاں جا کے اگر کھوئے گا عباسؑ
پیدا نہ علیؑ ہوں گے نہ پھر ہوئے گا عباسؑ

۲۵

بھائی نہیں وہ روح ہے شبیرؑ کے تن کی
جاتی ہے بہار آج محمدؐ کے چمن کی
جب جان نہ ہو تن میں تو کیا قدر بدن کی
بھینا یہی دولت ہے مجھ آوارہ وطن کی
تصویرِ علیؑ جب نہ مرے گھر میں رہے گی
پھر جان نہ فرزندِ پیمبرؐ میں رہے گی

۲۶

بابا کی نشانی ہے وہ اے زینبؑ دلگیر
ہاتھوں سے گنوا دوں میں یداللہ کی تصویر
عباسؑ کے ہونے سے قوی ہے دلِ شبیرؑ
رکھ دیتا ہے بازو کوئی اپنا تہِ شمشیر
دانستہ بھلا اپنا برا کرتا ہے کوئی
اس طرح کے عاشق کو جدا کرتا ہے کوئی

۲۷

رن سے مرے لاشے کو اٹھا لائے گا پھر کون
بچے مرے رو دیں گے تو سمجھائے گا پھر کون
ہمراہ جنازے کے مرے جائے گا پھر کون
روضے پہ نبیؐ کے مجھے پہنچائے گا پھر کون
اعدا کو مری روح کا بھی پاس نہ ہو گا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباسؑ نہ ہو گا

۲۸
فرما کے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور
فضہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر
بیتابیِ شبیر پہ زینب ہوئی مضطر
باہر ہیں کہ خیمے میں ہیں عباسِ دلاور
یاں بادشہِ عرش نشیں خاک نشیں ہے
کیا بھائی کے رونے کی خبر اُن کو نہیں ہے

۲۹
بولی یہ سکینہؑ کہ سنو مجھ سے پھوپھی جاں
ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوڑتیں داماں
میں تھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا ساماں
وہ کہتے ہیں ہونے دو مجھے شاہ پہ قرباں
اس فدیۂ سلطانِ دو عالم کو نہ روکو
ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

۳۰
کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے
فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے
صاحب میں تمھیں واسطے دیتی ہوں خدا کے
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے
رونے کا نہ غم اُن کے یہ رخصت کی خوشی ہے
اللہ تمھیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

۳۱
ہے ہے تمھیں کچھ میری تباہی کا نہیں غم
فرماتے ہیں وہ دھیان کسی کا نہیں اس دم
منظور یہ ہے قید میں سر ننگے پھریں ہم
بچے بھی فدا ہم بھی نثارِ شہِ عالم
رونا نہ وصیت یہ کیے جاتا ہوں تم کو
بانو کی کنیزی میں دیے جاتا ہوں تم کو

۳۲
یہ سن کے جو میں رونے لگی اشک بہا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمھیں نہر سے لا کر
فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
پر حال یہاں کا مرے آقا سے نہ کہنا
روتی ہیں چچی یہ شہِ والا سے نہ کہنا

۳۳
زینبؑ کو سکینہؑ نے خبر جب یہ سنائی
بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی
شہ بولے بہن اب نہ رکے گا مرا بھائی
واللہ سکینہؑ یہ ہے پیغامِ جدائی
بے وجہ تو مشکیزے کو جانی نہیں مانگا
تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا

۳۴
اس پردے میں بی بی انھیں منظور ہے مرنا
الفت ہے تو پانی کا سوال اُن سے نہ کرنا
زینبؑ نے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
دشوار ہے بے خوں میں بھرے مشک کا بھرنا
پانی کے لیے ہاتھ سے کھوؤ گی چچا کو
دریا پہ جو بھیجو گی تو روؤ گی چچا کو

۳۵
گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ ناداں
سب روتے ہیں لو یاں تو ہے کچھ اور ہی ساماں
سچ کہتے ہو بابا مجھے کچھ اس کا نہیں دھیاں
اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جاں
بے روکے ہوئے اُن کو اب آرام نہ لوں گی
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی

۳۶
ہر چند کہ دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
پانی مجھے پیارا نہیں عباسؑ ہیں پیارے
اب جانے نہ دوں گی انھیں دریا کے کنارے
کیا ہاتھوں سے کھو دوں گی میں بازو کو تمھارے
عاشق ہیں مرے مجھ کو رلا سکتے ہیں عباسؑ
تم روؤ نہ بابا کہیں جا سکتے ہیں عباسؑ

۳۷
بس اتنے میں عباسِ دلاور نظر آئے
کچھ سوچ کے زینبؑ نے قدم جلد بڑھائے
چار آئینہ پہنے ہوئے ہتھیار لگائے
فرمایا کہ حضرتؑ بھی اس آنے کے جائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
مرجائیں گے رخصت کو نہ شبیرؑ سے کہنا

۳۸
بھائی ہے مرا بے وطن و بے کس و بے آس
سو طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس
تم اُن کو رلاؤ نہیں لازم تمھیں عباسؑ
جب تم نہ ہوئے پاس تو جینے سے ہوئی یاس
بے مونس و یاور پسرِ شاہِ نجف ہے
منصف ہو تمھیں بھائی مرا حق کی طرف ہے

۳۹
قوت تمھیں اُن کی تھیں شوکت تمھیں اقبال
تو آن کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال
بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؑ کا لعل
کس درد سے روتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ ساتھ اس کے ہمارا بھی سفر ہے
جینا مجھے عباسؑ کے مرجانے کا ڈر ہے

۴۰
عباسؑ بھی رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر
کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ
اور دستِ ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؑ کے برابر
اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجے
اے بنتِ علیؑ عقدہ کشائی مری کیجے

۴۱
دنیا میں علیؑ ہوتے تو غم کاہے کو سہتا
ماں ہوتیں تو کچھ ان سے سفارش کو میں کہتا
یوں اشکوں کا دریا مری آنکھوں سے نہ بہتا
رخصت کا فقط کام تھا یوں بند نہ رہتا
کیا غم ہے جو سر پر مرے ماں باپ نہیں ہیں
پالا ہے مجھے کیا مری ماں آپ نہیں ہیں

۴۲
اب جینے سے بیزار ہے دنیا میں مرا دل
ساتھی تو ہوئے صبح چمن خلد میں داخل
گر آپ مدد کیجیے تو آساں ہو یہ مشکل
دن ڈھلتا ہے کھوئی نہ کہیں ہو مری منزل
آداب تو مانع ہے یہ دل رہ نہیں سکتا
میں فاطمہؑ کے لال سے کچھ کہہ نہیں سکتا

۴۳
بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا ہمشیر
مرجانے میں ہے آج مری عزت و توقیر
وہ کیجیے کہ رخصت پہ رضامند ہوں شبیرؑ
شمشیر کے بدلے مری چھاتی پہ لگیں تیر
کوشش کرو اپنا جدِ امجد کا تصدق
دلوا دو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدق

۴۴
عباسؑ کا منہ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو
شبیرؑ تو روتے ہیں یہ کہتے ہیں رضا دو
سمجھاتی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھ کو
کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو
اب یہ نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی
اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی

۴۵
بتلاؤ میں اس ٹوٹے ہوئے گھر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہؑ کو کہ اصغرؑ کو سنبھالوں
یا ہاتھوں سے اپنے دلِ مضطر کو سنبھالوں
عباسؑ کو روکوں کو کہ برادر کو سنبھالوں
جان اِن میں لگی ہے مرا دل اُن کی طرف ہے
وہ لعل ہے زہراؑ کا یہ نورِ نجف ہے

بند	مصرع	مصرع
۴۶	کیوں کر کہوں بھائی سے کہ بھائی کو رضا دو	عباسؑ علم دار کو ہاتھوں سے گنوا دو
	مرنے پہ یہ مرتے ہیں انھیں اذنِ وغا دو	غم ہوگا تو خوش ہوں گے انھیں مجھکو بتا دو
	بھائی کو یہ سنتے ہی غش آجائے گا بھائی	ہم سے تو نہ رخصت کو کہا جائے گا بھائی
۴۷	لے چلنے کو لے جیسے ہوں آؤ مرے ہمراہ	جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابنِ یداللہ
	زانو پہ جھکائے ہوئے سر رو رہے تھے شاہ	قدموں پہ گرا سبطِ پیمبرؐ کے وہ ذی جاہ
	شہ نے کہا کیا کہتے ہو فرماؤ برادر	اٹھو مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
۴۸	ان ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنے کے میں صدقے	سر شرم سے قدموں پہ جھکانے کے میں صدقے
	کیوں روتے ہو اس اشک بہانے کے میں صدقے	بازو کے تصدق ترے شانے کے میں صدقے
	بھائی یہ تری کل بدلی بھاتی ہے مجھکو	بو حیدرِ کرار کی آجاتی ہے مجھکو
۴۹	منہ مل کے کفِ پا سے لگے کہنے علمدار	ہیں آپ سخی ابنِ سخی یا شہِ ابرار
	سائل کوئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار	خادم بھی ہے مر جانے کی رخصت کا طلبگار
	جب تک کہ رضا رن کی نہ میں پاؤں گا آقا	اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا
۵۰	شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اٹھاؤ	کیوں روتے ہو کب میں نے کہا یہ کہ نہ جاؤ
	اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان نہ لاؤ	فاقے کئے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ
	قرباں تمھیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے	شبیرؑ کو رونے کو بنایا ہے خدا نے
۵۱	روتے ہوئے قدموں سے اٹھے حضرتِ عباسؑ	اور گرد پھرے سبطِ پیمبرؐ کے بصد یاس
	فرمایا سکینہؑ سے کہ اب کچھ نہیں وسواس	کیوں مشک چھپا رکھی ہے لے آؤ مرے پاس
	اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریں ہے	بولی یہ سکینہؑ کہ مجھے پیاس نہیں ہے
۵۲	منہ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش خو	حضرت نے کہا جاؤ انھیں مشک بھی لا دو
	لشکر کا علم دار تو ہم کر چکے ان کو	اب مرتبہ تم پیاسوں کی سقائی کا بخشو
	جعفرؑ سے دو بالا ہوا رتبہ ترے عم کا	اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا
۵۳	مشکیزے کو لے آئی سکینہؑ جگر افگار	غازی نے اسے لے کے بھتیجی کو کیا پیار
	خیمے میں پڑا غل کہ چلا شاہ کا غمخوار	غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علمدار
	ہاتھوں سے اسے تھام کے دل سب نے سنبھالا	شہ اٹھ کے جو گرنے لگے زینبؑ نے سنبھالا
۵۴	خیمے سے برآمد ہوا ابنِ شہِ مرداں	گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گردان کے داماں
	اک نورِ خدا پھیل گیا تا سرِ میداں	ذرات زمیں ہو گئے خورشیدِ درخشاں
	موسیٰ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوہ	ہر نخل میں تھا یاں شجرِ طور کا جلوہ

۵۵

کاندھے پہ علم رکھ کے جو گھوڑے کو اڑایا
کیا تیز پری تھی کہ ہوا ہو گیا سایا
یہ نور کسی حور کے چہرے نے نہ پایا
تھا تختِ سلیماں کہ ہوا پر نظر آیا
پڑھنے کو درود آئی تھیں روحیں شہدا کی
غازی کی سواری تھی کہ قدرت تھی خدا کی

۵۶

گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
شملہ وہ چھٹا دوش پہ وہ ہاتھ میں تلوار
اللہ رے شکوہِ علم و شانِ علمدار
حمزہؑ کوئی کہتا تھا کوئی جعفرؑ طیار
سائے میں علم کے وہ سلیمانِ زمن تھا
یا فرقِ ہمایوں پہ ہما سایہ فگن تھا

۵۷

پنجہ تھا کہ تھا دستِ خدا سر پہ جری کے
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے بال پری کے
ہو جاتی تھی جنبش جو پھریرے کو زری کے
جھونکے چلے آتے تھے نسیمِ سحری کے
کرسی سے جو بالا ہو یہ پایا ہے اسی کا
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے اسی کا

۵۸

میدان میں آیا پسرِ ضیغمِ یزداں
روباہوں کا لشکر ہوا دہشت سے پریشاں
نعرہ جو غضنفر نے کیا یا شہِ مرداں
تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں
غل پڑ گیا لو شیرِ خدا نعرہ زن آئے
گھوڑوں کو بھگاؤ شہِ خیبر شکن آئے

۵۹

یوں لاکھوں پر آئے یہ شجاعت ہے کسی میں
پروا نہیں مرنے کی یہ ہمت ہے کسی میں
شق ہو جگرِ شیر یہ ہیبت ہے کسی میں
نعرے سے ہلیں کوہ یہ طاقت ہے کسی میں
گر ہوں اسد اللہ تو کچھ دور نہیں ہے
یہ غیرِ علیؑ اور کا مقدور نہیں ہے

۶۰

اعدا کے سخن سن کے علمدار پکارا
حیدرؑ نہیں یہ حیدرِؑ صفدر کا ہے پیارا
تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا
ہم آئے ہیں اب نہر سے کر جاؤ کنارا
لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا
عباسؑ غلامِ شہِ دیں نام ہے میرا

۶۱

مشہور جو حیدرؑ کی ہے تصویر وہ میں ہوں
ہے جس کا ید صاحبِ شمشیر وہ میں ہوں
آقا نے جسے بخشی ہے توقیر وہ میں ہوں
بازو جسے فرماتے ہیں شبیرؑ وہ میں ہوں
کس لب پہ مری شان میں احسنت نہیں ہے
آفاق میں مجھ سا کوئی ساونت نہیں ہے

۶۲

محرابِ درِ کعبۂ ایماں ہے مری تیغ
کافر کے لیے آتشِ سوزاں ہے مری تیغ
جل جاؤ گے برقِ شرر افشاں ہے مری تیغ
میں بحرِ شجاعت ہوں تو طوفاں ہے مری تیغ
اک دو کے لہو سے نہیں بھرتا شکم اس کا
کھنچ آئے گا لشکر دمِ اژدر ہے دم اس کا

۶۳

رتبے میں فلک ابنِ یداللہ سے کم ہے
اقبالِ سلیمانؑ بھی مرے شاہ سے کم ہے
دشمن ہو اگر شیر تو روباہ سے کم ہے
آگے مرے اک کوہِ گراں کاہ سے کم ہے
زور آور و سرکش کا بھی اب سر نہیں اٹھتا
گردوں سے مری تیغ کا لنگر نہیں اٹھتا

۶۴
بچتا نہیں نیزے سے مرے سینۂ دشمن
کرتا ہے مرا نیزہ دلِ کوہ میں روزن
چھٹتی نہیں قبضے سے مرے شیر کی گردن
چار آئینہ فولاد کا بن جاتا ہے جوشن
آگے ہیں مرے زیر زبردست جہاں کے
رستم کو پکڑ لیتا ہوں حلقے میں کماں کے

۶۵
تلوار جو کھینچوں تو زمیں لاشوں سے بھر جائے
دشمن جو چڑھے منہ پہ تو سر تن سے اتر جائے
آبِ دمِ شمشیر سروں پر سے گزر جائے
نکلے سے اگر شیر کو دیکھوں تو وہ مر جائے
کس کا ہے یہ منہ بڑھ کے جو ٹوکے مجھے کوئی
لو نہر میں جاتا ہوں میں روکے مجھے کوئی

۶۶
یہ سنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے
چمکاتے ہوئے ڈانڈ بڑھے برچھیوں والے
تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے
گرد آ گئے تنہا کے سواروں کے رسالے
گردوں پہ پہونچتی تھی صدا طبل وغا کی
فریاد گئی عرش پہ شاہِ شہدا کی

۶۷
چلائے کہ نرغے میں ہے یارب مرا بھائی
یہ ایک طرف ساری خدائی
اک جان کو درپیش ہے لاکھوں سے لڑائی
ہے شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
بے جان دیے پھر کے نہ یاں آئے گا عباس
مر جائے گا شبیر جو مر جائے گا عباس

۶۸
یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی
تصویرِ اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی
واں آہ حرم میں سیدِ ابرار نے کھینچی
گھوڑے کی عناں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی
سر پر ابھی پہونچی تھی نہ بیداد گروں کے
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گرزے سپروں کے

۶۹
تھا شور کہ ہے چار طرف شعلہ در آتش
گھوڑوں کا یہ عالم ہے کہ ہیں نعل در آتش
ہے پا پہ کبھی اور کبھی بالائے سر آتش
کس راہ سے بھاگیں اِدھر آتش اُدھر آتش
اس آگ نے سر تا بہ قدم گھیر لیا ہے
معلوم ہوا زیست نے دل پھیر لیا ہے

۷۰
نیزے کے ہلانے میں جو اُستادِ جہاں تھے
جن پاس علم تھے کہیں اُن کے نہ نشاں تھے
ایسے گئے ثابت نہ ہوا یہ کہ کہاں تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار نہاں تھے
تیروں کی نہ چلّوں کی نہ ترکش کی خبر تھی
گر تھی تو اسی شعلۂ سرکش کی خبر تھی

۷۱
میداں میں پڑے لوٹتے تھے سر تہ و بالا
اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا
جوں ماہیِ بے آب تھے پیکر تہ و بالا
اک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا
ملعونوں کے ہتھیار بھی ناکارہ ہوئے تھے
چار آئنہ تھے اور آئنہ بھی سہ پارہ ہوئے تھے

۷۲
رہوارِ سبک سیر و نسیمِ سحری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا
ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اُڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

۷۳

تھا کاہ کشاں جو بھوؤں سے حلقۂ گردن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون
سُم بدر سے اور نعل مہِ نو سے تھے روشن
ٹاپ اُن کی بلا تھا پچھ تھا اجل کا پئے دشمن
مستی نے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
تیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

۷۴

تلوار نے جب شام کے بادل کو ہٹایا
منھ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
عباسِ علمدار کو دریا نظر آیا
یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ واں پیاس سے بچے کہیں مر جائیں
اب پانی جو لے جائے تو سب کام سنور جائیں

۷۵

یہ کہہ کے گئے نہر میں عباسِ خوش اطوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو رو رو کے یہ کی گفتار
آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
گر میں ہوں وفادار تو تو بھی ہے وفادار
شرمندگی ہووے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امامِ دوسرا کے

۷۶

دریا سے چلا بحرِ شجاعت کا شناور
غل پڑ گیا لو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور
گویا افقِ چرخ سے نکلا شہِ خاور
ہاں مشک کو لے جانے نہ پائے یہ دلاور
لڑنے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے روکو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے روکو

۷۷

دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی در آئیں
تیغوں کی جو موجیں سرِ ساحل نظر آئیں
نیزوں کی بھی فوجیں کئی بالائے سر آئیں
پیاسوں کے لیے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آجائے جو ہم میں
یونس کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

۷۸

غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارا
پانی میں جو اترے تھے انھیں تیر سے مارا
دریا سے بھرا مثلِ غزال اس نے طرارا
جو گھاٹ پہ تھے تیغ کے گھاٹ اُن کو اتارا
بجلی سی گری لشکرِ سفاک کے اوپر
لاشے تو گرے نہر میں سر خاک کے اوپر

۷۹

پھر نہر سے گھوڑے کو اڑاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
کس شان سے نیزے کو ہلاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
نرغے میں چپ و راست پس و پیش نظر تھی
سر پر اجل آ پہونچی ہے اس کی نہ خبر تھی

۸۰

گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کماندار
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
مینھ پڑتا ہے جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھار
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
سینے کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

۸۱

اُٹھ سکتے ہیں حربے جو ہزاروں اگر ایک کے دو کے
کس کس سے لڑے کس کو ہٹانے کے روکے
اک تشنہ دہن لاکھوں کو کس طرح سے ٹوکے
ہاتھوں میں نہ طاقت تھی علم تھامتا تھا جھو کے
غش آتا تھا جب ضعف سے تھراتے تھے عباسؑ
یا شیرِ خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباسؑ

۸۲
افسوس نہ بر آئی تمنائے علمدار
اس ہاتھ سے اس ہاتھ میں لی تیغ شرربار
مشکیزے پر اک تیر لگا شانے پہ تلوار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بے کار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

۸۳
اک ہاتھ گرا کٹ کے تو پروا مجھے کیا ہے
آقا مرا فرزندِ رسولِ دوسرا ہے
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دستِ خدا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تلک اُن پہ فدا ہے
روحِ اسد اللہ کو میں شاد کروں گا
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا

۸۴
فرما کے یہ جھپٹا اسد اللہ کا پیارا
بہتوں کو اسی ہاتھ سے اس شیر نے مارا
روباہوں کا لشکر تہ و بالا ہوا سارا
زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا
سقائے سکینہؑ پہ ستم ہو گیا ہے ہے
وہ ہاتھ بھی شانے سے قلم ہو گیا ہے ہے

۸۵
چلائے کہ تشریف ادھر لائیے آقا
الطاف و کرم بندہ پہ فرمائیے آقا
مشتاق کو دیدار دکھا جائیے آقا
اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام، آئیے آقا
باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی انھیں کہہ جائے
مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے

۸۶
بھائی کی صدا سُن کے تڑپنے لگے شبیرؑ
دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبؑ دلگیر
چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
غل پڑ گیا ہے ہے اسد اللہ کی تصویر
سب قافلہ رانڈوں کا کھلے سر نکل آیا
عباسؑ کا فرزند بھی باہر نکل آیا

۸۷
زینبؑ نے کہا ساتھ لیے جاؤ مجھے بھی
چلائی سکینہؑ وہیں پہنچاؤ مجھے بھی
تصویرِ علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی
دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی
بیتاب ہوں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی جا کر
میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جا کر

۸۸
عباسؑ کی زوجہ نے کہا کوٹ کے سینا
شوہر کے الم میں مجھے دشوار ہے جینا
مجھ کو بھی لیے چل ترے قربان سکینہؑ
میں رانڈ ہوئی موت نے وارث مرا چھینا
والی نہ رہا جی سے گزر جاؤں گی میں بھی
عباسؑ جہاں ہیں وہیں مر جاؤں گی میں بھی

۸۹
تھا حضرتِ عباسؑ کے بیٹے کا عجب حال
بل کھائے ہوئے دوش پہ تھے گیسوؤں کے بال
غم سے کبھی منہ زرد تھا غصہ سے کبھی لال
ماں تھامے تھی اور کہتا تھا وہ صاحبِ اقبال
اس نہر سے کوثر کے کنارے گئے بابا
رو کو نہ چچا روتے ہیں مارے گئے بابا

۹۰
گو مار بھی ڈالے ہیں کوئی تو نہیں غم
فرزند ہیں کیوں کر نہ کریں باپ کا ماتم
کیا جان کا خطرہ ہے یتیم اب تو ہوئے ہم
چھٹ جائیں مصیبت سے نکل جائے اگر دم
سینے میں عجب حال ہے ننھے سے جگر کا
کیا آخری دیدار بھی دیکھیں نہ پدر کا

۹۱

واں لاش پہ شہ خاک اڑاتے ہوئے پہونچے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے پہونچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہونچے
پہونچے تو گر گر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے
چلا کر جاتی ہے مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

۹۲

بھائی کی صدا سن کے آئے ہوش جو آیا
نعلین پہ منہ رکھ کے یہ آقا کو سنایا
اٹھ کر قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکایا
گو ہاتھ مرے کٹ گئے حضرت کو تو پایا
سر ہوئے گا آغوشِ شہِ کون و مکاں میں
اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

۹۳

یہ کہتے ہی عباسِ علمدار سدھارے
بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے
چلائے شہِ دیں مرے غمخوار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِ طیار سدھارے
چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی
تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

۹۴

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رونے کا ہے جوش
اللہ نے بخشی ہے جنہیں چشم خطا پوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقل و ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہل سخن عام کی تعریف

رباعی

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیٔ مرگ
ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

رباعی

داماد رسول کی شہادت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسولِ ثقلین
معصوموں پہ فاطمہؑ کے آفت ہے آج
خاتون قیامت پہ قیامت ہے آج

رباعی

قطرے ہیں یہ سب جس کے وہ دریا ہے علیؑ
پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ
ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار
اللہ اللہ ایسا بندہ ہے علیؑ

رباعی

مولد جو ہاں حکمِ قدر سے پایا
کعبے نے شرف علم کے در سے پایا
گودی میں نبیؐ لیے یہ کہتے نکلے
لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

رباعی

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلالِ اسمِ اعلیٰ علیؑ
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

رباعی

اوقاتِ سرور فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروفِ جشنِ نوروزی ہے
ہے آج سے دورِ شاہیِ شاہِ نجف
یہ رنگ بہارِ فتح و فیروزی ہے

رباعی

ہر غنچے سے شاخِ گل ہے کیوں نذرِ نجف
ہے روزِ خلافتِ شہنشاہِ نجف
حیدرؑ ہوئے جانشینِ خاصِ نبوی
ہے آج طلوعِ نیرِ برجِ شرف

رباعی

عرفاں تصدیقِ حجتِ حیدر ہے
ایماں نورِ محبتِ حیدر ہے
دوزخ ہے عداوتِ علیؑ کا بدلہ
فردوس بہارِ الفتِ حیدرؑ ہے

mablib.org

	مرثیہ	
آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی جاسوس کہہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی	۱	ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی غش آگیا ہے شہ کو یہ ہے وجہ دیر کی
خوش بو ہے دشت، بادِ بہاری قریب ہے		ہشیار غافلو! کہ سواری قریب ہے
آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے	۲	شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے وہ مرد ہے
سر پر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے		گھر میں اِسی کے اتری ہے تیغ آسمان سے
مشہور ہیں جہاں میں یہ صفدر وحیدِ دہر لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی اِن کو لہر	۳	جبار کے غضب کا نمونہ ہے اِن کا قہر لاکھوں سے ایک وار میں یہ چھین لیں گے نہر
فرزند ہیں علیؑ سے شہِ کائنات کے		لاشوں سے پل بندھیں گے کنارے فرات کے
ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے	۴	لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے		کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیلؑ کے
یکتائے روزگار ہے وہ شیرِ حق کا لعل ان سے مقابلے کی بھلا ہے کسے مجال	۵	اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال جرأت وہی ہے غیظ وہی ہے وہی جلال
دکھلائیں گے جلن اسدِ کردگار کا		گھر گھاٹ اُن کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا
رشکِ چمن ہیں سب پہ گلِ سر سبد یہ ہے ذی مرتبت ہے صاحبِ فہم و خرد یہ ہے	۶	آفاق میں نظیرِ ہژبرِ احد یہ ہے عباسؑ نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہے
دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا		دُرِّ نجف ہے فاطمہؑ زہرا کے لال کا
اللہ رے آمد آمدِ عباسِؑ صف شکن جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن	۷	لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
یہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے		گویا مقابلہ ہے جنابِ امیرؑ سے
تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور	۸	تھیں موج کی طرح سے اِدھر کی صفیں اُدھر پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
فوجیں فقط نہ بھاگیں تھیں منہ موڑ موڑ کے		دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے
چھایا تھا سب پہ رعبِ علمدارِ نوجواں گوشہ اماں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اک کماں	۹	تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا		منہ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیز کا

۱۰

ہل چل یہ تھی کہ گرد سواری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
روشن تھا شمعِ طور سے پرتو حضور کا
خلعت ملا زمینِ مقدس کو نور کا

۱۱

اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہے
اترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
صحرائے کربلا نہیں دنیا کی جان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخِ خلفِ بوتراب کا
دیکھو الٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

۱۲

نقشِ سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال
اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
یاں ہے وہی عروج زہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

۱۳

آئینۂ جبیں سے صفا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے
ابرو سے اور رخ سے ضیا آشکار ہے
رخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منہ پر دلیر کے
چہرہ تو حور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

۱۴

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
ابرو نے رنگِ تیغِ شجاعت دکھا دیا
چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آ گئی

۱۵

ابرو نہیں ہے چشمِ مروت نہاد پر
دیدا اس کی نرگسِ بینا ہے خوش اعتقاد پر
نوں لکھ دیا ہے صانعِ قدرت نے صاد پر
قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدید کا دُرِ نجف میں ہے
پتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہے

۱۶

اعجاز لب میں چشم میں سحرِ حلال ہے
تعریف کیا کریں دہن بے مثال ہے
پتلی نہیں ہے چہرۂ یوسف کا خال ہے
تقسیم جزوِ لایتجزیٰ محال ہے
ٹھہرا لیا ہے نقطۂ فرضی دہن نہیں
اسرارِ کردگار ہیں جائے سخن نہیں

۱۷

شیریں لبوں کی مدح میں لب ناطقہ بند
پھیکی جو بات ہے وہ زباں کو نہیں پسند
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ گماں نے قند
عالم ہے اُن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نے قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہے مزا بات بات میں

۱۸

بے مثل ہیں خوشا دُرِ دنداں کی آب و تاب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اخترِ میانِ خواب
دُرِ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
طالع چمک گئے مہِ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں جب کہ ہلتے ہیں لب خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہے ٹکڑوں پہ لال کے

۱۹

قربانِ رونقِ خطِ رخسارِ سرخ فام
والّیل گردِ سورۂ والشمس ہے تمام
یہ صبح ہے حلب کی تو گیسو ختن کی شام
گویا جنابِ خضر کا ظلمات ہے مقام
تفسیرِ خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہے
دیکھو ہجوم مور سلیماں کے گرد ہے

۲۰

یہ خط نہیں ہے دفترِ قدرت نگار ہے
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہے
عنبر فشانیِ قلمِ مشک بار ہے
واضح یہ ہے کہ جلد سے خط آشکار ہے
منہ دیکھیے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو

۲۱

روشن گر زمانہ ہے صبحِ گلو کا نور
نورِ خدا کا صاف گریباں سے ہے ظہور
دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
بوسوں کو حوریں رہ گئیں ہیں ہونٹ چاٹ کے
پریوں نے جان دی ہے گلے کاٹ کاٹ کے

۲۲

شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیض یاب ہیں
الٹی ہے آستین جو حیدر کی شان سے
ننگی ہوئی ہے تیغ ید اللہ میان سے

۲۳

ساعد میں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
ایذا میں باحواس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
پنجے کا اُن کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
زہرہ ہے ڈر سے آب کیومرث و گیو کا
منہ پھر گیا ہے اُن کے طمانچوں سے دیو کا

۲۴

طاقت بھی ان کے بازوؤں کا ایک نام ہے
اقبال ان کے گھر کا مدار المہام ہے
زور اُن کا خانہ زاد، تہور غلام ہے
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہے
ہر دم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں
نصرت کو ان کا غاشیہ بردار کہتے ہیں

۲۵

فوج اُن کی شان و شوکت و اقبال و جاہ ہے
ثابت قدم ہیں پر دمِ تیغ اُن کی راہ ہے
مردانگی غلام جلالت سپاہ ہے
جرأت ہے اُن کا خشم شجاعت نگاہ ہے
فوجوں سے معرکے میں نشاں چھین لیتے ہیں
سید ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں

۲۶

مرجائیں نامراد یہ ان کی مراد ہے
کم اُن کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہے
ناشاد ہوکے جان تو دل ان کا شاد ہے
جویا ہیں کافروں کے یہ شوقِ جہاد سے
دنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں
اللہ و پنجتن کے سوا مانتے نہیں

۲۷

رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست و زیردست
دیکھا ہے شیرِ حق کی لڑائی کا بند و بست
لشکر تباہ کر دیے فوجوں کو دی شکست
آنکھ ان کی حق نما ہے نظر ان کی حق پرست
روح الامیں سا پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر
سر ان کے خاک پر ہیں نماز ان کی عرش پر

۲۸

سینے کا آئینہ ہے کدورت سے پاک صاف — برعکس ان سے جو دو خدا سے ہے برخلاف
جرأت کا اُن کی قاف سے شہرہ ہے تا بہ قاف — سو سو صفوں کو صاف کیا ہے دمِ مصاف
دعویٰ انھوں جسے یہ اسے ٹوکتے نہیں — تلوار جب چلی تو سپر روکتے نہیں

۲۹

اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم — کاغذ پہ رک گیا ہے صدا دے کے یہ قلم
نعلین پائے حضرتِ عباسؑ کی قسم — ٹل جائے کوہ پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں — خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی رواں نہیں

۳۰

وصفِ صلاحِ جنگ میں اب لٹ گئی ہے جاں — اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں — جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع ہاں
منزل ابھی ہے دور صفِ کارزار کی — رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی

۳۱

یہ خودِ آہنی نہیں فرقِ جناب پر — سرپوشِ نور ہے قدحِ آفتاب پر
ابر آ گیا ہے فرقِ رسالت مآبؐ پر — یا تاجِ خسروی ہے سرِ بوتراب پر
سایہ میں وہ جو آج سعیدِ زمانہ ہے — اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہے

۳۲

مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے — حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہے
موسیٰ کا ہے یہ قول کہ قندیلِ طور ہے — داؤد کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہے
کشافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا — ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِّ مجید کا

۳۳

رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد — الّا عدوئے آلِ پیمبرؐ سے ہے عناد
چار آئینہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد — بس پنجتنؑ کا نام سپر ہے دمِ جہاد
بن جائے گا اماں کا حصار آئینہ یہی — جوشن یہی سپر یہی چار آئینہ یہی

۳۴

پیشانی آئینہ، رخِ جاں پرور آئینہ — دوش آئینہ ہے سینۂ مہ پیکر آئینہ
بر میں دل آئینہ جسدِ انور آئینہ — ہر آئینے سے بہتر و خوش تر ہر آئینہ
بے حد و بے حساب و شمار آئینہ ہیں یاں — چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینہ ہیں یاں

۳۵

دستانہ ہے کہ تیغِ یداللہ کا نیام — منہ میں کلائی شیر کی یہ ہے انھیں کا کام
قالب ظفر کا، فتح کا گھر، زور کا مقام — پنجے میں ہے جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
دنیا میں کوئی اُن سے نہ افضل نہ دین میں — قوت خدا کے ہاتھ کی ہے آستین میں

۳۶

یہ شیرِ نیستانِ ولایت کے ببر ہیں — بیٹھے ہیں شیرِ حق کے یہ دہ ہزبر ہیں
چھپ جائیو نہ ان کو یہ مختارِ صبر ہیں — کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
ربِّ علا کا قہر انھیں کا جلال ہے — برق اُن کی تیغ ہے تو گھٹا اُن کی ڈھال ہے

۳۷

روباہ دل ہے شیرِ ژیاں اُن کے سامنے
پشّے سے کم ہیں پیلِ دماں اُن کے سامنے
لرزاں ہیں مثلِ پیر جواں اُن کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
تن پر زرے ہو کر خاک کے پیوند ہوگئے ہیں
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوگئے ہیں

۳۸

ہے دوشِ تیغ عید شبِ قدر ہے سپر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
قدرت خدا کی یہ ہے اِدھر شب اُدھر سحر
گویا دولہن بنی ہوئی ہے بیبیِ ظفر
جو خوبیاں کہ چاہئیں وہ سب حصول ہیں
معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں

۳۹

ہے وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
مضموں ہیں مثلِ برقِ جہندہ شرر فشاں
لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
پیدا صریرِ کلک سے ہے شورِ الاماں
کیوں کر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو
خامے کو خوف ہے کہ زباں پھر قلم نہ ہو

۴۰

قد کتنا خوش نما ہے بدن کس قدر ہے گول
مفتاحِ فتح ہے درِ نصرت کو اس سے کھول
جوہر شناس ہے تو اسے موتیوں سے تول
وہ تیغ ہے خراجِ صفاہاں ہے جس کا مول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہے
شاہوں کی آبرو ہے سپاہی کی جان ہے

۴۱

دل سوز شعلہ خو شرر انداز جاں گداز
خوں خوار کج ادا و دل آزار و سرافراز
لشکر کش و شکست رساں و ظفر نواز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
کج اس کی ہے پسند جہاں کو سچی نہ ہو
معشوق پھر نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

۴۲

پشتہ وہ اس کا اور وہ باریکیِ خمیر
جنگ آزما، خراج ستانندہ، ملک گیر
کس بل میں بے مثال اصالت میں بے نظیر
گیتی نورد، بادیہ پیما، فلک سیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
کوچہ وہ کون سا ہے جہاں پر چلی نہیں

۴۳

چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی آب
کیا تاب ہے کہ لا سکے اس کی چمک کی تاب
دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں

۴۴

ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
تیغ و سپر ہے یا علمِ شاہِ سربلند
لیکن کماں نہ ساتھ ہے نے تیر و نے کمند
سب حربے دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
کیا خوف اُن کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے
نیزہ نہیں جو پاس اکڑ اس میں بھی نوک ہے

۴۵

صدقے علم کے حضرتِ عباسؑ کے نثار
شمشاد سبز پوشِ گلستانِ اقتدار
طوبیٰ شکوہ عرش تجمل فلک وقار
حمزہؑ کا اقتدار تو جعفرؑ کا افتخار
جھکتا ہے جس سے عرش یہ پایا اسی کا ہے
ظلِ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہے

۴۶

دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
دامن ہے بادبانِ جہازِ امامِ دہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریمؑ کا ہاتھ ہے

۴۷

دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمعِ طور
بے شبہ دو امام کے ہے نور کا ظہور
اس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
گویا حسنؑ کے دوش پہ دستِ حسینؑ ہے

۴۸

لکھتا ہے اب کمیتِ قلم سرعتِ سمند
آہو شکار، شیر طبیعت، وغا پسند
نازک مزاج خوش قد و طناز و سربلند
وہ پیش و پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
اتری تھی اک پری فرسِ تند خو نہ تھا
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

۴۹

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباسِ تشنہ لب
اور واں پرے جمائے ہیں سفاک سب کے سب
تیغیں علم کیے ہے سپاہِ دغا طلب
ڈھالوں سے اہلِ شام کی دن ہو گیا ہے شب
سرہنگِ روم ورے ہیں وغا پر تلے ہوئے
ہیں دو رنگ نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

۵۰

کہتا تھا شمر آکے ہر ایک کے پرے کے پاس
ہاں صفدرانِ شام خبردار با حواس
مردوں کو معرکے میں نہیں چاہیے ہراس
بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباسِؑ حق شناس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہے پیاسے کو ٹوک لو
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

۵۱

ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
عالم میں شورِ غلغلۂ فوجِ شام ہے
حیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی
مر جائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی

۵۲

پہونچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
اٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
چلائے آکے سامنے اے فوجِ اشقیا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اجڑ گیا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

۵۳

آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
سیدؑ بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

۵۴

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
مجھ سے جدا ہوا نہیں دم بھر یہ نامدار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

۵۵

بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
قوت یہی عصا یہی تاب و تواں یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت نشاں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں
ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

۵۶

دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے
سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
دولت یہ کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے
پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
کیونکر نہ دونوں روح کا اور تن کا ساتھ ہے
طفلی کی الفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے

۵۷

ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے
جاں ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے
قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں
بے جاں ہوا یہ جان برادر تو ہم کہاں

۵۸

دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی
دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی
کہنے کو یوں ہیں سب یہ ہمارا نہیں کوئی
پوچھو اسی سے بھائی سے جس سے جدائی ہو
جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو

۵۹

رو کر جو مستغیث امام بحق ہوئے
غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
جو صاحب حیا تھے وہ غرق عرق ہوئے
سن کر صدا حسین کی عباس فق ہوئے
برچھی لگی الم کی دل دردناک پر
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

۶۰

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا وہ خوش خرام
دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
آپ آئے کیا غضب یہ کیا اے فلک مقام
سر پر عمامہ رکھئے پیمبر کے واسطے
یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے

۶۱

پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو
سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے نہ رلاؤ گلے لگو
تو تم بھی دست شوق بڑھاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں
اب کی جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

۶۲

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند
دنیا میں ہجر کا ہے پہونچا نہیں گزند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رشتۂ اجل کا بند
آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
روتے جو ہم تو خوشی ایک دم رہے
تھوڑے دنوں نبی و علی بھی بہم رہے

۶۳

وہ دل ہے داغدار جو ہجراں نصیب ہے
کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہے
اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہے
اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہے
موسم کوئی نہیں چمن دہر کا رہیں
لاکھوں ہیں گل کہ لوٹ گئے ایسی بہاریں

۶۴

فرما کے یہ بہ شوق امامِ اُمم بڑھے
بس ڈبڈبائے آنکھوں کو وہ بحرِ غم بڑھے
عباسؑ اس طرف کو جھکا کر علم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے
دونوں پہ کوہِ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباسؑ گر پڑے

۶۵

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
بیٹھے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
اے میرے یادگارِ پدر میں ترے نثار
بھیا لگا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغِ پدر تازہ ہو گیا

۶۶

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
چھاتی سے سر لگائے تھے عباسِ نامور
ہچکی لگی تھی اُن کو اِدھر اور انھیں اُدھر
تھمتی تھی رقّت اُن کی نہ زہراؑ کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

۶۷

عباسؑ رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
صدقے غلام اے مرے آقا نہ روئیے
سر پیٹتی ہیں فاطمۂ زہرا نہ روئیے
پردے میں کچھ نہ آلِ نبیؐ کے خلل پڑے
ایسا نہ ہو غضب کہ سکینہؑ نکل پڑے

۶۸

دل تھا جو شہ کا فرطِ محبت سے بے قرار
بولے یہ کانپ کے عباسِ با وقار
فرمایا ہم کو گرد تو پھرنے دو ایک بار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پہ نثار
کیونکر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
میں تو سکینہؑ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

۶۹

رو کر کہا حسینؑ نے اے جان الوداع
بھائی تمہارے عزم کے قربان الوداع
اچھا سدھارو اے مرے ذی شان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع
بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جاؤ تو مجھے یاد کیجیو

۷۰

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہِ دیں پناہ
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کو پکارے باشکِ آہ
تا دیر اس طرف رہی عباسؑ کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بھولے اسے جو کہہ کے ہم آئے تھے آپ سے
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے

۷۱

فرما کے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
غصے سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
جھک کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آ گئے

مطلع دوم ۷۲

اے رخشِ خامہ شوخیِ جولاں گری دکھا
اے شہسوارِ فوجِ سخن صفدری دکھا
اے نطقِ سحر کار زباں آوری دکھا
اے زورِ طبع دبدبۂ حیدری دکھا
سطریں غضب ورق پہ صفیں کارزار کی
مصرع ہر اک کھائے برش ذوالفقار کی

۷۳
ہاں اے قلم سروں کی جدائی دکھا مجھے
دریائے کشت و خوں کی ترائی دکھا مجھے
خندق کی اور اُحد کی لڑائی دکھا مجھے
شمشیر مصطفیٰ کی صفائی دکھا مجھے
دل شق کرے صریرِ قلم کارزار میں
غل ہو کہ شیر گونج رہا ہے کچھار میں

۷۴
نکلے وہ شعر طبعِ فصاحت شعار سے
نقطے تھے آبدار دُرِ آبدار سے
فقرے تھے جس کے تیز کہیں ذوالفقار سے
مضموں برش میں تیز تھے خنجر کی دھار سے
اعدا کے نظم و نسق کی صورت بدل گئی
تیغ دو دم عرب کے فصیحوں پہ چل گئی

۷۵
نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سُرور ہیں
دنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں
جرار ہیں سخی ہیں دلی ہیں غیور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
اب تک ہماری حرب کا سکہ دلوں پہ ہے

۷۶
جب معرکے میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
روکی ہے تیغ کفر کی بستی اجاڑ کے
دم میں قدم اکھاڑ دیے ہیں پہاڑ کے
پھینکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اکھاڑ کے
پڑھ کر درود فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
جب ہم گئے تو کعبے کے اندر اذاں ہوئی

۷۷
در پے ہمیں رہے رہِ حق کی تلاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
ٹکڑے تلک جلا دیے کافر کی لاش کے
کاٹے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
ناقوس کو اٹھا کے زمیں پر ٹپک دیا
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا

۷۸
جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
دنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں
صولت میں دبدبے میں عدیم النظیر ہیں
اس اوج پر حسینؑ کے در کے فقیر ہیں
رتبے پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
گر ہے تو بس غلامیِ حضرت پہ ناز ہے

۷۹
کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں
سر دیدیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

۸۰
تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
بیعت اُنھیں تو صلح ہمیں کبھی نہیں قبول
لیجو نہ منھ سے نامِ جگر گوشۂ رسولؐ
سمجھا ہے کیا امامِ عراق و حجاز کو
گدّی سے کھینچ لوں گا زبانِ دراز کو

۸۱
تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیرِ شام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام
گر تشنہ ہیں بادشاہ کہیں بیعت غلام
او بے ادب یزید کجا اور کجا امام
دوزخ سے دور رہتے ہیں سائے بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

۸۲
یہ کہہ کے لی دلیر نے تلوار میاں سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر آشیاں سے
مسکن چھٹا ہما نے سعادت نشان سے
چمکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
دکھلائی شکلِ قہرِ خدائے جلیل نے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیے پر جبرئیل نے

۸۳
حملہ دلیر کا غضبِ کردگار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس بے قرار تھا
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

۸۴
وہ تیغِ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا

۸۵
ہوش و حواسِ شمرِ یہ رو اڑا دیئے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اڑا دیے
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابرو اڑا دیے
تھا نورِ چشمِ شیرِ الٰہی جلال میں
پتلی چھپی ہوئی تھی سپاہی کی ڈھال میں

۸۶
بجلی سی جس پرے کی طرف آ کے پھر گئی
دم میں لہو زمیں پہ برسا کے پھر گئی
ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
اللہ رے منہ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

۸۷
غصہ تھا قہر کا سنتے تھے بزدلوں کے دل
لوہے کو اس کے مان گئے جاہلوں کے دل
سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
تھی ماہِ نو یہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
چمکی تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی

۸۸
لرزاں ہر ایک باغیِ بیداد و جور تھا
رخ زرد تھے سپاہ کے کچھ رنگ اور تھا
لشکر تھا بے حواس تباہی کا طور تھا
نیزوں کا تھا نہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
فوجیں کٹی ہوئی تھیں محلے اجاڑ تھے

۸۹
گر اس طرف بڑھا کسی بیدادگر کا ہاتھ
رکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہاتھ
بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر

۹۰
تیغیں سپر کے ساتھ گئیں خود سر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
اور معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر

۹۱
گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل ادھر ادھر
بند یہ تھا کہ پھر رہی تھی کل ادھر ادھر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل ادھر ادھر
بھاگڑ تھی قلب فوج میں ہلچل ادھر ادھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے

۹۲
سرہنگ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
کتنے جواں سموں کے تلے آ کے مر گئے
جو بچ گئے ادھر سے ادھر جا کے مر گئے
پس پس گئے سے سر بسر ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہلچل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹوں نے پاؤں باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

۹۳
بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
بجلا بنیں سمند کی ہر جست و خیز نے
چن کر صفوں کو صاف کیا تیغ تیز نے
گیتی الٹ دی ابن علیؑ کی ستیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

۹۴
تھرا رہا تھا خوف سے بینا سے تا تو رد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا دادسے نبرد
خورشید چھپ گیا یہ اٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
تالو پڑے ہوئے تھے محیط سپہر میں

۹۵
تھا الاماں کا شور پریشان تھے اہل شہر
ماتھے علم رگڑ رہے تھے جھک جھک کے خاک پر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر ایک سپر
رستم نے اِل کھو دیے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

۹۶
مصروف تھے جہاد میں عباسؑ باوفا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مر جائے اے چچا
ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
اے نور چشم ساقی کوثر دہائی ہے

۹۷
جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
پھکتا ہے سینہ آگ جگر کی بجھائیے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجئے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تلک آپ کے آنے کی آس پر

۹۸
اعدا کو بار بار نہ جھنجھلا کے دیکھئے
کانٹے مری زبان کے اب آ کے دیکھئے
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھئے
رونے کو شاہ بیکس و تنہا کے دیکھئے
صدمہ فراق کا ہے دل دردناک پر
جلد آئیے حسینؑ تڑپتے ہیں خاک پر

۹۹
عباسؑ نے سنی جو یہ آواز ناگہاں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیر خوں چکاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
رخ جانب فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اڑا کے تیر سے آئے کچھار میں

۱۰۰
گرمی میں تھے جو عرق عرق سر سے تا بہ پا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
سردی سے اس ترائی کے جان آگئی ذرا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہ کربلا
دل ہو گیا کباب جمیعت پہ شاہ کی
عباسؑ نامدار نے اک سرد آہ کی

۱۰۱
دو دن سے بے زباں پہ جو تھا آب و دانہ بند
ہر بار کاٹتا تھا سمٹتا تھا بند بند
دریا کو سونگھنا لگا دیکھنے سمند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

۱۰۲
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ نیک نام
گر تو ہے تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
بس اتنا مضطرب ہوا وہ اسپ تیز گام
پیاسا ہے ذوالجناح شہنشاہ خاص و عام
اٹھتا ہے شور گریہ محمدؐ کے آل سے
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہؑ کے حال سے

۱۰۳
عباسؑ نے کہا جو یہ بچوں کا حال زار
جب نہر علقمہ میں در آیا وہ نامدار
گردن ہلا کے رہ گیا اسپ وفا شعار
پانی سے تھوتنی کو اٹھاتا تھا بار بار
جاں بازی سمند پہ غازی نے رو دیا
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا

۱۰۴
دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشک آب
تو شک سے چلا جگر و جان بوتراب
چلایا فوج کو عمر خانماں خراب
سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتحیاب
گر مشک تا خیام شہ نیک خو گئی
یہ جاں لو کہ جان گئی آبرو گئی

۱۰۵
یہ شور سن کے گھاٹ پہ امڈی سپاہ شام
تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حسام
پہلے سے بھی زیادہ ہوا اک ہجوم عام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
اب پاس آبرو کا ہے جانوں کا غم نہیں
عباسؑ نامور نہیں یا آج ہم نہیں

۱۰۶
تیغ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا
پہلے نہ رک سکے تو بھلا اب رکیں گے کیا
مجھ کو نہ دور جانو اے لشکر جفا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے خبردار اک ذرا
دیکھیں تو یاں پرے کو جمائے کھڑے رہو
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو

۱۰۷
یہ سن کے جوڑنے لگے چلّوں میں واں خدنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیر شعلہ رنگ
یاں بادپا ترائی میں تھا صورت نہنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کماں کی جنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اس کے کاٹ پر
برسا دی آگ تیغ کے پانی نے گھاٹ پر

۱۰۸
تا نصف راہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
تکتے تھے سوئے خیمۂ شہ منہ کو پھیر پھیر
تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثال شیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
پرہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی

۱۰۹

نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
تھے ایک جان کے لیے دشمن جوان و پیر
پہلو سے تیر چلتے تھے اور سامنے سے تیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہ منیر
منظور ظلم سخت تھا ہر بدخصال کو
پتھر شقی لگاتے تھے حیدرؑ کے لال کو

۱۱۰

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
کٹتا تھا ہاتھ اٹھانے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
شل ہو گیا تھا بازوئے فرزند بوتراب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشک اب
پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشک سکینہؑ بچاتے تھے

۱۱۱

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

۱۱۲

تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی ور نشاں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

۱۱۳

چھینٹیں لہو کی اڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
دامن سے پونچھتے تھے علمدار نامور
شقہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
اقبال بادشاہ زمین و زماں رہے
دنیا میں جب رہوں نہ رہوں یہ نشاں رہے

۱۱۴

واحیف وا دریغ تمنائے جاں نثار
اور یاں کمیں میں تھا جن و رقائے نابکار
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
ماری شقی نے دوش پہ اک تیغ آبدار
آفت پڑی نصیب سکینہؑ الٹ گیا
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

۱۱۵

اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
بہتا تھا خون ضعف بھی بڑھتا تھا دم بہ دم
فریاد الغیاث ستم پر ہوا ستم
تنہا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا

۱۱۶

کٹ کے گرا تھا بازوئے غازی جو زمیں پر
بے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شعلہ ور
تلوار اودھر لپک ہی تھی اور ہاتھ ادھر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو مگر
صدقے حواس ابن شہ ذوالفقار کے
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے

۱۱۷

بے دستیاں ہوا جو وہ ہمدم حسینؑ کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسینؑ کا
واں تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسینؑ کا
گھائل ہوا برادر خوش رو حسینؑ کا
ہاں تو تمیں بجا کہ ظفر یاب ہم ہوئے
گویا علیؑ کے دست مبارک قلم ہوئے

۱۱۸

گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس
دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا بدرد و یاس
پر رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا

۱۱۹

ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بیدست تشنہ لب
چھاتی پہ نیزے رکھ کے انھیں روکتے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز سے غضب
صدمے سے زرد چہرۂ پرنور ہو گیا
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا

۱۲۰

ہر چند چھٹ گیا تھا سپر دلبرِ علیؑ
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
مرنے پہ سر ٹیک دیا جب مشک چھد گئی
آنکھوں سے اشک بہہ کے بصد یاس گر گئے
پانی گرا تو گھوڑے سے عباسؑ گر پڑے

۱۲۱

آئی صدائے شیرِ الٰہیؑ یہ ایک بار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار
شبیرؑ آشکار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
ہونٹوں پہ دم بدم ہے صدا یا حسینؑ کی
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی

۱۲۲

جس دم سنا حسینؑ نے یہ نوحۂ پدر
گر گر اٹھے سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر
ٹپکا عمامۂ سرِ اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرِ مہرو کا تھام کر
واحسرتا جواں برادر بچھڑ گیا
تھامو کمر کہ بند کمر کا اکھڑ گیا

۱۲۳

زینبؑ نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہے ہے کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا
چلائے اے بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہراؑ نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہؑ نکل پڑی

۱۲۴

دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے
اکبرؑ سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
یہ بھی چلے ادھر شہِ والا جدھر چلے
صدمہ ہے ضربِ غم سے دلِ پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر

۱۲۵

صورت یہ شاہ کی ہے کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہے
اور تا کمر جبا کا گریبان چاک ہے
دستِ یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبرؑ سنبھالے ہیں

۱۲۶

جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشکِ ماہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
کہتے ہیں وہ حضور ترا بھائی قریب ہے

۱۲۷

اسقدر لائے آپ کو اکبر ترائی میں
پائی جو بوئے خون برادر ترائی میں
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

۱۲۸

منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیوں پتلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا
اے شیر دلیر یہ بے کس ترے فدا
عباسؑ میں حسینؑ ہوں دیکھو مجھے ذرا
میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

۱۲۹

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو
کروٹ کراو کر مرے آرام جاں نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہِ کارواں نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

۱۳۰

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
یہ موت زندگی ہے رہے فخر و افتخار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جان زار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

۱۳۱

زانوئے پاک نور رخِ شہ اور سرِ حقیر
ذرے کو مہر کر دیا اے آسماں سریر
عالم کا بادشاہ کہاں اور کہاں فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
بابا یہ اوج اس کو نہ بابا کی گود میں
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

۱۳۲

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
لے کر رسولؐ جام شراب طہور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں
میں اب تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں

۱۳۳

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوب ذوالجلال
استادہ ہیں یہ حضرت شبر نکو خصال
یہ رو رہے ہیں شیر الٰہی بصد ملال
یہ فاطمہؑ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں ہراس ہیں
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

۱۳۴

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جاں بلب
عباسؑ چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہے غضب
اے جان فاطمہؑ جگر سید عرب
کس کس کو روکیے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہیں

۱۳۵

راحت کی راہ ہے سفرِ گلشنِ ارم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
صدمہ مگر ہے روح پہ اے قبلۂ امم
الفت یہ آپ کی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

۱۳۶

یکہ کے چپ ہوئے تھے کہ اٹھا جگر میں درد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
بس کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد
منہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہ سرد
دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بیکس و ناچار ہو گیا

۱۳۷

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ عجب کا سبط نبیؐ پر گزر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اٹھ اٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

۱۳۸

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
سر رکھ دو میرے زانو پہ گردن ذرا اٹھاؤ
زینبؑ تمھیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
کب سے بلک رہی سکینہؑ کو دیکھ آؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہ ہو

۱۳۹

کیا ہے جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم
کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لوٹے ہوا سے تم
ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

۱۴۰

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی اے شہ زماں
رونے سے اب لیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
لے چلئے گھر میں لاش علمدار نوجواں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمے سے بی بیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنت علیؑ نہ آئے
فضہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

۱۴۱

سینے سے کی حسینؑ نے اک دل آہ دل خراش
فرمایا اس کے بدلے ہمیں موت آئے کاش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
کیوں کر کہوں کہ لاش علم گھر میں لے چلو
میت کے بدلے مشک علم گھر میں لے چلو

۱۴۲

اکبرؑ نے جب علم کو اٹھایا بدرد و آہ
رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
باندھو علم میں مشک بھی اے میرے رشک ماہ
ہے جس طرح زمانے میں اندوہ غم کا ساتھ
اب حشر تک رہا یوں ہی مشک علم کا ساتھ

۱۴۳

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلیں اب شہ زماں
رو کر امام دیں نے کہا جائیں اب کہاں
واں بھی مرے لیے وہی ہوتا ہے جو یہاں
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہاں
اٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر ہاتھ جوڑ کر

۱۴۴

ناچار اٹھ کے واں سے امام امم چلے
فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ مشک و علم چلے
سر ننگے پیچھے سرور عالی ہمم چلے
جنگل میں شور نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپ علمدار شاہ تھا

۱۴۵

فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سیدانیو اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
اکبرؔ علم لیے ہیں علیؑ کا نشاں نہیں
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں

۱۴۶

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں
گویا کہ تھا شبیہِ الم سر پہ سرنشاں
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پرنور درفشاں
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

۱۴۷

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اڑ گئے رخوں سے کلیجے الٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی
بچوں سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

۱۴۸

اکبرؔ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لو بی بیو ترائی میں رو آئے شیر کو

۱۴۹

پہنچی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
پرچم پہ یوں پھڑکتا تھا پنجہ وہ بار بار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈوں میں تھی پکار
سر پیٹتے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی نخلِ ماتمِ عباسؑ بن گیا

۱۵۰

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال
چلاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
اتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہان سے کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے

۱۵۱

مرجائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے
وہ کیجیے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
تھوڑی سی جا مرے لیے پائیں یا رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا
صاحب کی پائنتی ہو سرہانا کنیز کا

۱۵۲

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی
صورت تمھیں عروسِ شہادت دکھا گئی
جاگے تمام رات کے تھے نیند آ گئی
کیا خوش نصیب تھے کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے آغوش میں سوئیں گے

۱۵۳

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ
صورت کوئی پناہ کی میرے لیے بتاؤ
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
دنیا تو اب اجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

۱۵۴

فرماتے تھے آج کی شب تک ہمارا پیار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے مرے منہ کو بار بار
کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

۱۵۵

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب
کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہے غضب
تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں

۱۵۶

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار
زینب نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
لے جائیے علم کو اب اے شاہ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے مجھے کہ زوجۂ عباس مر نہ جائے

۱۵۷

زینب سے رو کے کہنے لگے سرور زمن
اب تو نے فوج ہے نہ علمدار صف شکن
لشکر نشاں کو جائے کہاں اب یہ بے وطن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
لو یہ نشانی شہ دلدل سوار لو
پٹکا علم سے کھول لو پنجہ اتار لو

۱۵۸

جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
رایت اٹھا کے خاک پہ کہنے لگے امام
سر اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بس الوداع اے علم سید انام
پیارے گلے کو خنجر خونخوار چاہیے
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیے

۱۵۹

پرخوں علم کے پاس تھے عباس کے پسر
ان نے جو طوق اتارے تھے اور کان کے گہر
بچے کھلے تھے کرتوں کے تھراتے تھے جگر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چہروں سے درد بے پدری آشکار تھا

۱۶۰

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر ان کے نہ آنے کی وجہ کیا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
اماں کی مانگ اجڑ گئی صدمے گزر گئے
بھیا تمھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

۱۶۱

دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
رو کے پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
میت نہ اٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

۱۶۲

بس اے انیس بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
مداح آل پاک نبی تھا وہ خوش کلام
ہو مغفرت خلیق کی یا رب ذوالاکرام
یا رب اسی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
بندہ وہ کون سا ہے کہ جو بے قصور ہے
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

	مرثیہ	
جب آب رواں بند ہوا فوجِ خدا پر نرغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر	۱	فاقے کئی گزرے شہِ دیں کے رفقا پر پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علیؑ کا		باجوں کا اُدھر غل تھا اِدھر نادِ علیؑ کا
خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہِ شام تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام	۲	کس شان سے تھا پیچ میں گُل دستۂ اسلام سب تشنہ دہن قتل ہوں زہراؑ کے گُل اندام
سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو		بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو
یہ شیر ہیں آغوشِ یداللہ کے پالے گھیرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے	۳	جو سب سے زبردست ہو ہاتھ اُن پہ وہ ڈالے نزدیک سے تلواریں چلیں دور سے بھالے
ہاتھ آئے گا اس خوں کا صلہ تیغ زنوں کو		دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو
دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر نازاں ہے بہت اپنے علمدار پہ شبیرؑ	۴	ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر دنیا سے مٹا دو اسد اللہ کی تصویر
اک عشق ہے ہم شکلِ رسولِ مدنی سے		چھید و جگر اُس چاند کا برچھی کی انی سے
قاسمؑ کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی فرزندوں کو زینبؑ کے نہ دینا کہیں پانی	۵	ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی یہ شیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ ان کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے		اک جعفرِ طیارؑ ہے اور ایک علیؑ ہے
کس شان سے ہیں پیچھے ہاتھوں میں سنبھالے کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے	۶	بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے زخمی ہوں کسی پیچ سے یہ گیسوؤں والے
تلواروں سے پھر بچ کے کدھر جائیں گے شبیرؑ		زینبؑ نکل آئے گی تو مر جائیں گے شبیرؑ
واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار ذی قدر جواں مرد خوش اطوار و وفادار	۷	تھوڑے سے جواں یاں کے بھی تھے مرنے پہ تیار خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
آغوشِ محمدؐ کا نگیں اُن کی طرف تھا		دنیا تو اِدھر جمع تھی دین اُن کی طرف تھا
تھا فتح کے سورہ کا مفسر کوئی ذی جاہ کہتا تھا کوئی ہنس کے توکلتُ علی اللہ	۸	پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نا اہل کرے گا		اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا
تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دو جہاں پر	۹	مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
تسبیحِ امامت کے عجب دانے ملے تھے		یا فاطمہؑ کی شمع کو پروانے ملے تھے

۱۰

عاشق شہِ والا کے مطیعِ اسد اللہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ
سر دینے کو سب بادیِ کونین کے ہمراہ
دنیا کو وہ دیں دار سمجھتے تھے گذرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیمِ ابدی پر

۱۱

خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری
کوئی تو محدّث کوئی حافظ کوئی قاری
مشتاقِ امامِ دو جہاں عاشقِ باری
ہم رتبۂ سلمانؓ و ابوذرِ غفاریؓ
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذّاتِ جہاں کو
تھا چاشنیِ فقر سے کام اُن کی زباں کو

۱۲

گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر
دانائے جہاں سیفِ زباں صاحبِ شمشیر
موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
طینت میں وفاداروں کے تھی الفتِ شبیرؑ
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے

۱۳

اک ایک بادۂ وحدتِ اللہ سے سرمست
سرکائیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست
ثابت قدم و صفدر و جاں باز و زبردست
سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
نے گھر کا نہ اولاد کا نہ مال کا غم تھا
غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

۱۴

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پُر نور میں خنجروں کے پڑی تھیں
آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

۱۵

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوش خو
رخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوش بو
کوئی سپرِ حفظ، کوئی جوشنِ بازو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھیرتا تھا اک
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

۱۶

کیا شانِ حبیب ابنِ مظاہر کا لکھوں حال
کیا رتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال
وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہؑ کا لال
جو عشق تھا سلمانؓ و ابوذرؓ کو نبیؐ سے
اِن کو وہی الفت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ سے

۱۷

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
ابرار بھی دیں دار بھی عصیاں سے بری بھی
پروانۂ جاں باز بھی شمعِ سحری بھی
زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

۱۸

تھا وہ قدمِ گشتہ شجاعت سے نہ خالی
پس پا تھی وہ صف جس پہ نظر شیر نے ڈالی
مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغِ ہلالی
نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رسل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

۱۹

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سدھارا
فرماتے تھے رو رو کے نہیں صبر کا یارا
حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنازے پہ حسنؑ کے

۲۰

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے
دیکھا سوئے افلاک امامِ دوسرا نے
سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
تسبیحِ امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر اُن پہ چلے فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کے

۲۱

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
آخر ہوئی اولادِ عقیلؑ جگر افگار
بے جاں ہوئے مسلم کے تیلانِ وفادار
پامال ہوا لو چمنِ جعفرِ طیارؑ
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
اب چلتی ہے تلوار نواسوں پہ علیؑ کے

۲۲

تھی فکر کے سجدہ میں یداللہ کی جائی
سیدانیو لٹ گئی زینبؑ کی کمائی
فضہ نے خبر آ کے یکایک یہ سنائی
دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دو بائی
مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے

۲۳

سجدے سے جو سر حضرتِ زینبؑ نے اٹھایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا کیوں شور مچایا
ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتے ہوئے پایا
جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو

۲۴

سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بارے
فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے
شادی ہوئی پروان چڑھے لال ہمارے
تھا آج کے دن کے لیے پالا انھیں میں نے
شاہد رہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے

۲۵

یہ سن کے ادھر بی بیاں سب پیٹتی تھیں سر
مارے گئے عباسؑ کے عینی جو برادر
واں تینوں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدرؑ
لاکھوں سے لڑا لختِ دلِ حضرتِ شبرؑ
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہِ زمن کے
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسنؑ کے

۲۶

بھاوج کے جو پردے کو چلے سیدِ ابرار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبِ ناچار
آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر

۲۷

کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ
باقی ہوں غلاموں میں تو میں، بیٹوں میں اکبرؑ
دنیا سے سفر کر گیا سب لشکرِ حیدرؑ
دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبرؐ
بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو
دیکھا ہے کن آنکھوں سے کئی بار پسر کو

۲۸

میداں میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بے دم
یہ ایک ندامت ہے مرے واسطے کیا کم
کیا جانیے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
ہو گا وہی جس امر میں کہ آپ کریں گی
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی

۲۹

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا
ہو گا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کر دیں جو اشارا
بھر کیا ہے سنور جائے ابھی کام ہمارا
حامی ہو تو دیر ایک دم اک پل نہیں ہوتی
مشکل کوئی بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی

۳۰

سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبِ ذی جاہ
دلوادے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
اچھا میں کہوں گی یہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
بھائی سے نہ اٹھّے گا یہ کوہِ غمِ جاں کاہ
مشکل ہے بہت گود کے پالے کی جدائی
آسان نہیں چاہنے والے کی جدائی

۳۱

ہاں رخصتِ اکبر ہو تو ہو ان کو گوارا
فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں یارا
کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمھارا
اول تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے

۳۲

یہ ذکر تھا جو شاہِ امم خیمے میں آئے
روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
اکبرؑ بھی بصد رنج و الم خیمے میں آئے
عباسؑ بھی گردن کیے خم خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو
شبیرؑ نے ایک ایک کا پرسا دیا سب کو

۳۳

جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بے جاں
ان سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
اے بی بیو! تم سب کے ہیں شبیرؑ پہ احساں
سب بولیں کہ اے محسنِ عالم ترے قرباں
اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

۳۴

رو کر شہِ بے کس نے کہا یہ نہ کہو آہ
مشتاقِ اجل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
سب قافلہ والوں نے تو فردوس کی لی راہ
جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے اللہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس اٹھائیں
لاشے کو مرے اکبرؑ و عباسؑ اٹھائیں

۳۵

اکبرؑ نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے
فرزند تو زندہ ہو پدر رنجوں میں نہائے
عباسؑ یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
آقا پہ جو آئی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
حضرت ہی ہمارے تنِ صد پاش اٹھائیں
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں

۳۶

عباسؑ کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیرؑ
فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
عباسِ علی رونے لگے سن کے یہ تقریر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہے میرا
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا

۳۷

زینبؑ نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے
شہ نے کہا فرمایئے ہمشیر وہ کیا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہے
حضرت نے کہا جو مناسب ہے بجا ہے
اکبرؑ سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
جلدی انھیں کاہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے

۳۸

کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
رخصت کے لیے آج یہ رقت ہے یہ اصرار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
پوچھو تمھیں تھا ہم سے اور آن سے یہی اقرار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے اٹھیں گے
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے

۳۹

زینبؑ نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجئے
ان کی یہی دھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجئے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجئے
جاں باز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں
نانا کے انھیں لیجے کہ اب یہ سفری ہیں

۴۰

یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے غم پر
عباس گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
سرپاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا کبھی ہم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر

۴۱

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرت عباسؑ
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب یہ بصد یاس
کیا کہتے ہو تم مجھکو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

۴۲

میں جیتی ہوں کب ایسا چلا جاتا ہے آساں
دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
عباسؑ کی زوجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
کیا جانیے واں شور سے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

۴۳

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
سرکائی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
چلائی کہ بچی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

۴۴

بتلایئے جاتی ہے کدھر آج سواری
اس پیاس میں لی داد خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

۴۵

عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قرباں
ہم جاتے ہیں پانی کے لیے آؤ مری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

۴۶
پانی کے لیے واہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں
شب ہو تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لیے پھر تمھیں روؤں
ہے ہے شہِ بیکس کا رلانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

۴۷
عباسؑ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
تم بھی پیو اصغرؑ کو بھی چلو سے پلاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا

۴۸
کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دل گیر
حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گی کسی تدبیر
کیا کہتے ہیں سنئے تو چچا جان کی تقریر
اب مشک بھی لا دو انھیں جو خواہشِ تقدیر
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

۴۹
دی مشک جو حکمِ پسرِ شاہِ نجف سے
غل خیمے میں رونے کا اٹھا چار طرف سے
رخصت ہوئے عباسؑ محمدؐ کے خلف سے
طالع ہوا خورشیدِ زمیں برجِ شرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اس بحرِ کرم نے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے

۵۰
گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
تیار تھا اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن
قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
اقبالِ سلیماں سے پری بن گیا توسن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
زیں اس پہ نہ تھا تختِ سلیماں تھا ہوا پر

۵۱
آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کا تنزل ہوا رن میں
غارت صفِ اعدا کا تجمل ہوا رن میں
شیر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
دریا بھی ہٹا پیچھے یہ تلاطم نظر آیا

۵۲
شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
تھرانے لگے کوہ، شجر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دور تھے، پر خوف سے کانپے
چلا کے نبی جان تو پنہاں ہوئے در میں
سر قاف چھپانے لگے عنقوں کے پر میں

۵۳
ہل چل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھرے گی
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی

۵۴
ناگاہ بیابانِ بلا نور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حسنِ رخِ حور سے چمکا
جوں پنجۂ خورشید، علم دور سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ سرِ طور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
میں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں

۵۵

تھی شانِ علیؑ چہرۂ انور پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے
کلغی تھی عجب جس سے مغفر پہ جری کے
پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں
دولاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

۵۶

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو
ہم صورت و ہم شانِ ید اللہ کو دیکھو
لو ماہِ بنی ہاشم ذی جاہ کو دیکھو
حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا
نقشہ تھا یہی حسن یہی نور یہی تھا

مطلع دوم ۵۷

جب رن کو چلے حضرتِ عباسؑ علمدار
وہ شیر کہ اتری ہے جسے عرش سے تلوار
دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو اکبار
اس کا پسر آتا ہے خبردار خبردار
اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
آمد ہے بڑی دھوم سے عباسؑ علیؑ کی

۵۸

تشریف اُحد میں یونہیں لائے تھے ید اللہ
ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے ید اللہ
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے ید اللہ
لاکھوں سے یونہیں آنکھ ملائے تھے ید اللہ
قبضے میں یونہیں قبضۂ شمشیر دو دم تھا
کاندھے پہ اسی طرح محمدؐ کا علم تھا

۵۹

تحریرِ سراپا پہ جو مائل ہوئی خاطر
ہر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر
حیرانِ مضامیں کی صدا آئی کہ حاضر
ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
دل نے کہا کیوں امرِ فضولی میں یہ کد ہے
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے

۶۰

کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا
دشوار ہے عباسؑ سے آقا کا سراپا
ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلیٰ کا سراپا
آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے
تشبیہ جب اس شیر کو دیجے تو علیؑ سے

۶۱

جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام
خوش ہو گے عوام اگئیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
یاں رونے کی لذت ہے رلانے کا مزا ہے

۶۲

واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی
نافہم اچھلنے لگے چپ ہو گئے با کی
پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی
اشکوں نے بھی رکھ کر کہا یہ عین خطا کی
ہمسر کیا ذرے کو رخِ بازوئے شہ کے
کھوئے دُرِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے

۶۳

ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قربان
ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیان
ابرو بھی جگر گوشۂ حیدر کے زہے شان
یہ اس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جان
جو شاہ ہے قوسین مکاں ارض و سما کا
فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

۶۴

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو
چہرہ کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رو
اس کی تو بصارت نہیں اُس کے نہیں ابرو
اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سرخی نہ یہ خوش بو
بے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک نہ اک داغ لگا ہے

۶۵

مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا
غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا
پوچھے کوئی گو ترے زبانوں کو بھی ہے دھویا
اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
اس عقدہ کو گر آپ ہی کھولیں تو کھلے گا

۶۶

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
یہ دُرِّ نجف وہ ہیں علیؑ کو جو ہیں پیارے
بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
تاروں کو بھی حسد سے فلک اُن پہ اتارے
کیا وصف کریں اُن کا سوا نسل علیؑ کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نور خدا کے

۶۷

لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ
اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں
یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

۶۸

قامت کو کہا سرو تو چال اس میں کہاں ہے
یہ حُسن یہ صورت یہ جمال اس میں کہاں ہے
یہ سیبِ ذقن یہ خط و خال اس میں کہاں ہے
یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بدمزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے

۶۹

جو بات کہ کہنی ہوں چاہئے اجمال
ہاں دیکھ کمیتِ قلم اچھی نہیں یہ چال
زیبا غزل و شعر میں ہے وصفِ خط و خال
اب بڑھتے ہیں عباسؑ صفیں ہوتی ہیں پامال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

۷۰

اعدا بھی ادھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے کل ہیں
کوفے کے قشون رے کے پرے شام کے دل ہیں
سب دشت میں نیزوں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
اونچا ہے ہر اک ہاتھ سپر سر سے اٹھی ہے
گھنگھور گھٹا شام کے لشکر سے اٹھی ہے

۷۱

کانپے وہ علم فوجِ سیہ رو کی نشانی
شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
غل طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرانی
تھی صاف صدا ہائے بہادر کی جوانی
بے کس شہِ دیں ہوتے تھے فریاد بپا تھی
تنہا ہیں بھی مظلوم حسینا کی صدا تھی

۷۲

یاں تیغ جگر بندِ علیؑ نیاں سے نکلی
فریادِ دلِ قومِ بنی جان سے نکلی
کس ازرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

۷۳
نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
تھرانے لگے کوہ اراضی عرب کے
ماہی سے ادھر گاوِ زمیں ہل گئی دب کے
تھرائے صدا سن کے شجاعِ ازلی کی
جبریلؑ کو یاد آگئی آواز علیؑ کی

۷۴
شبدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا
تنگی سے قفس تھا اسے دنیا کا خرابا
پھرتا گیا بڑھتوں ہی وہ گھوڑا دو رکابا
اترا تو دبانے کو عجب غیظ سے چابا
نے جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

۷۵
پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے
تارے دمِ شوخی و رو ا رو نظر آئے
جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے
جب جم کے اڑا چار سے نو نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر
خورشید تو زیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر

۷۶
سیدھی جو چلی تیغ، صفوں کا ورق الٹا
پھر جو کٹے دفترِ نظم و نسق الٹا
استادِ شجاعت نے پڑھایا سبق الٹا
جبریلؑ پکارے کہ زمیں کا طبق الٹا
رکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علیؑ کا

۷۷
وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدمۂ شمشیر نہیں بھولا
کفار پہ وہ حملۂ حیدر نہیں بھولا
اب تک مجھے اس ضرب کا منظر نہیں بھولا
بجھتا ہے نہ وہ آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

۷۸
بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جو سن سے
راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے
صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے
سر طائرِ وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے
کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے پنجوں میں
مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں

۷۹
حلے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
خوں پی کے برش تیغ نے پائی تھی غضب کی
اس منہ کی صفائی پہ رکھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
اندر ہر اک تاب میں تھا چیں بہ جبیں کا

۸۰
کیا قہر تھا شمشیر کے ابرو کا اشارا
نے بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
اک چشم زدن میں اسے مارا اسے مارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اس پر
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اس پر

۸۱
کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ چمکنا
وہ دیدۂ جوہر سے جفاکاروں کا تکنا
شعلہ تھا تجلی گرد تھا بجلی کا چمکنا
گویا تھا تماشا اسے کشتوں کا پھڑکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

۸۲

بجلی کا چلن شعلے کی خو سرکش و بیباک
صرصر سے سبک دست، گراں قیمت و چالاک
خوں خوار، جفاکار و ستم پیشہ و سفاک
کج بازو سراندازِ ترش رو و غضبناک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

۸۳

بسمل ہوا جس کو چمک اس کی نظر آئی
بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
چو رنگ کیا اس کو آ سے اٹھ کر آئی
اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

۸۴

فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
اک دم بھی بیانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
خوں اتنے کیے اور گنہگار نہ ٹھہری
مجرم رہی، سرکش رہی، بے باک رہی وہ
دھبہ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

۸۵

کاٹی جو سپر، مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری
سر سے جو بڑھی گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینۂ ظالمِ خود بیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا یہ زیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پرِ جبریلِ امیں کو
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو

۸۶

پلٹے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس
پیتی تھی لہو دم بہ دم اور بجھی نہ تھی پیاس
جب خون میں بھر جاتی تھی وہ پر چڑھا الماس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرت عباس
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
عباس کی سرکار سے رومال ہوا تھا

۸۷

ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
غازی کی قدم بوسی کو لہرانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے پسر کے

۸۸

ہر موج زیارت کے لیے ہو گئی بے تاب
میں پیاسے پھروں گرد یہ تھی خواہشِ گرداب
تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
آتا ہے ادھر بحرِ شرف کا دُرِ نایاب
آمد جو سنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
گوہر تھے پئے   ہتھیلی پہ صدف کی

۸۹

جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
لہرائے موجوں کے ہمراہ دل تہ و بالا
یاد آ گئی بس تشنگیِ سید والا
رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہ
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہ

۹۰

دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہ کا مہر
انصاف کر انصاف یہ کیسا ظلم ہے کیا قہر
شبیر تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
اس پیاس کا جب ذکر پیمبر سے کریں گے
شکوہ ترا ہم ساقیِ کوثر سے کریں گے

۹۱

اے آبِ محمدؐ کا پسر تشنہ دہن ہے
گلزارِ نبیؐ کا گلِ تر تشنہ دہن ہے
اے آب شہِ جن و بشر تشنہ دہن ہے
دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہے
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
ہم جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

۹۲

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے ہمراہ دھری مشک
بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
غل پڑ گیا دیکھو لیے جاتا ہے بھری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو
دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو

۹۳

گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار
سب مچھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار
پانی کے لیے لہر ہر اک بن گئی تلوار
لو ڈوبتا ہے خوں میں علیؑ کا دُرِ شہوار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے
پھر تیروں کا مینھ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

۹۴

دریا تو اِدھر اور اُدھر لشکرِ قہّار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھار
مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علمدار
جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
طوفاں تھا تلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

۹۵

ہوتا تھا اِدھر خاتمۂ جنگِ علمدار
اٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ ستمگار
بسمل سے تڑپتے تھے اُدھر سیدِ ابرار
گر گر کے کبھی چلاتے تھے ہے مرے غمخوار
بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینبؑ
جب روتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینبؑ

۹۶

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہے بھائی
مشکیزہ کے لانے پہ ہوتی ہے لڑائی
خوں خواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہے
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہے

۹۷

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس
کیوں بی بیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
اے وائے مقدر نہ سکینہؑ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

۹۸

عباسؑ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ
ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈسالہ پہناؤ
آ جائے گا پھر غش نہ سکینہؑ کو رلاؤ
ڈیوڑھی پہ چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
خود کہہ کے گئے تھے وہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؑ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

۹۹

ماتم تھا اِدھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
واں چلتے تھے عباسؑ علیؑ پر تبر و تیر
ہر سمت سے امڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

۱۰۰
کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
وہ فوج کا نرغہ وہ ہجومِ الم و یاس
ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کبھی نمدار تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ

۱۰۱
فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ
شمشیر بہ کف پنچ میں ابن اسد اللہ
شاخِ شجرِ باغِ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دودم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

۱۰۲
گرنے لگا جس دم علمِ سیدِ والا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا
عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شمر نے ڈالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرتِ عباسِ علیؑ کا

۱۰۳
کچھ گرزِ گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا
سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینے کو توڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

۱۰۴
ناگاہ یہ آوازِ علیؑ دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ دہائی ہے دہائی
شبیرؑ خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
تشریف شہِ ہر دوسرا لائے ہیں زینبؑ
عباسؑ کے لاشے پہ علیؑ آئے ہیں زینبؑ

مطلع سوم
۱۰۵
جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
رتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو
شانوں سے جدا ہو گئے جرار کے بازو
تھرانے لگے سیدِ ابرار کے بازو
رنگ اڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیرؑ
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

۱۰۶
اکبرؑ سے کہا کر دو گریبان مرا پارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا
ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہ

۱۰۷
فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا
سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبرؑ نے سنبھالا
چلاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

۱۰۸
کہتے تھے اٹھا کر یہ علی اکبرِ ذی جاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ
دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
عباسِ علیؑ کوچ گئے دنیا سے ہیں آہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبرؑ ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

۱۰۹
حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
اکبرؑ نے کئے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
عباسِ علمدار سسکتے نظر آئے
بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

۱۱۰
ہے ہے شہِ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر
صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
اکبرؑ نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

۱۱۱
سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے
پھیرو مرے لاشے کو میں قربان تمھارے
قبلے کی طرف چاہیئے منہ اے مرے پیارے
بے دست ہیں اس وقت میں احسان کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

۱۱۲
کیا میرے لیے روتے ہو بابا کو اُٹھاؤ
میں اُٹھ نہیں سکتا تمھیں مولا کو اٹھاؤ
لِلّٰہ زمیں سے شہِ والا کو اُٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو ہٹاؤ
واجب پسرِ مصحفِ ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے

۱۱۳
غش میں یہ سخن سُن کے پکارے شہِ ذی شاں
اکبرؑ نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جاں
بیکس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
مل لیجے عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسِ علیؑ سے

۱۱۴
چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی
کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی
سینے میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

۱۱۵
خشکیدہ زباں کو جو نہیں تاب کا یارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم سے اشارا
معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

۱۱۶
یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری
عباسؑ علمدار کراہے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری
چلا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہؑ

۱۱۷
یوں کہنے لگی دوڑ کے وہ خستہ جگر افگار
چلائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیدِ ابرار
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ

۱۱۸

گھبرا کے سوئے خیمہ گئے دیکھنے سرور
زینبؑ تو ہیں بکھری ہوئی ٹوپی نہیں سر پر
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہر خدا نہر کدھر ہے

۱۱۹

سقے کا مرے نام ہے عباسِؑ علمدار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار
تصویرِ علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
پھر آنے کی قسمیں انھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں

۱۲۰

لاشے پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے
گھبر کے سکینہؑ نے کہا پیاس کے مارے
کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تمھارے
حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

۱۲۱

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر
اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر
دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسِؑ دلاور
حضرت نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر
پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
منہ دیکھ لو یہ شیر سے عباسؑ پڑے ہیں

۱۲۲

میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
چلائی سکینہؑ کہ دہائی ہے دہائی
حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی
ریتی میں علمدار نے بھی شکل چھپائی
تھرانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ
لاشے سے بھی آئی یہ صدا ہائے سکینہؑ

۱۲۳

خاموش انیسؔ اب یہ دعا کر کہ الٰہی
اب ہند میں کب تک یہ فقیری یہ تباہی
اب جلد سوئے روضۂ شبیرؑ ہوں راہی
اس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی
سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں
عباسِؑ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

عباسؑ سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبرؑ سا بھی گل بدن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ہلے
اصغرؑ سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

رباعی

گر دوستِ علیؑ ہیں مر جاویں گے
بگڑے ہوئے سب کام سنور جاویں گے
جس وقت کہیں گے منہ سے یا شیرِ خدا
جوں برق صراط سے گذر جاویں گے

مرثیہ

۱

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
جلادوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے ہاتھوں پہ دھرے چاند کی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے قمر کو

۲

معصوم کے رخ پر ہے عجب حسن عجب نور آئینۂ افلاک تجلی سے ہے معمور
اسپند ہے اس رخ کے لیے خالِ رخِ حور موسیٰ کے کفِ دست پہ ہے شمع سرِ طور
کیا صاحبِ اعجاز امامِ دو جہاں ہے
نورِ یدِ بیضا یہ سرِ دست عیاں ہے

۳

حسنِ رخِ اصغرؑ سے تجلی نیرِ اکبر خورشید تو ذرہ ہے ستارہ ہے انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر ہیں صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
بالوں کے تلے لوحِ جبیں نور فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے

۴

ابرو کو دیا ہے یدِ قدرت نے عجب خم بس دو مہِ نو صاف نظر آتے ہیں باہم
ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم دشوار ہے پلکوں کا جھپکنا جنھیں ہر دم
بے خواب بھی اس چشمِ گہربار کو بھاری
جس طرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری

۵

آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی روشن ہوا دل جس کو وہ صورت نظر آئی
دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی زردی سی ہے ان پھول سے رخساروں پہ چھائی
شہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے

۶

روشن وہ گلا شمعِ تجلی کی ہے تصویر سو اس پہ لگے تیر یہ قسمت کی ہے تحریر
دو روز سے پانی نہ مقدر میں ہے نہ شیر اور کنٹھ جو بیٹھا ہے تو ہے موت گلوگیر
اب دودھ بھی اور طوق بھی منت کا بڑھے گا
فریاد ہے نیزے پہ یہ سر کٹ کے چڑھے گا

۷

کیا دوش و بر و ساعد و بازو کا کہوں طور سب نور کے سانچے میں ڈھلے ہیں جو کرو غور
ننھا سا وہ سینہ ہے کہ آئینۂ بلور کس طرح اٹھا ایسے پہ دستِ ستم و جور
ان ہاتھوں پہ جو پہنچی ہیں وہ خدا ہیں
گو مٹھیاں باندھے ہیں مگر عقدہ کشا ہیں

۸

گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبہ ہے زیادا ہے موسمِ طفلی میں جوانوں کا ارادا
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادا زہراؑ سی تو دادی ہیں اسد اللہ سا دادا
ہے عمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے
بے جنگ کے خلق [illegible] نام کیا ہے

۹

نازک ہے لبِ لعل جو برگِ گلِ تر سے وہ پانی کو محتاج ہے دودھ کو ترسے
گہوارے میں دم توڑتے تھے چار پہر سے لے آئے ہیں گھبرا کے شہِ دیں اسے گھر سے
بچے کو امان ظلم کے بانی نہیں دیتے
منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

۱۰
وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ
خوشبو میں بہ از عطرِ گلاب اس کا پسینہ
جس میں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
سینہ نہیں اک دُرِّ نجف کا ہے نگینہ
اب خون میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا
جس جھولے میں وہ پلتے ہیں تابوت بنے گا

۱۱
اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اس کا شہ خوش خو
جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو
میداں میں تجلی ہے مہ دہر کی ہر سو
کھولے ہیں دہن مثلِ صدف اصغرِ مہ رو
پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

۱۲
کچھ گھٹنیوں چلنے سے ابھی تک نہیں آگاہ
ہے عمر تو کوتاہ پہ ہمت نہیں کوتاہ
ہیں راہِ الٰہی میں مگر باپ کے ہمراہ
اس سن میں عجب عزم ہے العظمۃ للہ
میدان میں مرنے کے لیے آئے ہیں گھر سے
پہلے ہی فردوس میں پہونچیں گے پدر سے

۱۳
فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیارے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے
بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہلِ جفا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
اب پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں

۱۴
مجھ پر تو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی
منت کشِ ادنیٰ ہوں یہ جا گہ ہے عجب کی
حاجت متعلق ہے مری ذات سے سب کی
میں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہرِ لبن دور نہیں ہے

۱۵
مشکل میں مدد چاہتی ہے مجھ سے خدائی
شاہوں کے لیے فخر ہے اس در کی گدائی
ہر بندے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
جنات مرے نام کی دیتے ہیں دہائی
قرآں سے ظاہر ہے شرف آلِ نبیؐ کے
احساں ہیں ملائک پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۱۶
بخشے ابھی اللہ میں جس شے کا ہوں خواہاں
قطرے سے جو چاہوں تو ابھی نوحؑ کا طوفاں
پانی کا جو لوں نام تو ہو بارشِ باراں
پیدا ابھی اس خاک سے ہو چشمۂ حیواں
یارب مجھے قدرت ہے پہ راضی بہ رضا ہوں
مظلوم ہوں پیاسا ہوں غریب الغربا ہوں

۱۷
چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری
ظاہر کرے کوثر کو نہیں خالقِ باری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمہاری
بابا ابھی رہِ حق میں فدا تم بھی فدا ہو
ہم مرتے ہیں اس پر کہ رضامند خدا ہو

۱۸
لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار
میں نے بھی کیا ہے طلبِ آب کا اقرار
دروازے پہ سر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کا اظہار
پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

۱۹

یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعبِ تشنہ دہانی
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی
سب خلق پہ احسان حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آلِ نبیؐ ہیں

۲۰

آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمہارے
ہم حیدر و زہرا و پیمبرؐ کے ہیں پیارے
دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
دن آج تمہارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

۲۱

اب چوکے تو بخشش کا کوئی طور نہیں ہے
ہم پیاس سے مرتے ہیں تمہیں غور نہیں ہے
کوثر پہ پہونچنے کی سبیل اور نہیں ہے
سوچو یہ مقامِ ستم و جور نہیں ہے
مسلم ہو طریقِ اسد اللہ پہ آؤ
بھٹکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ

۲۲

بس دل میں نہیں نورِ محبت کا ہماری
بے کار ہے گو عمر عبادت میں گذاری
قرآں سے ہے ثابت کہ وہ ناری ہے وہ ناری
کچھ نفع نہ بخشے گی اسے طاعتِ باری
عشقِ اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہو
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اس میں نہیں ہو

۲۳

جو دوست ہمارے ہیں وہ ہوں گو کہ گنہگار
پلّے پہ علیؑ ہوویں گے اور احمدِ مختار
بخشائیں گے ہم اور انھیں بخشے گا غفّار
ہو جائے گی میزانِ عمل آپ سبک سار
ہے دوستیِ آل انھیں روزِ ازل سے
پیارا ہے یہی ایک عمل لاکھ عمل سے

۲۴

جو لوگ ہیں ثابت قدمِ الفتِ حیدر
فرمائیں گی یہ فاطمہؑ اُن لوگوں سے آکر
پالا ہے صراط اُن کے نبیؐ ہوویں گے رہبر
لو تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
دم بھرتے رہے ہو سحر و شام علیؑ کا
جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علیؑ کا

۲۵

تم لوگوں میں احمدؐ نے امانت ہمیں چھوڑا
قرآں سے بھی تم پھر گئے منہ ہم سے بھی موڑا
سو تم نے تو سر رشتۂ الفت ہی کو توڑا
یہ بھی ہے بہت پانی اگر دو ہمیں تھوڑا
اولادِ نبیؐ قابلِ بیداد نہیں ہے
کیا آیۂ لاتشکلکم یاد نہیں ہے

۲۶

ان پھولوں سے رخساروں کو کمھلانے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
گہوارے سے بچے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس الٹ جانے کو دیکھو
اچھا ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے

۲۷

سن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے
خیر آنے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی میں ہمارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

۲۸
فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
ہم پیاس بجھا لیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
دریا سے تمھیں پانی پلا دو اسے لا کر
اپنے لیے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

۲۹
وہ بولے کہ اکبرؑ سے زیادہ نہیں اصغرؑ
گو چھوٹے بڑے ہیں پہ ہیں اک بحر کے گوہر
شہ بولے کہ رتبے میں تو دونوں ہیں برابر
وہ برجِ شرف کا قمر ہے تو یہ اختر
اس کو جو کہو تو مرا دل اسے سمجھو
قرآں اسے سمجھو تو حمائل اسے سمجھو

۳۰
بڑھ کر بن کاہل نے کہا اے شہِ والا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرہ
اکبرؑ کو تو دیکھا اُسے میں نے نہیں دیکھا
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچہ
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرِؑ صفدر کی زیارت

۳۱
شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا
خم ہو کے اسے شکلِ کماں شہ نے بچایا
چلّے سے کماں دار نے وہ تیر ملایا
مانندِ اجل ناوکِ ظلم و ستم آیا
شبیرؑ چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

۳۲
حلق تو وہ دو ناوک کا اور تیر سہ پہلو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مہ رو
منھ کھل گیا تھرانے لگے ننھے سے بازو
گل رنگ ہوا طوقِ گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر

۳۳
فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
دم آ کے رکا حلق میں اس تشنہ گلو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
خوں منھ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

۳۴
مچھلی سا جو ہاتھوں پہ تڑپتا تھا وہ بے شیر
جب خوں نہ ہوا بند کیے سے کسی تدبیر
بیتاب تھے بچے کے لیے حضرتِ شبیرؑ
چلو سے لگے پھینکنے سوئے فلکِ پیر
اس خوں کو ملک لے گئے افلاک کے اوپر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

۳۵
قطرہ اگر اس خون کا گرتا بہ سرِ خاک
ہو جاتی گرفتارِ بلا امتِ سفاک
دانہ کبھی اگتا نہ زمیں پر تہِ افلاک
اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ لولاک
فرماتے تھے راضی ہوں میں جو مجھ پہ تعب ہو
نازل مگر امت پہ نہ خالق کا غضب ہو

۳۶
جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
چلائے عجب درد سے رو کے شہِ والا
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غل تھا کہ اس امت کا نگہبان علیؑ ہے
فریاد کو زہراؑ طرفِ عرش چلی ہے

۳۷

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
اے بارِ خدا خلق سے اصغرؑ بھی سدھارے
کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

۳۸

گردوں سے صدا آئی کہ اے فخرِ خلائق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لائق
رتبہ ہے ترا صبر میں ایوب سے فائق
ہے شوق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شائق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے
اب وصل کا معشوق کے ہنگام قریں ہے

۳۹

سن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی
تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
تعویذ پہ منہ رکھ دیا رقت بہت آئی
چلائے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

۴۰

فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار
بانوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
اس بندۂ بے کس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف کا
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں دُرِّ نجف کا

۴۱

فرما کے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبطِ پیمبرؐ
کیا جا کے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغرؑ
رو کر کہا اب خیمے میں جانا نہیں بہتر
پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کے برابر
سرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھوں کو قبضے پہ دھرے تھے
کپڑے تنِ پرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

۴۲

افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن
مغفر تو سرِ پاک پہ اور جسم پہ جوشن
چار آئینے میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
گردانے ہوئے جامۂ پرنور کا دامن
کرتا تنِ اطہر میں رسولِ عربیؐ کا
زیبِ کمرِ پاک کمر بند علیؑ کا

۴۳

اس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی
تفسیر تھا وہ حاشیۂ ریشِ خضابی
تھا رتبے میں قرآں سے نہ کم روئے کتابی
پر تین شب و روز سے تھی بے خور و خوابی
کہتے تھے ملک دین کے سرتاج کو دیکھو
شانِ پسرِ صاحبِ معراج کو دیکھو

۴۴

اڑتے تھے ہوا سے جو وہ گیسوئے معنبر
عالم کی ضیا بخش تھی پیشانیِ انور
سارا وہ بیاباں تھا کئی کوس معطر
ہم رتبۂ لوحِ ورقِ مصحفِ اکبر
سجدے کی جگہ پر جو ستارہ سا عیاں تھا
وہ احمدِ مختار کے بوسے کا نشاں تھا

۴۵

ابرو سے کلیدِ درِ گنجینۂ اسرار
اس چشم پہ آنکھوں سے فدا ہیں اولوا الابصار
بالیدہ و سنجیدہ و پیوستہ و خمدار
گر خواب میں دیکھے تو زہے طالعِ بیدار
ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا
دیکھا جو اُسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

۴۶
مژگاں پہ سبزۂ گردِ لبِ کوثر — آنکھوں سے صدا خوفِ الٰہی میں رہے تر
اور فیضِ سپر طور کی تو تجلی انور — سرکھے ہوئے لب لعلِ بدخشاں سے تھے بہتر
دندانِ مبارک کو نہ کہیے کہ گہر ہیں — ہیرے کے نگینے ہیں تو یاقوت کے گھر ہیں

۴۷
کیا سینہ و گردن کے کروں حسن کو تحریر — وہ شمعِ تجلی ہے تو یہ نور کی تصویر
سو اُس پہ تو شمشیر چلی اُس پہ چلے تیر — تیغ ایک پہ اور ایک پہ تھا ناوکِ بے پیر
تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی رن میں — سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلاتی تھی رن میں

۴۸
شانوں کا وہ نور اور وہ بازو کی صفائی — گرزور تھے جس وقت سے مارا گیا بھائی
جن ہاتھوں نے سب خلق کی کی عقدہ کشائی — فریاد ہے جمّال نے کاٹی وہ کلائی
اک ظالمِ بے رحم نے یہ ظلم کیا تھا — انگلی کو انگوٹھی کے لیے کاٹ لیا تھا

۴۹
اُن قدسیوں کا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں ہے — کیا مرحلۂ عشقِ الٰہی کو کیا طے
حاصل تھی نہ اسبابِ تعلق سے کوئی شے — ہر آن رہے رونقِ اسلام کے درپے
بتلا گئے وہ راہِ رضا سب کو جہاں میں — پیرو ہیں جو اُن کے وہی پہونچیں گے جناں میں

۵۰
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور — جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستمگر
بجلی سا تو رواں فرسِ خاصِ پیمبرؐ — حمزہ کی سپر تیغِ علیؑ نیزۂ جعفرؑ
غل تھا شہِ ابرار کے کاندھے پہ کماں ہے — یا شمسِ فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہے

۵۱
دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی — تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی — تنہائی اِدھر اور اُدھر ساری خدائی
سر کاٹ لیں تھے واں کے سوار اس تگ و دو میں — یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت کی جلو میں

۵۲
تھی داہنی طرف فاطمہؑ گھبرائے ہوئے بال — کہتی تھی میں صدقے تری غربت کے مرے لال
قربان گئی زخم کا بازو کے ہے کیا حال — گھوڑے سے جھکو تم تو یہ ماں باندھ دے رومال
ہے ایک تو صدمہ تمہیں تشنہ دہنی کا — اس زخم پہ پھر قصد ہے شمشیر زنی کا

۵۳
فرماتے تھے یہ شیرِ خدا با دلِ غمناک — روتی بنتِ اسد اے پسرِ سید لولاک
گرتے تھے کبھی فرطِ بکا سے بہ سرِ خاک — اُٹھتے تھے کبھی تھام کے رہوار کی فتراک
روتے تھے ملک گریۂ محبوبِ خدا سے — ہلتی تھی زمیں ہائے حسینا کی صدا سے

۵۴
تھے سارے نبی احمدِ مرسل کو سنبھالے — اور نوحؑ کی گردن میں وہ تھے ہاتھوں کو ڈالے
چلاتے تھے بے ہے مری آغوش کے پالے — صدقے ترے اے میری زباں چوسنے والے
امت کے لیے برچھیاں کھانے کو چلے ہو — دوزخ سے محبوں کو بچانے کو چلے ہو

۵۵
جنات میں تھا سیدِ کونین کا ماتم
ڈر تھا کہ نہ دنیا ہو کہیں درہم و برہم
سب کہتے تھے موجود ہیں لڑنے کے لیے ہم
ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا عرشِ معظم
مشتاق تھے سب جنگِ شہِ جن و ملک کے
کھولا تھا فرشتوں نے دریچوں کو فلک کے

۵۶
ناگاہ اُدھر چوب لگی طبلِ وغا پر
طاری ہوا غصہ پسرِ شیرِ خدا پر
اور پڑنے لگے تیر امامِ دو سرا پر
تلوار علم کر کے چلے اہلِ جفا پر
فرمایا کہ ہاں پہلے کدھر کھیت پڑے گا
لڑنے کو سب آتے ہیں کہ ایک ایک لڑے گا

۵۷
وہ بولے کہ یوں آپ سے مقدور کوئی کب ہو
کچھ غم نہیں تم ایک مرے سامنے سب ہو
فرمایا کہ معلوم ہوا ننگِ عرب ہو
کیا ڈر اُسے خود جس کو شہادت کی طلب ہو
لڑتا نہ کبھی تم کو اگر نیک سمجھتا
ہیں لاکھ کو اور ایک کو ہوں لاکھ سمجھتا

۵۸
جوہر ہے جواں مردوں کا تلوار سے مرنا
ہے ننگ شجاعوں کے لیے موت سے ڈرنا
جو گزرے سو گزرے کہ جہاں سے ہے گزرنا
خلعت ہے شہادت کا ہمیں خون میں بھرنا
تلواریں لگیں نخلِ شہادت کے یہ پھل ہیں
مرنے پہ وہ مرتے ہیں جو مشتاقِ اجل ہیں

۵۹
بلوہ یہ زیادہ نہیں صفین و جمل سے
تنہا ہی لڑے شیرِ خدا فوج کے دل سے
ہاں سب ہے یہ نئی بات کہ پیاسا ہوں میں کل سے
پھولا گلِ اسلام اسی تیغ کے پھل سے
سب مل کے لڑو مجھ سے رضامند ہوں میں بھی
اے قوم اُسی شیر کا فرزند ہوں میں بھی

۶۰
فرما کے یہ چمکائی جو تیغِ شہِ مرداں
رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں
کفار پکارے کہ گری برقِ درخشاں
ہاں منہ سے نکلی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
پیوست جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے
معلوم ہوا پہلوؤں سے پر نکل آئے

۶۱
اس کے لیے ایک گام تھا سو کوس کا دھاوا
اُڑتا کبھی مڑتا کبھی جست اور کبھی کاوا
تیغوں کو چباتا تھا یہ جوہر تھا علاوا
کہتے تھے ستمگر یہ پری ہے کہ چھلاوا
کس گھات سے روکیں فرسِ تیز قدم کو
سایہ بھی تو اس کا نظر آتا نہیں ہم کو

۶۲
غصے میں وہ تن تن کے دہانوں کو چباتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا
اور جوشِ شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے دہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھا تو اس صف میں ہوا تھا

۶۳
لڑتے تھے حسینؑ ابنِ علیؑ فوجِ ستم سے
ہر غول میں پھرتا تھا وہ کس کس چم و خم سے
سر گرتے تھے ضربتِ شمشیرِ دو دم سے
پامال بدن ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
رہوار نے واں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا
تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا

۶۴
بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر خوں میں ٹپکتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
واں پہنچی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اس برق کے واروں نے جلایا
شعلوں سے جو بھاگے تو شراروں نے جلایا

۶۵
غل فوج میں تھا آج تو ہے آگ برستی
کوفے کو چلی آگ جلی شام کی بستی
فریاد ہے اب خاک ہوا خرمنِ ہستی
بس اب کوئی دم میں نہ بلندی ہے نہ پستی
یہ برق غضب کم نہیں کچھ قہر خدا سے
چنگاریاں آتش کی نکلتی ہیں ہوا سے

۶۶
بجلی کی طرح لشکرِ سفاک پہ چمکی
جب ہاتھ اٹھا طارمِ افلاک پہ چمکی
بے جاں ہوا جس کے سرِ ناپاک پہ چمکی
چمکی کبھی گردوں پہ کبھی خاک پہ چمکی
ساتوں طبق ارض دہل جاتے تھے اس سے
سکانِ سماوات بھی تھراتے تھے اس سے

۶۷
وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
چمکی جو چھری چل گئی دشمن کے جگر پر
بس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغِ دو سر پر
جس پر گئی بے دو کئے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

۶۸
ہر ضرب میں چورنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینے میں بھی نہ رہے امن سے جلاد
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیلِ فنا خانۂ تن کر دیے برباد
ضرب اس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں
اتری جو زرہ کٹ کے پھنسی دامِ اجل میں

۶۹
نیزوں سے علم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں
ثابت نہ رہے تیر نہ ترکش نہ کمانیں
رہ جاتے تھے سب داب کے دانتوں میں زبانیں
جانے لگیں دوزخ کو جفاکاروں کی جانیں
ناوک جو ستمگاروں نے ترکش میں دھرے تھے
تیروں سے وہ خالی تھے مگر خوں سے بھرے تھے

۷۰
شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
سیدھی جو پڑی سر پہ تو اللہ رے صفائی
اک ہاتھ مع سر کے نہ دیتا تھا دکھائی
بس ہو گئی دشمن کے سر و تن میں جدائی
کھینچا اسے دو کر کے جو شمشیرِ دو سر کو
گھوڑے کے ادھر نصف گرا نصف ادھر کو

۷۱
نعرہ تھا لعینوں کا اہل کو بتاؤ
مرتد کو جفاکار کو جاہل کو بتاؤ
ہاں اصغرِ معصوم کے قاتل کو بتاؤ
ظالم کا نشاں سرورِ عادل کو بتاؤ
کچھ سوچ کے اس وقت اسے چھوڑ دیا تھا
اس نے تو کلیجے کو مرے توڑ دیا تھا

۷۲
تھراتے تھے سن سن کے یہ نعرے ستم آرا
پھر موج میں ڈوبا اسد اللہ کا پیارا
تھا ایک کو وحشت سے نکلنے کا نہ یارا
اس وقت یہ شمرِ ستم ایجاد پکارا
حضرت کو تو یاں قاتلِ اصغر کی طلب ہے
واں بی بیاں خیمے سے نکل آئیں غضب ہے

۷۳

مڑ کر شہِ والا نے جو دیکھا تو یہ دیکھا
سر کھولے ہوئے پیٹتی ہے دخترِ زہراؑ
اک حشر مزارِ علی اصغرؑ پہ ہے برپا
کہتی ہے سکینہؑ مرے بھیا مرے بھیا
بانوئے حزیں چاک گریبان کیے ہے
چھاتی کے تلے ننھی سی تربت کو لیے ہے

۷۴

چلاتی ہے اصغرؑ مجھے آواز سناؤ
قربان گئی ننھے سے ہاتھوں کو اٹھاؤ
تربت میں اندھیرا ہے مری گود میں آؤ
مر جائے گی ماں خاک سے منہ کو نہ چھپاؤ
تھا میں نے تو سبطِ شہِ لولاکؐ کو سونپا
شبیرؑ نے ہاں لا کے تمہیں خاک کو سونپا

۷۵

یہ حال جو دیکھا تو پکارے شہِ دلگیر
یہ سنتے ہی سب ٹوٹ پڑا لشکرِ بے پیر
قاتل ہے کہاں پھیر دے اب حلق پہ شمشیر
سینے پہ لگے تیغ و سنان و تبر و تیر
ٹکڑے ہوا ہر عضو بدن تیغوں سے کٹ کر
غش ہو گئے رہوار کی گردن سے لپٹ کر

۷۶

خاتونِ قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
گرتا ہے مرا لال محمدؐ کی دہائی
اب کیا کروں ہے ہے مری ماں کی کمائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
ہے ہے مرے سید کو بچاتا نہیں کوئی

۷۷

واں نالۂ زہراؑ سے فلک تھا تہ و بالا
ہلنے لگا جو عرش فرشتوں نے سنبھالا
یاں پہلوئے سرور پہ لگا ظلم کا بھالا
چلاتی تھی وہ ہائے مری گود کا پالا
حیدرؑ کے تو شانے گئے افلاک کے اوپر
اور تاجِ سرِ عرش گرا خاک کے اوپر

۷۸

سلطاں جو لہو میں نظر آیا اسے اسوار
دو تین گھڑی تک تو رہے غش شہِ ابرار
سر خاک پہ جھک جھک کے پٹکنے لگا رہوار
آنکھیں جو کھلیں حلق پہ تھا خنجرِ خونخوار
پہلو میں سرِ فاطمہؑ عریاں نظر آیا
جلاد کے پنجے میں گریباں نظر آیا

۷۹

خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کئی باری
خاموش انیس اب کہ غم و درد ہے طاری
پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری
اس نظم کا بخشے گا صلہ ایزدِ باری
محشر میں علی ساغرِ کوثر تجھے دیں گے
گھر خلد میں رہنے کو پیمبرؐ تجھے دیں گے

رباعی

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
ہر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

رباعی

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدرؑ
ذاکر بھی ہیں مصروف بیانِ حیدرؑ
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا
رونے کو ہیں جمع شیعانِ حیدرؑ

رباعی

رونے میں نہ فریاد و بکا کرتے ہیں
کیا صبر امام دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بڑے بین
اس بیٹے کو امت پہ فدا کرتے ہیں

رباعی

بانو کہتی تھی ہائے اکبرؑ نہ رہے
غم رہ گیا ہم شکلِ پیمبرؐ نہ رہے
ہوکر چھ مہینے کے گئے دنیا سے
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

رباعی

دن ان یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہراؑ
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہراؑ
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ لوگو
کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہراؑ

رباعی

جب ذبح حسینِؑ ذوی الاکرام ہوا
ماتم کا حرم سرا میں کہرام ہوا
آتی تھی یہ شہ کے تنِ بے سر سے صدا
اب بخششِ امت کا سرانجام ہوا

چہار مصرع

مومنو یہ مقامِ زاری ہے
رو و اب وقتِ اشک باری ہے
فاطمہ آپ کی ہیں مجلس میں
اب کہو کس کی انتظاری ہے

مرثیہ ۱

ای مومنو مصروف رہو یادِ خدا میں
اوقات کرو صرف عزائے شہدا میں
جینے کا بھروسہ نہیں اس دارِ فنا میں
سرگرم رہو نالہ و فریاد و بکا میں
غافل نہ ہو ٹل جائے جو وقفہ کوئی دم کا
نزدیک ہے دنیا سے سفر ملکِ عدم کا

۲

اس منزلِ فانی میں دل اپنا نہ لگاؤ
یہ عاریتی جا ہے یہاں گھر نہ بناؤ
الفت نہ کرو اس سے جسے چھوڑ کے جاؤ
پابندیِ دنیا سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
چلتے ہوئے ہرگز کوئی کام آ نہ سکے گا
ہمراہ کچھ اسباب جہاں جا نہ سکے گا

۳

یاں رختِ اقامت کا سر انجام ہے بے جا
عقبیٰ کے سوا یاں کا ہر اک کام ہے بے جا
اس منزلِ پُرخوف میں آرام ہے بے جا
مانندِ نگیں آرزوئے نام ہے بے جا
سینے میں یہ دم مثلِ چراغِ سحری ہے
کر لو عمل خیر یہی ناموری ہے

۴

امید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لبِ بام
آپہونچے خدا جانیے کب موت کا پیغام
اپنی نہ کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہوتا ہے تمھیں خاک یہ سب خاک سمجھنا

۵

دنیا میں سدا ایک سا رہتا نہیں احوال
اندوختہ کرتے ہیں جسے لگتا ہے مہ و سال
ادبار ہے انساں کا کبھی اور کبھی اقبال
آجاتا ہے وہ غیر کے قبضے میں زر و مال
خالی رہیں گے بعد فنا ہاتھ تمھارے
کچھ جمع ہو ایسی کہ چلے ساتھ تمھارے

۶

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند
وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند
عرصہ نہیں کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند
ہوشیار کہ ہونا ہے تمھیں خاک کا پیوند
پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے
آرام گہِ شاہ و گدا کنجِ لحد ہے

۷

ہیں زیرِ زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج
جو شاہ کہ شاہوں سے سدا لیتے رہے باج
جو صاحبِ نوبت تھے نشاں ان کے نہیں آج
وہ بعدِ فنا آپ کفن کے رہے محتاج
درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی
بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی

۸

کیا سخت گھڑی ہوگی اجل آئے گی جس دم
کیا دیکھیں گے ایک ایک کو حسرت سے بصد غم
کھنچ کھنچ کے ہر اک رگ سے نکلنے لگے گا دم
اتنی بھی زباں ہل نہ سکے گی کہ چلے ہم
سب کے لیے اک روز یہ تکلیف دھری ہے
اس پر بھی یہ غفلت ہے عجب بے خبری ہے

۹

بھائی نہیں اپنے ہیں نہیں ہے پسر اپنا
نے مال نہ اسباب نہ زیور نہ زر اپنا
بیگانے ہیں سب ہووے گا جس دم سفر اپنا
دو گز ہے کفن قبر کا گوشہ ہے گھر اپنا
کچھ ساتھ بجز بے کسی و یاس نہ ہوگا
رہ جائیں گے سب دور کوئی پاس نہ ہوگا

۱۰

اس زیست پہ پھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد
دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد
گھر سیکڑوں یاں چیل خانے کیے برباد
اس قالبِ خاکی کی عجب سست ہے بنیاد
کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیرِ زمیں ہیں
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہیں نہ مکیں ہیں

۱۱

کس کس گلِ رنگیں کی نہ اس باغ میں تھی دھوم
دکھلا رہی ہے رنگ عجب ہستیِ موہوم
اک آن میں شبنم کی طرح ہو گئے معدوم
کیا قصد ہے گل چینِ اجل کا نہیں معلوم
اس باغ میں جس سرو کو دیکھا تو رواں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

۱۲

دنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جا ہے
جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے
یاں کیا مقام آخر سفر کوچ لگا ہے
رہ جائے نہ کوئی بھی آوازِ درا ہے
ہے راہ کڑی زادِ سفر پاس نہیں ہے
منزل پہ پہنچنے کی ہمیں آس نہیں ہے

۱۳

دستور ہے توشہ سفری لیتا ہے ہمراہ
جانا تو مصمم ہے پہ دھڑکا ہے یہ واللہ
عصیاں کے سوا پاس ہمارے نہیں کچھ آہ
نے راہ سے آگاہ نہ منزل سے ہے آگاہ
ہاں ایک اس امید پہ دل اپنا قوی ہے
رہبر جو ہمارا ہے حسینؑ ابن علیؑ ہے

۱۴

حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے
ہے فاطمہؑ ماں نانا نبیؐ باپ علیؑ ہے
کیا خالقِ اکبر نے شرافت اسے دی ہے
بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبریلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس چیز کی ہٹ کی ہے وہ بھیجی ہے خدا نے

۱۵

درگاہِ الٰہی میں تھی یہ عزت و توقیر
جبریلؑ سے فرماتا تھا یہ مالکِ تقدیر
اٹھتی تھی جو طاعت کے لیے مادرِ دلگیر
جھولے کو جھلا تو کہ نہ بے چین ہو شبیرؑ
زہراؑ کے پسر سے کوئی پیارا نہیں ہم کو
ایذا اسے ہو یہ گوارا نہیں ہم کو

۱۶

نادار ہے محتاج ہے خاتونِ قیامت
تو کہیو کہ خادم کو عنایت ہے یہ خدمت
اور کرتی ہے وہ آسیہ گردانی کی محنت
تم دودھ پلا دو کہ ہو شبیرؑ کو راحت
خدمت تجھے جھولے کے جھلانے کی جو دی ہے
شبیرؑ نہ روئے یہی خالق کی خوشی ہے

۱۷

کیا رتبہ ہے جبریلؑ نے جھولے میں جھلایا
جو ناز کیا شیرِ خدا نے وہ اٹھایا
اور فاطمہؑ نے سینۂ اقدس پہ سلایا
اللہ کے محبوب نے کاندھے پہ چڑھایا
یہ لطف و کرم تھا یہ عنایت تھی خدا کی
مقبول وہیں ہو گئی جس وقت دعا کی

۱۸

اک سال ہوئی شہرِ مدینہ میں گرانی
خلقت نے مناجات بھی کی نذر بھی مانی
دانا ہوا نایاب کہ برسا تھا نہ پانی
جز اشک زمیں پر نہ ہوئی قطرہ فشانی
غلہ کے لیے خلق ترستی تھی زمیں پر
پانی کے عوض آگ برستی تھی زمیں پر

۱۹

تھا قحط سے ہر سمت مدینہ میں تلاطم
پژمردہ زراعت تھی سراسیمہ تھے مردم
آدم کو نہ آتی تھی نظر صورتِ گندم
شادابیِ گلزارِ جہاں ہو گئی تھی گم
ہر غنچے کا منہ زرد تھا اور خشک زباں تھی
ایامِ بہاری پہ نہالوں میں خزاں تھی

۲۰

سب مل کے گئے پاس محمدؐ کے بصد غم
ہیں آپ تہیدستیِ امت سے تو محرم
کی عرض کہ اے کعبۂ دیں قبلۂ عالم
پانی جو نہ برسے گا تو بچنے کے نہیں ہم
آپ آیۂ رحمت ہیں عطا کیجئے مولا
مینھ برسے خدا سے یہ دعا کیجئے مولا

۲۱

حضرت نے انھیں مضطرب الحال جو پایا
شبیرؑ کا منہ چوم کے اس طرح سنایا
دل آپ کا امت کی غریبی پہ بھر آیا
اللہ نے ہے عقدہ کشا تم کو بنایا
حق سے طلبِ بارشِ باراں کرو پیارے
مشکل مری امت پہ ہے آساں کرو پیارے

۲۲

زانوئے پیمبرؐ سے اٹھے سبطِ پیمبرؐ
خالق سے کہا چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر
قبلہ کی طرف منہ کیا اور کھول دیا سر
بندوں پہ بس اب رحم کر اے خالقِ اکبر
راحت کی گرانی ہوئی ارزانی ہے غم کی
مشتاق ہے خلقت تری بارانِ کرم کی

۲۳

جس دم یہ محمدؐ کے نواسے نے دعا کی
برسانے لگی پانی کو تحریک ہوا کی
گردوں پہ گھٹا چھا گئی قدرت سے خدا کی
یہ رعد نے بجلی کے چمکتے ہی صدا کی
عالم کی طرف رحمتِ حق کی جو نظر ہے
فرزندِ محمدؐ کی دعا کا یہ اثر ہے

۲۴

مینھ برسا جو صدقے سے حسین ابنِ علیؑ کے
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا مارے خوشی کے
سب دوڑ کے قدموں پہ گرے سبطِ نبیؐ کے
سینے سے لگے جا کے رسولِ عربیؐ کے
گردن کو سوئے قبلہ جھکانے کے میں صدقے
ان چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھانے کے میں صدقے

۲۵

شبیرؑ گلے لگنے کو ہنستے ہوئے آئے
آنسو بھی مگر متصل آنکھوں سے بہائے
منہ چوم کے ہاتھ آنکھوں سے حضرت نے لگائے
اصحاب نے پوچھا تو سخن لب پہ یہ لائے
بخشا ہے خدا نے یہ اثر اس کی زباں میں
اک روز یہی پانی کو ترسے گا جہاں میں

۲۶

جن ہاتھوں سے تم سب کے لیے کی ہے مناجات
پانی نہیں ملنے کا اسی پیاسے کو ہیہات
تلواروں سے کٹ جائیں گے اک روز یہی ہات
برسائیں گے مینھ تیروں کا اس پیاسے پہ بدذات
بجلی سی ہر اک تیغِ ستم آئے گی اس پر
میداں میں گھٹا شام کی چھا جائے گی اس پر

۲۷

اے مومنو آقا کی سنی تم نے فضیلت
تھی ان پہ ہر اک رمز میں خالق کی عنایت
بچپن سے گنہگاروں کے ہیں آیۂ رحمت
جب مانگی دعا ہو گیا وا بابِ اجابت
یہ عزت و توقیر ہے اس عقدہ کشا کی
خالق نے اسے جد کی پوشاک عطا کی

۲۸
تھا حیدر و زہرا و نبی کا جو پیارا　رنج اس کا خدا کو بھی نہ ہوتا تھا گوارا
بھائی کو ملا بچۂ آہو جو قضا را　پوچھا یہ حسن سے نہ رہا ضبط کا یارا
بھائی کہو یہ بچہ تمھیں کس نے دیا ہے　لایا ہے کوئی نذر کو یا مول لیا ہے

۲۹
بولے یہ حسن ہم تمھیں از بس کہ ہیں پیارے　بچہ یہ دیا ہے ہمیں نانا نے ہمارے
شپیر یہ سن جانب مسجد جو سدھارے　الفت سے نبی ہاتھ اٹھا کر یہ پکارے
آ چھاتی سے لگ جا گل بستان محمدؐ　اس چاند سی صورت پہ فدا جان محمدؐ

۳۰
پاس اپنے بلاتے رہے شاہنشہ خوش خو　شپیر رہے دور بھرے آنکھوں میں آنسو
کہتے تھے نبی صدقے ترے اے مرے گلرو　کس نے تجھے آزردہ کیا مجھ سے تو کہہ تو
بابا نے کیا شور کہ یا ماں نے کیا ہے　کیوں آن کے چھاتی سے لپٹتے نہیں کیا ہے

۳۱
تو پاس اب آؤ تمھیں چھاتی سے لگا دیں　ہم اونٹ بنیں اور تمھیں کاندھے پہ چڑھا دیں
غش غش کریں اور صحن میں مسجد کے پھرا دیں　لیجاؤ جدھر تم ہمیں ہم دوڑتے جائیں
دنیا میں محمدؐ سا ہے رہوار تمھارا　جبریلؑ سا خادم ہے جلودار تمھارا

۳۲
کیوں تیوری چڑھائی ہے میں اس غصے کے قرباں　دل سینے میں بے تاب ہے نانا کا مری جاں
آزردہ ہو وہ پیار کی چتون نہیں اس آن　کس چیز کو دل چاہتا کس شے کے ہو خواہاں
جو مانگو گے نانا وہ منگا دیوے گا تم کو　میں دے نہ سکوں گا تو خدا دیوے گا تم کو

۳۳
نانا سے یہ کہنے لگا زہرا کا وہ دلدار　تھا مجھکو یقیں سب سے زیادہ ہے مرا پیار
پھیلایئے ہاتھوں کو نہ اے سید ابرار　میں آپ کے سینے سے نہیں لپٹوں گا زنہار
بچہ دیا آہو کا جنھیں پیار انھیں کیجے　منہ چوم کے کاندھے پہ بھی اسوار انھیں کیجے

۳۴
نزدیک تھا یہ کہہ کے کرے چشم کو پرنم　گھبرا کے یہ فرمانے لگے سید عالم
لو آؤ مری جان کہا مان لو اس دم　بچہ تمھیں ہرنی کا منگا دیں گے ابھی ہم
یہ سن کے بھی نانا کے نہ پاس آتے تھے شپیر　بڑھتے تھے نبی پیچھے ہٹے جاتے تھے شپیر

۳۵
اصحاب سے فرمایا کہ کام اس گھڑی آؤ　شپیر مرا روتا ہے سب مل کے مناؤ
مشکل میں محمدؐ ہے تجسس کرو جاؤ　بچہ کوئی ہرنی کا جو ہاتھ آئے تو لاؤ
یہ رو دے گا مطلوب جو اس کا نہ ملے گا　ہنستا ہے ابھی دل مرا پھر عرش ہلے گا

۳۶
اصحاب سے فرماتے تھے یہ احمد مرسل　جو حضرت جبریلؑ ہوئے عرش سے نازل
کی عرض محمدؐ سے کہ آساں ہوئی مشکل　منظور خدا ہے کہ نہ شپیر ہو بے دل
دو خوش خبری شیر الٰہی کے پسر کو　بچہ لیے ہرنی چلی آتی ہے ادھر کو

۳۷

سن کر یہ خبر شاد ہوئے احمدِ مختار
شبیرؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
بچے کو لیے ہرنی بھی حاضر ہوئی اک بار
بھجوا دیا اللہ نے جس کے تھے طلبگار
جو مانگتے ہو ہاتھ وہ آتا ہے تمہارے
اے لال خدا ناز اٹھاتا ہے تمہارے

۳۸

ہرنی نے ملیں آنکھیں محمدؐ کے قدم پر
فرمایا نبیؐ نے ترا آنا ہوا کیونکر
اور بچے نے شبیرؑ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض یہ ہرنی نے کہ اے عاشقِ داور
کیا مصر و حلب کیا ختن و سرحدِ چین کا
احوال نہیں آپ سے پوشیدہ کہیں کا

۳۹

اللہ نے دو بچے کیے تھے مجھے امداد
اک بچے تو پہلے ہی پکڑ لایا تھا صیاد
قیدِ غم اولاد سے تھی خلق میں آزاد
دودھ اس کو پلاتی تھی کہ حق کا ہوا ارشاد
شبیرؑ کے کچھ دل پہ الم ہونے نہ پائے
جلدی اسے پہونچا دے کہ وہ رونے نہ پائے

۴۰

پیارا ہے ہمیں وہ اسد اللہ کا پیارا
خاتونِ قیامت کی وہ آنکھوں کا ہے تارا
فرزند ہے اس پر مرے محبوب نے وارا
معشوق ہم اس کے ہیں وہ عاشق ہے ہمارا
وہ رویا تو سب جن و ملک رونے لگیں گے
لرزے گی زمیں ساتوں فلک نے لگیں گے

۴۱

یہ سن کے روانہ ہوئی میں واں سے بہ سرعت
ممکن ہے کہ جو واں کو نہ انساں سے ہو وحشت
طے ہو گئی اک دم میں کئی دن کی مسافت
گویا مجھے یاں تک کوئی پہونچا گیا حضرت
اس طرح سے طے راہ کو ہوتے نہیں دیکھا
پر شکر کہ شبیرؑ کو روتے نہیں دیکھا

۴۲

یہ سن کے پڑھا شکر کا حضرتؐ نے دوگانا
شبیرؑ سے احمدؐ نے کہا صدقے ہو نانا
ہرنی ہوئی واں چھوڑ کے بچے کو روانا
اللہ یہ تھا شاق ترا اشک بہانا
کس مرتبہ تم پر کرمِ ذاتِ خدا ہے
لو ہرنی کا بچہ یہ عنایاتِ خدا ہے

۴۳

تھے نرگسی آنکھوں میں بھرے جب سے تو آنسو
افراطِ بشاشت سے ہوا سرخ وہ گل رو
ہنسنے لگے آیا جو نظر بچۂ آہو
فرمانے لگے اس سے یہ پیغمبرِ خوش خو
ہم نے دیا بچہ تمہیں تم کیا ہمیں دو گے
لو اب بھی لگو گے کہ نہ چھاتی سے لگو گے

۴۴

فرمایا نبیؐ نے جو نواسے سے یہ ہنس کر
پھر جوشِ محبت سے پھرے گردِ پیمبرؐ
شرما گیا زہراؑ کا پسر سر کو جھکا کر
اور دستِ ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض کہ نادم ہوں یہ کیوں بے ادبی کی
اب بخشئے تقصیر حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۴۵

کیا پیار سے حضرتؐ نے بچے پاس بلایا
روتا میں رہا چھاتی سے لگنے کو نہ آیا
اور دستِ مبارک کو کئی بار بڑھایا
کیوں آپ نے بچپن سے مرا ناز اٹھایا
سن پائیں تو بابا کہیں افسردہ ہوں مجھ سے
ڈرتا ہوں نہ نانا کہیں آزردہ ہوں مجھ سے

۴۶

فرمایا محمدؐ نے یہ چھاتی سے لگا کر
اللہ کے بھی پیارے ہو اور جانِ پیمبر
تم جرم و خطا سے ہو بری اے مرے دلبر
ماں باپ بھی قرباں فدا میں بھی ہوں تم پر
روٹھوں گا میں تم سے یہ عبث فکر ہے بیٹا
معصوم سے تقصیر کا کیا ذکر ہے بیٹا

۴۷

یہ سن کے ہوا شاد جو وہ دلبرِ زہرا
شبر نے جو دیکھا تو پیمبر سے یہ پوچھا
بخرا گیا اور سے کے چھلے ہرنی کا بچہ
ناناجی نے تم کو یہ دیا ہووے گا بھیجا
بولے کہ یہ کس منہ سے صفت ربِ علا کی
نانا کی وہ بخشش یہ عنایت ہے خدا کی

۴۸

یہ پیٹنے اور رونے کی جا گہ ہے محبو
کیا کیا دیئے آزار ستمگاروں نے ان کو
بچپن میں خدا نے جسے رونے نہ دیا ہو
رویا غمِ اولاد میں وہ سیدِ خوش خو
بچہ جسے ہرنی کا ملا آ کے نبی کے
میداں میں چھری چل گئی بچوں پہ اسی کے

۴۹

منظور یہ تھی خاطرِ شبیر خدا کو
ہم چاہتے ہیں ابنِ بتولِ عذرا کو
حکم آتا تھا ہر روز رسولِ دوسرا کو
آزردہ کرے کوئی نہ اس ماہ لقا کو
ہم اس پہ سدا لطف و عنایات کریں گے
دن کو جو کہے گا تو ہم رات کریں گے

۵۰

بچپن ہی سے تھا عاشقِ حق فاطمہؑ کا لال
ہر چیز پہ ہٹ کرتے ہیں ہے عادتِ اطفال
تھا ماہِ صیام اور بہت کم تھا سن و سال
مادر سے یہ کہنے لگا وہ صاحبِ اقبال
کل ذائقۂ تشنہ لبی چکھیں گے ہم بھی
کل روزۂ ماہِ رمضاں رکھیں گے ہم بھی

۵۱

ماں سمجھی کہ روزے سے ہے اطفال کو کیا کام
اک نانِ جویں کھا کے کیا رات کو آرام
خاطر سے کہا بیٹے کی اچھا مرے گلفام
بیدار ہوئے جبکہ ہوا صبح کا ہنگام
خالق سے جو عاشق تھے وضو جلدی سے کر کے
طاعت کو کھڑے ہو گئے ہمراہ پدر کے

۵۲

ادا کی طرح کر چکے جس وقت عبادت
کچھ دن جو چڑھا بولی یہ خاتونِ قیامت
کی حق سے دعا ہاتھ اٹھا کر پئے امت
ماں صدقے گئی بھوک لگی ہوگی بہ شدت
عادت کو نہ اے لال فراموش کرو تم
تیار ہے کھانا مری جاں نوش کرو تم

۵۳

کی عرض کہ اماں تمھیں کیا یاد نہیں واہ
ہے آج تو روزے کا گزر آپ ہیں آگاہ
روزے سے ہیں ہم کھانا نہیں کھائیں گے واللہ
نیت میں ہے افطار کریں نانا کے ہمراہ
اب آپ بھلا کھانے کی تدبیر میں کیا ہیں
اے والدہ ہم آج تو مہمانِ خدا ہیں

۵۴

یہ سن کے لگی دیکھنے منہ بیٹے کا زہراؑ
اس گرمی میں تم سے نہ رکھا جائے گا روزہ
فرمایا کہ قرباں گئی کہتے ہو تم کیا
اٹھ کر سحری بھی تو نہیں کھائی ہے بیٹا
لب خشک جو دیکھوں گی جگر میرا پھٹے گا
دن گرمی کا صدقے گئی کس طرح کٹے گا

۵۵

تھا صاحبِ ہمت اسداللہ کا جایا
رکھتا جو کبھی پیاس کا صدمہ نہ اٹھایا
نے پانی پیا اور نہ کچھ کھانے کو کھایا
لب سوکھ گئے فرطِ حرارت پہ جو آیا
طاقت ہوئی کم ضعف میں قوت ہوئی پیدا
اور نرگسی آنکھوں پہ نقاہت ہوئی پیدا

۵۶

پہونچا دلِ نازک پہ جو بس پیاس کا صدمہ
ایک ایک سے کہتی تھیں یہی فاطمۂ زہراؑ
کملایا حرارت کے سبب پھول سا چہرہ
ہے ہے مرا شبیرؑ نہیں کھولتا روزہ
اب غش اسے آجائے گا حیدرؑ کو بلاؤ
مسجد سے کوئی جلد پیمبرؐ کو بلاؤ

۵۷

بچہ مرا بے حال ہے میں کیا کروں لوگو
لب خشک ہے منہ لال ہے میں کیا کروں لوگو
کم سن یہ مرا لال ہے میں کیا کروں لوگو
ہر دم مجھے اک سال ہے میں کیا کروں لوگو
گرمی سے کنول اس کا کملا جاتا ہے لوگو
ڈھلتا نہیں دن اور یہ ڈھلا جاتا ہے لوگو

۵۸

سن کر یہ خبر آئے علیؑ اور پیمبرؐ
لو پانی پیو کھانے کو کھاؤ مرے دلبر
کہنے لگے شبیرؑ کو چھاتی سے لگا کر
تم بچے ہو روزہ ابھی واجب نہیں تم پر
ماں باپ کو کاہے کو رلاتے ہو ابھی سے
کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاتے ہو ابھی سے

۵۹

شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیدِ اکرم
ہم کر چکے ہیں نیتِ قربت نہ کرو غم
روزہ تو کسی طرح نہیں توڑیں گے اب ہم
طاقت ہمیں دیوے گا خداوندِ دو عالم
ضائع یہ ریاضت نہیں کی جاتی ہے نانا
اللہ سے اپنے ہمیں شرم آتی ہے نانا

۶۰

جو امرِ للہ ہو اسے چھوڑیے کیوں کر
پس پا نہ ہوں اس راہ سے کٹ جائے اگر سر
جو منہ سے کہا اس کا نہ کرنا نہیں بہتر
گردن نہ ہلاؤں جو چلے حلق پہ خنجر
تکلیف کا زخموں کی تردد ہمیں کیا ہو
ہم پیاسے ہی مر جائیں اگر حکمِ خدا ہو

۶۱

زہراؑ نے کہا اے مرے صابر ترے قرباں
بیتاب ہے صدقے گئی ماں پر کرو احساں
جو کہتے ہیں نانا کا کہا مان لو اس آں
روزے کا ثواب اپنے میں دیتی ہوں مری جاں
تم کھانا نہ کھاؤ گے تو غم کھائے گی زہراؑ
تم کو جو غش آئے گا تو مر جائے گی زہراؑ

۶۲

سمجھاتے تھے سب اور نہ تھے مانتے شبیرؑ
کہتے تھے پیمبرؐ کوئی بنتی نہیں تدبیر
لب خشک تھے اور پیاس سے احوال تھا تغیر
تو رحم کر اس بچے پہ اے مالکِ تقدیر
بیتاب ہوں مشکل مرے شبیرؑ کی حل ہو
نہ اس کو کچھ ایذا ہو نہ روزے میں خلل ہو

۶۳

یا رب تو ہے عالم کہ یہ ننھا ہے بے کس و مظلوم
گرمی میں رہے گا کئی دن پانی سے محروم
صحرا میں اسی پیاس سے کٹ جائے گا حلقوم
عاشق ہے ترا روز تو لدے یہ معصوم
منظور اسے شوق اسی روزہ کی اب ہے
بچپن میں یہی روزے کے رکھنے کا سبب ہے

۶۴

اس دم یہ ہوا قدسیوں کو حکم خدا کا
سن گرچہ ہے کم فاطمہؑ کے ماہ لقا کا
روزے سے نواسا ہے رسولؐ دوسرا کا
پابند ہے پر سلسلۂ جبر و رضا کا
کی اُس نے وہ ہمت کہ ثنا کرتے ہیں ہم بھی
آج اس کا عوض دیکھو تو کیا کرتے ہیں ہم بھی

۶۵

ناگاہ ہوا نیّرِ اعظم کو یہ احکام
مرجھا گیا ہے پیاس سے زہرا کا گلِ اندام
مغرب کو روانہ ہو نہیں دیر کا ہنگام
یہ سنتے ہی خورشید چھپا دن کی ہوئی شام
حیدرؑ تھے خوشی شاد ادھر بنتِ نبیؐ تھی
گویا کہ شبِ قدر کی اس روز خوشی تھی

۶۶

احمدؐ نے سوئے قبلہ کیا شکر کا سجدہ
شبیرؑ نے کی عرض کہ اے سیّدِ والا
فرمایا نواسے سے کہ اب کھولیے روزہ
دستور ہے روزہ جو کوئی رکھتا ہے لڑکا
کچھ کچھ آے اماں باپ بھی بھائی بھی ہیں دیتے
حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی ہمیں دیتے

۶۷

فرمایا پیمبرؐ نے کہ اے جانِ پیمبرؐ
ہے برف سے آب اس کا سفید اور معطر
اللہ نے بخشا ہے مجھے چشمۂ کوثر
شیرینی میں وہ ہے شکر و قند سے بہتر
مالک کیا تھا اس کا مجھے ربِّ غنی نے
وہ آج دیا تم کو رسولِ مدنیؐ نے

۶۸

منہ چوم کے حیدرؑ سے کہا اے مرے پیارے
ہیں دافعِ امراض پھل اس باغ کے سارے
ہے باغ لگایا ہوا دادا کا تمھارے
سو میں نے دیا وہ تجھے لے عرش کے تارے
تو سبزۂ ریاضِ نبوی کا گلِ تر ہے
یہ پہلے پھل روزے کے رکھنے کا ثمر ہے

۶۹

خاتونِ دو عالم نے یہ فرمایا کہ بیٹا
ہے آب و نمک گھر میں مرے بھی جاں کا
محتاج ہوں نادار ہوں ہے تم پہ ہویدا
وہ روزہ کشائی میں تمھیں دیتی زہراؑ
حیدرؑ نے کہا آب و نمک سب کو یہ دیگا
پر طرفہ مزا ہے کہ اسی کو نہ ملے گا

۷۰

جبرئیلؑ نے احمدؐ سے کہا اے شہِ والا
سو وہ کئی سو قرن کے ہے بعد نکلتا
اللہ نے ہے خلق کیا ایک ستارا
میں نے کئی سو بار اس اختر کو ہے دیکھا
اس عرصہ میں جو طاعتِ حق مجھ سے ہوئی ہے
وہ آج کے دن نذرِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۷۱

اُس وقت صدا عالمِ بالا سے یہ آئی
سب دے چکے اب دیتے ہیں ہم روزہ کشائی
اب دیکھ کرم کی تو مرے جلوہ نمائی
وہ روزہ کشائی یہ ہے اے میرے فدائی
جس روز عیاں حشر کے آثار کریں گے
بخشش کا امم کی تجھے مختار کریں گے

۷۲

چاہے گا جسے تو اُسے بھیجیں گے سوئے نار
دوزخ کا بھی مختار ہے جنت کا بھی مختار
چاہے گا جسے دے گا اسے خلد کا گلزار
ہر امر میں خوشنودی تری ہم کو ہے درکار
دشمن ہیں ترے گو کہ بہت اور ہیں کم دوست
پر دوست ہیں ایسے کہ جنھیں رکھتے ہیں ہم دوست

۷۳

سرور نے یہ سن کر سرِ تسلیم جھکایا
اور کہہ کے یہ ہاتھوں کو سوئے قبلہ اٹھایا
بندہ نے جو کچھ رہ رزہ گستائی میں ہے پایا
اجر اس کا محبوں کو دیا بارِ خدایا
اشک آنکھوں سے اُن کی مرے ماتم میں بہیں گے
وہ حشر تلک میرے عزادار رہیں گے

۷۴

سوچو ذرا حضرات یہ اب غور کی جا ہے
آقا کا تمھارے شرف و مرتبہ کیا ہے
وہ ماہ کہ جس کے لیے خورشید چھپا ہے
پانی کو ترستا ہوا دنیا سے گیا ہے
تھے پیاس سے سوکھے ہوئے لب خشک گلا تھا
تھا تیسرا فاقہ جو وہ مرنے کو چلا تھا

۷۵

اس روز محمدؐ تھے نہ حیدرؑ تھے نہ زہراؑ
سب مر چکے تھے آپ فقط تھے تنِ تنہا
خیمے سے جو نکلے تھے تو تھا کوئی نہ اتنا
جو آپ کے گھوڑے کی رکاب آ کے پکڑتا
تنہائی پہ بھائی کے یہ گھبرائی تھی زینبؑ
خود تھامنے گھوڑے کی رکاب آئی تھی زینبؑ

۷۶

کہتی تھی یہ آنکھیں قدمِ شاہ پہ مل کر
اب تم سے بچھڑتی ہے بہن ہائے برادر
فرماتے تھے شہ شرم سے میں شرمندہ ہوں خواہر
میرے لیے خیمے سے نکل آئیں کھلے سر
بس بنتِ رسولؐ دوجہاں بھی یہی کرتی
جو تم نے کیا بھائی سے ماں بھی یہی کرتی

۷۷

زینبؑ نے کہا مجھ سے نہ کچھ ہو سکا بھائی
شرمندہ ہوں یہ کچھ آپ کے میں کام نہ آئی
بیٹوں کو فدا کر کے بھی تسکین نہیں پائی
میری کہاں دولت کہاں زہراؑ کی کمائی
غم کھاتی ہے اور خونِ جگر پیتی ہے زینبؑ
تم جاتے ہو مرنے کے لیے جیتی ہے زینبؑ

۷۸

ہوتے جو محمدؐ تمھیں آفت سے بچاتے
آنچ آتی جو کچھ تم پہ گلا اپنا کٹاتے
دم ان کا نکل جاتا جو تم مرنے کو جاتے
تلواریں علیؑ کھاتے حسنؑ برچھیاں کھاتے
بے حکم جلو میں بھی بہن جا نہیں سکتی
زندہ ہے تو کس کام کی اکام آ نہیں سکتی

۷۹

دیتے جو اجازت کہ بہن بھی چلے ہمراہ
تنہائی ہے ایسی کہ کوئی ساتھ نہیں آہ
اوجھل ہوئے گر آنکھوں سے تم اے شہ ذی جاہ
سر پیٹ کے مر جائے گی بنتِ اسد اللہ
کرتے تم ارادہ جو مجھے چھوڑ کے رن کا
دنیا میں سوا آپ کے ہے کون بہن کا

۸۰

حضرت نے کہا کیا کروں گر مرنے نہ جاؤں
گم ہو گئے جو ساتھ تھے کیونکر انھیں پاؤں
باز آیا میں جینے سے نہ کیوں ہاتھ اٹھاؤں
غم کھانے سے بہتر ہے جو میں برچھیاں کھاؤں
بے کس ہوا اخوت بخدا کم ہوئی میری
عباسؑ کے مرنے سے کمر خم ہوئی میری

۸۱

ہم جیتے ہیں اکبرؑ ہوئے جنت کے مسافر
آخر ہوئے وہ کیا کہ ہمیں ہو گئے آخر
باطن میں تو مردہ ہیں جیے گو کہ بظاہر
تنہا ہمیں جانے دو خدا حافظ و ناصر
انساں کی بجز مرگ رہائی نہیں ہوتی
کیا بھائی سے بہنوں کی جدائی نہیں ہوتی

۸۲
جو زندہ ہے اک دن ہے جہاں سے اُسے جانا
دیکھو تو اماں ہیں نہ بابا ہیں نہ نانا
پہلے کوئی اور کوئی ہوا بعد روانا
واں جاتے ہیں جس ملک سے پھر کر نہیں آنا
دیکھا نہیں کیا جبر قبولِ عذر آ کو
بس ہم کو بھلادو کرو اب یاد خدا کو

۸۳
سر پیٹ کے تب کہنے لگی دختر زہرا
کچھ مجھ کو وصیت تو کرو صدقے ہو بھینا
پردیس میں تم چھوڑ کے مجھے جاؤ نہ بھیا
بعد آپ کے جیتی رہے زینبؑ تو کرے کیا
تربت پہ رہوں آپ کی جاروب کشی کو
یا جاؤں وطن لے کے میں ناموسِ نبیؐ کو

۸۴
سب مرچکے قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ
پینے کو تو پانی نہیں دیتے ہیں ستمگر
عابدؑ ہے سو بیمار ہے وہ بے کس و مضطر
کس طرح تمہیں غسل بھلا ہوگا میسر
ہے کون جو فکرِ کفن و گور کرے گا
مظلوم ہو تربت میں تمہیں کون دھرے گا

۸۵
ہو حکم تو میں لاش پہ سر پیٹتی جاؤں
تیار کروں قبر کو تابوت بناؤں
زہراؑ کی ردا آپ کے لاشے پہ اڑھاؤں
پانی کی گدائی کے لیے نہر پہ جاؤں
اعدا سے کہوں سہہ چکے دکھ تشنہ لبی کے
اب غسل تو دینے دو نواسے کو نبیؐ کے

۸۶
شہ نے کہا اس بات کا غم کھاؤ نہ زینبؑ
مرجانے سے ہے کام کفن سے نہیں مطلب
پانی نہ ملا جس کو اسے غسل ملے کب
تقدیر میں لکھا ہے کہ سر تن سے کٹے جب
ہوئے یہ ستم دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
چالیسویں تک لاش رہے جلتی زمیں پر

۸۷
اور اس کے سوا اک یہ ستم ہوئے گا مجھ پر
خیمے کو جلا دیں گے لٹیں گے زر و زیور
گھوڑوں سے مری لاش کو روندیں گے ستمگر
تم قید میں جاؤگی سوئے شام کھلے سر
آغوشِ لحد میں ہمیں سونا نہ ملے گا
لاشے پہ ہمارے تمہیں رونا نہ ملے گا

۸۸
اور تم سے بہن اب یہ وصیت ہے ہماری
ہر دم کلمہ شکر کا لب پر رہے جاری
کیجیو نہ بہت بعد مرے گریہ و زاری
خوش ہوتا ہے صابر سے بہت ایزدِ باری
تم واقفِ سررشتۂ تسلیم و رضا ہو
منہ ڈھانپیو بالوں سے جو سر پہ نہ ردا ہو

۸۹
رسی سے بندھیں بازو تو کچھ کیجیو نہ شکوہ
معلوم ہے اماں پہ جو کچھ حادثہ گزرا
حال اس کا بہن تم پہ قیامت میں کھلے گا
بابا کا گلا رسی سے بندھتے ہوئے دیکھا
تقسیمِ صعوبات میں حصہ ہے تمہارا
بیٹی ہو یداللہ کی یہ ورثہ ہے تمہارا

۹۰
کیا کیا کہوں دل میرا بھرا آتا ہے اس آن
پر جانتی ہو تم کہ سکینہؑ ہے مری جان
ہر چند کہ ہر بندے کا خالق ہے نگہبان
کمسن ہے مرے بعد بہت اس کا رہے دھیان
ممکن نہیں پھر اب جو مجھے پائے سکینہؑ
میں اس سے چھٹا مجھ سے چھٹی ہائے سکینہؑ

۹۱

روتا ہوا زینبؑ اسے ہوں چھوڑ کے آیا
چھاتی پہ جسے تین برس تک ہے سلایا
اس عمر میں دو روز سے پانی نہیں پایا
تقدیر نے آج اس سے یہیں ہم کو چھڑایا
چھاتی مری سونے کے لیے پائے گی کیونکر
زنداں میں اُسے خاک پہ نیند آئے گی کیونکر

۹۲

زینبؑ یہ وصیت مری دل سے نہ بھلانا
گھر جلنے لگے جب تو کہیں اُس کو چھپانا
بھائی کے عوض تم اسے چھاتی سے لگانا
معصوم کو ظالم کے طمانچوں سے بچانا
نازک ہے وہ جاں اس کی نکل جائے گی تن سے
وہ ننھی سی گردن کوئی باندھے نہ رسن سے

۹۳

جب کر چکے بیٹی کی سفارش شہِ والا
اک اور وصیت ہے مگر کہہ نہیں سکتا
گردن کو جھکا کر کہا زینبؑ سے کہ بھینا
زینبؑ نے کہا صدقے بہن کہیئے ہے وہ کیا
کچھ قید کا بھی غم نہیں دکھ درد بھروں گی
میں تابعِ فرماں ہوں کہو گے سو کروں گی

۹۴

ہمشیر سے فرمانے لگے رو کے یہ سرور
چھاتی پہ چڑھے گا مرے تب شمرِ ستمگر
گھوڑے سے میں غش کھا کے گروں گا جو زمیں پر
اور ہاتھ میں ہووے گا چمکتا ہوا خنجر
اس دم درِ خیمہ سے سرک جائیو زینبؑ
سر ننگے نہ لاشے پہ چلی آئیو زینبؑ

۹۵

خالق نے بنایا ہے تمھیں صاحبِ توقیر
دشمن یہ کہیں گے ہے یہی خواہرِ شبیرؑ
سر ننگے اگر خیمے سے تم نکلو گی ہمشیر
بھینا میں تڑپ جاؤں گا اس دم تہِ شمشیر
مصروفِ دعا ہوں گا میں جب حلق کٹے گا
رونے کی صدا سن کے مرا دھیان بٹے گا

۹۶

وہ وقت ہے ایسا کہ عبادت میں بسر ہو
امت کی دعا لب پہ ہو اور سجدے میں سر ہو
جز جلوۂ معشوق نہ کچھ پیشِ نظر ہو
کب حلق کٹا تیغ سے یہ بھی نہ خبر ہو
سب بھولا ہوں معنی یہ ہیں تسلیم و رضا کے
اپنی بھی نہ ہو یاد سوا یادِ خدا کے

۹۷

زینبؑ سے یہ کہہ کر ہوئے رخصت شہِ ذی جاہ
پہونچے شہِ بے کس جو قریبِ صفِ جنگاہ
منہ پیٹتی خیمے میں گئی بنتِ یداللہ
تھا فاطمہؑ کی روح سوا کوئی نہ ہمراہ
تھی دھوپ کڑی سامنا تھا فوجِ ستم کا
نے ساتھ علمدار نہ سایہ تھا علم کا

۹۸

تھے تیغوں سے ٹکڑے کہیں قاسمؑ کہیں اکبرؑ
بے جاں تھے کہیں زینبؑ مظلوم کے دلبر
بے دست پڑے تھے کہیں عباسؑ دلاور
سوتے تھے کہیں حلق کٹائے علی اصغرؑ
اُن سب کی طرف شاہ بہ حسرت نگراں تھے
واں زخموں سے خوں بہتا تھا یاں اشک رواں تھے

۹۹

قاسمؑ کے الم سے ہمہ تن ضعف تھے مولا
ہجرِ علی اکبرؑ سے عجب حال تھا دل کا
عباسؑ کے غم سے نہ ہوا جاتا تھا سیدھا
مجروح تھا تیرِ علی اصغرؑ کا کلیجا
حضرت پہ کئی غم کے فلک ٹوٹ پڑے تھے
اس پر یہ خوشی برچھیاں کھانے کو کھڑے تھے

۱۰۰

اک سمت سے کھینچے ہوئے تلواریں ستمگار
نقارۂ رومی پہ لگی چوب جو اک بار
اک سمت سے اُمڈے چلے آتے تھے کماندار
سب فاطمہؑ کے لال پہ چلنے لگے ہتھیار
پر قتل میں اعدا کے نہ کد کرتے تھے شبیرؑ
کس خوبی سے ہر وار کو رد کرتے تھے شبیرؑ

۱۰۱

فرماتے تھے دیکھو مجھے اتنا نہ ستاؤ
کیوں آتے ہو منہ پر مری شمشیر کے جاؤ
تلواریں نہ مارو مجھے نیزے نہ لگاؤ
میں ابنِ علی ہوں مجھے غصہ نہ دلاؤ
واللہ عداوت مجھے اصلا نہیں تم سے
بیٹوں کے بھی کچھ خون کا دعویٰ نہیں تم سے

۱۰۲

بے جرم دیے داغِ عزیزاں مجھے ہر چند
خاصانِ خدا رہتے ہیں ہر حال میں خرسند
پر یہ نہ سمجھنا کہ میں ہوں تم سے گلہ مند
بیٹے مرے مارے گئے تم ہو مرے فرزند
اچھا کیا بہتر کیا جو بے ادبی کی
میں غیر سمجھتا نہیں امت ہو نبیؐ کی

۱۰۳

حضرت کا تو یہ حال تھا وہ مارتے تھے تیر
شمشیر کے زخموں پہ لگے خنجرِ بے پیر
لگتا تھا جہاں تیر وہیں پڑتی تھی شمشیر
بہتا تھا لہو حال ہوا جاتا تھا تغیر
کیا رحم تھا کچھ منہ سے نہ فرماتے تھے حضرت
قبضے کی طرف دیکھ کے رہ جاتے تھے حضرت

۱۰۴

تب عرض یہ کی تیغِ علیؑ نے بہ سماجت
للہ کمر سے مجھے اب کھینچیے حضرت
کب تک انھیں دکھلاؤ گے مظلومی و غربت
جوہر مرے دکھلایئے اور اپنی شجاعت
شہ نے کہا یہ فوج مرے سامنے کیا ہے
پر ابنِ علیؑ منتظرِ حکمِ خدا ہے

۱۰۵

ہاتف کی صدا آئی یہ افلاک سے اس دم
شاید تجھے مجبور سمجھتے ہیں یہ ظالم
یہ صبر بھی شبیرؑ شجاعت سے نہیں کم
مجبور وہ کب ہو جسے مختار کریں ہم
اس بھوک میں اور پیاس میں طاقت بھی دکھاؤ
مظلومی دکھائی تو شجاعت بھی دکھاؤ

۱۰۶

یہ سن کے جلال آ گیا دلبندِ نبیؐ کو
چمکی جو وہ بجلی نہ رہی تاب کسی کو
چوما بہ ادب قبضۂ شمشیرِ علیؑ کو
گھبرا کے پکارے عمرِ سعدِ شقی کو
آواز بھی شاہ کی آفت ہوئی برپا
شبیرؑ کو غیظ آیا قیامت ہوئی برپا

۱۰۷

یہ ذکر تھا جو فوج میں شبیرؑ در آئے
اس صف پہ کبھی اور کبھی اُس غول پر آئے
سردار ہر اک ضرب میں بے سر نظر آئے
اعدا پہ خدا کا غضب آیا جدھر آئے
جب ہاتھ اٹھا ہو گئی چمک چرخِ بریں پر
جب فرق پہ بیٹھی تو گری برق زمیں پر

۱۰۸

پیکار کو آیا کوئی گر صف سے نکل کر
تلوار پڑی جس پہ وہ اٹھا نہ سنبھل کر
وہ سرد ہوا آتشِ شمشیر سے جل کر
مر مر گئے اس شیر کے نعروں سے دہل کر
دیکھا جسے غصے سے جگر پھٹ گیا اُس کا
لڑنے کو بڑھے جس سے لہو گھٹ گیا اُس کا

۱۰۹

کس سے روشِ تیغ کی تعریف بیاں ہو
وہ آب کہ کٹ جائے اگر کوہِ گراں ہو
جوہر دہی کھوئے جو کوئی سیف زباں ہو
اک دم میں ابھی خون کا دریا جو رواں ہو
دشمن کو بچاؤ اس سے کہیں ہے نہ مفر ہے
گرداب میں ہے فتح تو قبضے میں ظفر ہے

۱۱۰

کیا اسپِ فلک سیر کی سرعت کا لکھوں حال
تھے حور کے کاکل کی طرح مشک فشاں بال
میداں میں وہ تھا گرمِ عناں برق کی تمثال
پہونچے نہ صبا اس کے کبھی گرد کے دنبال
سایے سے بھی کچھ آگے بوقتِ تگ و دو تھا
سم بدر تھے ہر نعل بدخشاں مہِ نو تھا

۱۱۱

جب تیغ سے تیروں کو قلم کرتے تھے شبیرؑ
پے کر کے انھیں پھیرتے جب رخ شہِ دلگیر
جاتا تھا اشارے میں کمانداروں پہ جوں تیر
آتا تھا پیادوں پہ سواروں کی صفیں چیر
سیماب کی صورت نہ قرار اس کو کہیں تھا
کرتے تھے جہاں قصد شہِ دیں یہ وہیں تھا

۱۱۲

دو روز سے تھا راکبِ رہوار کو فاقہ
روتے تھے وفاداری پہ اس کی شہِ والا
حضرت کو تھا غم گھوڑے کا، اُس کو غمِ آقا
شبیرؑ کا منہ دیکھ کے رو دیتا تھا گھوڑا
چمکار کے شاباش اسے فرماتے تھے حضرت
کس پیار سے گردن سے لپٹ جاتے تھے حضرت

۱۱۳

فرماتے تھے گھوڑے سے بہ صد گریہ و زاری
کل ہوں گے نہ، رخصت ہے بس اب تجھ سے ہماری
کی بھوک میں اور پیاس میں تو نے مری یاری
آج آخری یہ ہے ترے آقا کی سواری
خوش ہو کہ رتبہ ترے راکب کا بڑھے گا
سرتن سے جو اترے گا تو نیزے پہ چڑھے گا

۱۱۴

وہ کہتا تھا میں آپ کی مظلومی کے صدقے
پر بھول نہ جانا مجھے تب شاہ یہ بولے
غم یہ ہے کہ آج آپ جدا ہوتے ہیں مجھ سے
کیا مجھ کو وفادار سمجھتا نہیں گھوڑے
مر کر بھی نہ مجھ کو ترے بن چین پڑے گا
فردوس میں بھی تو ہی سواری مری دے گا

۱۱۵

گھوڑے سے یہ کہتے تھے کہ پھر فوج نے گھیرا
پر ضعف سے آنکھوں تلے آتا تھا اندھیرا
منہ سید بیکس نے ہزاروں سے نہ پھیرا
دل کہتا تھا اب حال بہت غیر ہے میرا
اس وقت بھی حیدرؑ کی طرح لڑتے تھے شبیرؑ
جو روکتا تھا شیر سے جا پڑتے تھے شبیرؑ

۱۱۶

یہ قاعدہ ہے کھاتا ہے نیزہ کوئی یا تیر
مجروح تھے سر تا بہ قدم حضرتِ شبیرؑ
وہ باندھنے کی زخموں کو کچھ کرتا ہے تدبیر
تو بھی اسی قوت سے چلی جاتی ہے شمشیر
جب وار لگاتے تھے کسی دشمنِ دیں پر
اڑ اڑ کے لہو گرتا تھا زخموں سے زمیں پر

۱۱۷

آخر تنِ نازک پہ لگیں برچھیاں کاری
کی عرض یہ گھوڑے نے کہ اے عاشقِ باری
جھک جھک گئے اور گھوڑے پہ سنبھلے کئی باری
خیمے کی طرف لے چلوں حضرت کی سواری
فرمایا اگر تیغ سے ہر بند کٹے گا
فرزندِ علیؑ کھیت سے پیچھے نہ ہٹے گا

۱۱۸

موقع نہیں اس وقت جو میں خیمے میں جاؤں
غم دیدہ ہے زینبؑ اُسے کیا اور رلاؤں
کیا خوں بھری مشک سکینہؑ کو دکھاؤں
بانوؑ سے میں کیوں کر تنِ مجروح چھپاؤں
بیٹی سے نہ بیٹے سے نہ کچھ گھر سے غرض ہے
اب کام ہے اللہ سے خنجر سے غرض ہے

۱۱۹

اس وقت مگر دل میں یہ حسرت ہے ہمارے
سجدہ کریں خالق کو کہ اب جاتے ہیں بارے
زخمی ہیں زمیں پر کوئی آہستہ اتارے
پر تھے جو مددگار وہ دنیا سے سدھارے
اب ہیں وہ کہاں گودیوں میں جن کی پلے ہیں
کس عالمِ تنہائی میں دنیا سے چلے ہیں

۱۲۰

داہنے سے محمدؐ کی صدا آئی کہ پیارے
اور بائیں طرف سے اسد اللہ پکارے
یہ نانا کھڑا روتا ہے پہلو میں تمہارے
صدقے ترے اے فاطمہؑ کے راج دلارے
تو غش میں جو سر ہرنے پہ نہوڑائے ہے بیٹا
لینے کو پدر ہاتھوں کو پھیلائے ہے بیٹا

۱۲۱

آوازِ بتولؑ آئی کہ اے فاطمہؑ کی جاں
گھوڑے پہ جو تم جھومتے ہو خون میں غلطاں
یہ دکھ زدی مادر تری مظلومی کے قرباں
ہاتھوں سے ترے بازوؤں کو تھامے ہے اماں
ماتم میں گریبانِ کفن پھاڑ چکی ہوں
میں بالوں سے مقتل کی زمیں جھاڑ چکی ہوں

۱۲۲

تنہائی سے کیوں گرتے ہو حاضر ہے یہ مادر
آوے گا لعیں پھیرنے جب حلق پہ خنجر
ہرنے سے اٹھاؤ مرے کاندھے پہ رکھو سر
میں خاک پہ بیٹھوں گی تمہیں گود میں لے کر
چہلم تلک اس بن میں رہوں گی مرے پیارے
چوکی ترے لاشے کی میں دوں گی مرے پیارے

۱۲۳

یہ سنتے تھے حضرت کہ لگا تیر جبیں پر
تلواریں چلیں دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
تیورا کے سرِ زیں سے گرے رو کے زمیں پر
آمادہ ہوا شمر بھی قتلِ شہِ دیں پر
سینے پہ چڑھا سبطِ رسولِ عربیؐ کے
خنجر سے کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے

۱۲۴

خاموش انیسؔ اب کہ پڑا بزم میں کہرام
کر دے مرے مولا کی زیارت کا سرانجام
کر حق سے دعا یہ بہ حسینؑ ذوی الاکرام
آغاز ہوا جو ہوا بہتر ہو پر انجام
جس روز میں داخل ہوں رواقِ قبۂ دیں میں
اس روز میں سمجھوں کہ گیا خلدِ بریں میں

رباعی

ابنِ اسد اللہ کا دربار ہے یہ
مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ
پہلے دُرِ اشک نذر کریں مردم
پھر چاہیں سو لیں سخی کی سرکار ہے یہ

مرثیہ ۱

دشتِ وفا میں نورِ خدا کا ظہور ہے
اک آفتابِ رخ کی ضیا دور دور ہے
ذرّوں میں روشنیِ تجلّیِ طور ہے
کوسوں زمیں عکس سے دریائے نور ہے
اللہ رے حسن طبقۂ عنبر سرشت کا
میدانِ کربلا ہے نمونہ بہشت کا

۲

حیراں زمیں کے نور سے ہے چرخِ لاجورد
ہے رشکِ فضائے ارم وادیِ نبرد
مانندِ کہربا ہے رخِ آفتاب زرد
اٹھتا ہے خاک سے تتقِ نور جائے گرد
حیرت سے حاملانِ فلک ان کو تکتے ہیں
ذرّے نہیں زمیں پہ ستارے چمکتے ہیں

۳

ہے آبِ نہر صورتِ آئینہ جلوہ گر
لہریں بسانِ برق چمکتی ہیں سر بہ سر
تاباں ہے مثلِ چشمۂ خورشید ہر بھنور
پانی پہ مچھلیوں کی ٹھہرتی نہیں نظر
یہ آب و تاب ہے کہ گہر آب آب ہیں
دریا تو آسماں ہے ستارے حباب ہیں

۴

پرتو فگن ہوا جو رخِ قبلۂ انام
اور سنگ ریزے دُرِّ نجف بن گئے تمام
مشہور ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
صحرا کو مل گیا شرفِ وادیِ اسلام
کعبے سے اور نجف سے بھی عزت سوا ہوئی
خاک اس زمینِ پاک کی خاکِ شفا ہوئی

۵

پھیلا جو نورِ مہرِ امامت دمِ زوال
سارے نہالِ فیضِ قدم سے ہوئے نہال
ذرّوں سے واں کے آنکھ ملانا ہوا محال
اختر بنے جو پھول تو شاخیں بنیں ہلال
پتّے تمام آئینۂ نور ہو گئے
صحرا کے نخل سب شجرِ طور ہو گئے

۶

غل تھا زہے حسینؑ کی شوکت زہے وقار
رخ سے عیاں ہے دبدبۂ شاہِ ذوالفقار
گویا کھڑے ہیں جنگ کو محبوبِ کردگار
ہے نورِ حق جبینِ منور سے آشکار
کیونکر چھپے نہ ماہِ دو ہفتہ حجاب سے
چودہ طبق میں نور ہے اس آفتاب سے

۷

یہ روئے روشن اور یہ گیسوئے مشک فام
ہالے میں یوں نظر نہیں آتا مہِ تمام
یاں شام میں تو صبح ہے اور صبح میں ہے شام
قدرت خدا کی نور کا ظلمت میں ہے مقام
زلفوں میں جلوہ گر نہیں چہرہ جناب کا
ہے نصف شب میں آج ظہور آفتاب کا

۸

قرباں کمانِ ابروئے مولا پہ جان و دل
چشمِ غزالِ دشتِ ختن چشم سے خجل
گر ماہِ نو کہیں تو ہے تشبیہ مبتذل
دیکھا جسے کرم سے خطائیں ہوئیں بحل
پتلی بسانِ قبلہ نما بے قرار ہے
گریاں ہیں وہ یہ گردشِ لیل و نہار ہے

۹

رخسار ہیں ضیا میں قمر سے زیادہ تر
ریشِ مخضّب اور یہ رخِ شاہِ بحر و بر
جن پر ٹھہر سکی نہ کبھی شمس کی نظر
پیدا ہیں صاف معنیِ والّیل والقمر
قرآں سے عیاں ہے بزرگی امام کی
کھائی قسم خدا نے اسی صبح و شام کی

۱۰
کس منہ سے کیجئے لبِ جاں بخش کا بیاں
کیا دُرِّ آبدار ہیں اس دُرج میں نہاں
چوسی جنھوں نے احمدؐ مختار کی زباں
گویا کہ موتیوں کا خزانہ ہے یہ دہاں
ذرّے زمیں پہ عکس سے سارے چمک گئے
جس وقت یہ کھلے تو ستارے چمک گئے

۱۱
شمعِ حریمِ لم یزلی تھا گلوئے شاہ
اے چرخِ بے مدار یہ کیا ستم ہے آہ
تاریک شب میں جیسے ہویدا ہو نورِ ماہ
شمشیرِ شمر اور رخِ محمدؐ کی بوسہ گاہ
جس پر رسولؐ ہونٹوں کو ملتے ہوں پیار سے
کٹ جائے کربلا میں وہ خنجر کی دھار سے

۱۲
منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
یاد آگئی مگر یہ حدیثِ غم و الم
ہلتے تھے ذکرِ حق میں لبِ پاک دم بدم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

۱۳
تھا جو ستون کہ رکنِ رسالت کا تکیہ گاہ
تھا جس حصیر پر وہ دو عالم کا بادشاہ
کرسی بھی اس کی پشت کی تھی ڈھونڈتی پناہ
حسرت سے عرش کرتا تھا اس فرش پر نگاہ
اوج زمیں بہشتِ بریں سے دوچند تھا
ممبر کا ز فلک سے بھی پایا بلند تھا

۱۴
اصحابِ خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
سر زیر ملک صفات مگس راں تھے وہ عرب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہِ ہاشمی نسب
جبرئیلؑ تہ کیے ہوئے تھے زانوئے ادب
خادم ہلالِ قنبرِ گردوں اساس تھا
نعلین اس کے پاس عصا اس کے پاس تھا

۱۵
گیسو تھے وہ مفسرِ والّیل اذا سجا
وہ ریشِ پاک اور رخِ سردارِ انبیا
رخ سے عیاں تھے معنیِ والشمس والضحیٰ
گویا دھرا تھا رحل پہ قرآں کھلا ہوا
اوڑھے سیہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

۱۶
پہلو میں بادشاہ کے تھا جلوہ گر وزیر
دونوں جہاں میں کوئی نہ دونوں کا تھا نظیر
سردارِ دیں علیؑ ولیِ خلق کا امیر
احمدؐ تھے آفتاب تو حیدرؑ مہِ منیر
ظاہر میں ایک نور کا دو جا ظہور تھا
گر غور کیجئے تو وہی ایک نور تھا

۱۷
معروفِ وعظ و پند تھے سلطانِ مشرقین
نانا بغیر دونوں نواسوں کو تھا نہ چین
جو گھر سے نکلے کھیلتے زہراؑ کے نورِ عین
بڑھ جاتے تھے حسنؑ کبھی آگے کبھی حسینؑ
کہتے تھے دیکھیں کون قدم جلد اٹھاتا ہے
نانا کے پاس کون بھلا پہلے جاتا ہے

۱۸
وہ گورے گورے چہروں پہ زلفیں اِدھر اُدھر
اختر سے وہ چمکتے ہوئے کان کے گہر
کرتے گلوں میں نور بدن جن سے جلوہ گر
رشکِ ہلال طوق، گلے غیرتِ قمر
ہیکل پہ نقش نام خدائے جلیل کے
تعویذ گردنوں پہ پرِ جبرئیلؑ کے

۱۹

مسجد میں آئے ہنستے ہوئے جب وہ گل بدن
تسلیم کو حسینؑ سے پہلے جھکے حسنؑ
خوش ہو کے صحنِ مسجدِ جامع بنا چمن
خوش ہو کے مسکرانے لگے سرورِ زمن
بڑھ بڑھ کے تھم سلام کو چھوٹے بڑے ہوئے
بیٹھے رہے رسولؐ ملک اٹھ کھڑے ہوئے

۲۰

بیٹوں کو تھا علیؑ کا اشارہ کہ بیٹھ جاؤ
پھیلا کے ہاتھ بولے محمدؐ کہ آؤ آؤ
لازم نہیں کہ وعظ میں نانا کو تم ستاؤ
شبیرؑ نے کہا نہیں پہلے گلے لگاؤ
بھائی حسنؑ جو آپ کی گودی میں آئیں گے
ہم تم سے نانا جان ابھی روٹھ جائیں گے

۲۱

بولے حسنؑ کہ واہ ہیں اور کریں نہ پیار
بولے یہ چشم نم بہ حسینؑ فلک وقار
اقرار کر چکے ہیں شہنشاہِ نامدار
دیکھیں تو کون کاندھے پہ ہوتا ہے اب سوار
سب سے سوا جو ہیں سو ہمیں ان کے پیارے ہیں
آگے نہ بڑھیے آپ کہ نانا ہمارے ہیں

۲۲

بھائی سے تب کہا یہ حسنؑ نے بہ التفات
نانا ہمارے کیا نہیں سلطانِ کائنات
بے وجہ ہم سے روٹھتے ہو اے نکو صفات
ہوتی ہے ناگوار تمھیں تو ذرا سی بات
غصہ نہ اتنا چاہیے خوش خو کے واسطے
مچلے تھے یوں ہی بچۂ آہو کے واسطے

۲۳

یہ سن کے منہ علیؑ کا لگے دیکھنے رسولؐ
میں چاہتا ہوں ایک کی خاطر نہ ہو ملول
ہنس کر کہا یہ دونوں ہیں میرے چمن کے پھول
روئیں گے یہ تو گھر سے نکل آئے گی بتولؑ
ہووے نہ رنج میرے کسی نورِ عین کو
تم لو حسنؑ کو گودی میں لوں میں حسینؑ کو

۲۴

شبیرؑ سے پھر اشارہ کیا ہو کے بے قرار
پھر بولے دیکھ کر سوئے شبیرؑ نامدار
غصہ نہ کھاؤ پہلے تمھیں کو کریں گے پیار
آؤ حسینؑ آ تری باتوں کے میں نثار
بھائی سے ہم لگائیں گے جان اپنی جانکر
دیکھیں تو پہلے کون لپٹتا ہے آن کر

۲۵

دوڑے یہ بات سن کے برابر وہ خوش سیر
لپٹے حسینؑ ہنس کے ادھر اور حسنؑ ادھر
پاس آئے آفتابِ رسالت کے دو قمر
تھے پانوں زانوؤں پہ تو تھے ہاتھ دوش پر
نانا کے ساتھ پیار میں دونوں کا ساتھ تھا
گردن میں ایک آپ کا اور ان کا ہاتھ تھا

۲۶

پھر پھر کے دیکھتے تھے شہنشاہِ مشرقین
بیٹھے جو زانوؤں پہ وہ زہراؑ کے نورِ عین
گہہ جانبِ حسنؑ تو کبھی جانبِ حسینؑ
تھا تن کو لطف، قلب کو راحت، جگر کو چین
جھک جھک کے منہ رسولِ زمن چومنے لگے
ان کا گلا تو ان کا دہن چومنے لگے

۲۷

شبیرؑ چاہتے تھے کہ چومیں مرے بھی لب
نانا کے منہ کے پاس یہ لاتے تھے منہ کو جب
پر کچھ گلے کے بوسوں کا کھلتا نہ تھا سبب
جھک جھک کے چومتے تھے گلا سیدِ عرب
بھائی کو دیکھ کر جو حسنؑ مسکراتے تھے
غیرت سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے

۲۸
اٹھے حسینؑ زانوئے احمدؐ سے خشمگیں
رخ پر پسینہ جسم میں رعشہ جبیں پہ چیں
غصے سے رنگ زرد اور آنکھوں پہ آستیں
پوچھا کدھر چلے تو یہ بولے کہیں نہیں
گھر میں اکیلے تیوری چڑھائے چلے گئے
دیکھا نہ پھر کے سر کو جھکائے چلے گئے

۲۹
بیت الشرف میں آگئے جو شبیرؑ نامدار
دوڑیں یہ کہہ کے فاطمہؑ زہراؑ جگر فگار
کرتے کو منہ پہ رکھ کے بہت روئے زار زار
ہے ہے حسینؑ کیا ہوا تو کیوں ہے اشکبار
تجھ کو رلا کے غم میں مجھے مبتلا کیا
قربان ہو گئی تجھے کس نے خفا کیا

۳۰
میرا کلیجہ پھٹتا ہے اے دل رُبا نہ رو
سر میں نہ درد ہو کہیں اے مہ لقا نہ رو
زہراؑ ہزار جان سے تجھ پر فدا نہ رو
بس بس نہ رو حسینؑ برائے خدا نہ رو
میری طرف تو دیکھو کہ بیتاب ہوتی ہوں
چادر سے منہ کو ڈھانپ کے تو میں بھی روتی ہوں

۳۱
تو منہ تو کھول اے مرے شبیرؑ خوش خصال
مل مل کے پشتِ دست سے آنکھیں کرو نہ لال
تر ہو گئے ہیں آنسوؤں سے گورے گورے گال
سلجھاؤں آؤ الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
گھر سے گئے تھے ساتھ جدا ہو کے آئے ہو
سمجھی میں کچھ حسنؑ سے خفا ہو کے آئے ہو

۳۲
تم چپ رہو وہ گھر میں تو مسجد سے پھر کے آئیں
اُن سے نہ بولیو وہ تمھیں لاکھ گر منائیں
گذری میں کھیل سے مرے بچے کو کیوں رلائیں
لو آؤ جانے دو تمھیں چھاتی سے ہم لگائیں
واری اگر حسنؑ نے رلایا برا کیا
پوچھوں گی کیا نہ میں مرے پیارے نے کیا کیا

۳۳
بولے حسینؑ ہم تو ہیں اس بات پر خفا
تم اماں جان منہ کو تو سونگھو مرے ذرا
نانا نے چومے بھائی کے ہونٹ اور مرا گلا
کچھ بو ناگوار ہے میرے دہن میں کیا
بھائی کے لب سے اپنے لبوں کو ملاتے ہیں
اب ہم نہ جائیں گے ہمیں نانا رلاتے ہیں

۳۴
منہ رکھ کے منہ پہ بولی یہ زہراؑ جگر فگار
چوما اگر گلا تو خفا ہو نہ میں نثار
بوئے گلاب آتی ہے اے میرے گلعذار
تم کو زباں چوساتے تھے محبوبِ کردگار
یہ مشک میں مہک نہ گلِ یاسمن میں ہے
خوش بو اسی دہن کی تمھارے دہن میں ہے

۳۵
کہنے لگے حسینؑ یہ ماں سے بہ چشمِ نم
یہ کیا انھیں پہ لطف و عنایت ہے دم بدم
کیا جانو تم حسنؑ سے ہمیں چاہتے ہیں کم
معلوم ہو گیا انھیں پیارے نہیں ہیں ہم
رو رو کے آج جان ہم اپنی گنوائیں گے
پانی نہ اب پئیں گے نہ کھانے کو کھائیں گے

۳۶
یہ بات سن کے ہو گیا زہراؑ کا رنگ فق
صدقے گئی کرو نہ کلیجے کو میرے شق
بولی پسر سے رو کے وہ بنتِ رسولؐ حق
ہے ہے یہ کیا کہا مجھے ہوتا ہے اب قلق
میرا لہو بہے گا جو آنسو بہاؤ گے
کاہے کو ماں جیے گی جو کھانا نہ کھاؤ گے

۳۷

یہ کہہ کے اوڑھ لی سر پر نور پر ردا
در تک گئی جو گھر سے وہ دلبندِ مصطفیٰؐ
موڑ سے بہن کے گود میں شبیرؑ کو لیا
فضہ نے بڑھ کے بوذرؓ و سلمانؓ کو دی صدا
پیشِ نبیؐ حسینؑ کو گودی میں لاتی ہیں
ہٹ جاؤ سب کہ فاطمہؑ مسجد میں آتی ہیں

۳۸

اللہ رے آمدِ زہراؑ کا بند و بست
احمدؐ کے گرد و پیش سے اُٹھے خدا پرست
ساتوں فلک تھے اوجِ شرافت سے جس کے پست
انساں تو کیا ملک کو نہ تھی قدرتِ نشست
آئیں تو شاد شادِ رسولِ زمن ہوئے
گھر میں خدا کے ایک جگہ پنجتن ہوئے

۳۹

تعظیمِ فاطمہؑ کو اٹھے سیدالبشر
خم تھے حسینؑ دوش پہ ماں کے جھکائے سر
دیکھا کہ چشمِ فاطمہؑ ہے آنسوؤں سے تر
تھا اک ہلال مہر کے پہلو میں جلوہ گر
ماں کہتی تھی نہ روؤ مگر چپ نہ ہوتے تھے
آنکھیں تھیں بند ہچکیاں لے لے کے روتے تھے

۴۰

گھبرا کے پوچھنے لگے محبوبِ ذوالجلال
بولیں بتولؑ آج قلق ہے مجھے کمال
روتا ہے کیوں حسینؑ یہ کیا ہے تمھارا حال
رویا ہے یہ حسینؑ کہ آنکھیں ہیں دونوں لال
آتے ہیں ہنستے روتے ہوئے گھر میں جاتے ہیں
شفقت بھی آپ ہی کرتے ہیں آپ ہی رلاتے ہیں

۴۱

ہاتھوں کو جوڑتی ہوں میں یا شاہِ بحر و بر
رونے سے اس کے ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
شفقت کی اس کے حال پہ ہر دم رہے نظر
مجھ فاقہ کش غریب کا پیارا ہے یہ پسر
حیدرؑ سے پوچھئے مرے عسرت کے حال کو
کس کس دکھوں سے پالا ہے اس نونہال کو

۴۲

اشک اس کے چھنتے ٹپکے ہیں یا شاہِ نیک خو
روئے ہیں پھوٹ پھوٹ کے یہ میرے روبرو
اتنا ہی گھٹ گیا ہے مرے جسم کا لہو
تر ہو گیا ہے آنسوؤں سے چاند سا گلو
دیکھا نہ تھا یہ میں نے جو حال اس کا آج ہے
حضرت تو جانتے ہیں کہ نازک مزاج ہے

۴۳

شفقت سے آج آپ نے چومے حسنؑ کے لب
رہتے ہیں دونوں ایک ہی یا سرورِ عرب
بوسہ لیا نہ ان کے لبوں کا یہ کیا سبب
میں سچ کہوں یہ سن کے مجھے بھی ہوا عجب
اس کو جو ہو خوشی تو دل اس کا بھی شاد ہو
چھوٹے سے چاہیے کہ محبت زیادہ ہو

۴۴

آپ اُن کے ناز اٹھاتے ہیں یا شاہِ بحر و بر
اکثر انھیں چڑھایا ہے حضرت نے دوش پر
پھر کس سے روٹھیں آپ سے روٹھیں نہ یہ اگر
گیسو دیے ہیں ننھے سے ہاتھوں میں بیشتر
روٹھے تھے یہ سو قدموں پہ سر دھرنے آئے ہیں
منہ کے نہ چومنے کا گلا کرنے آئے ہیں

۴۵

یہ کہہ کے پھر حسینؑ سے بولیں بہ چشمِ تر
آئے حسینؑ ہاتھ جو ننھے سے جوڑ کر
لو جا کے اب نبیؐ کے قدم پر جھکا دو سر
بے اختیار رونے لگے سیدالبشر
رہ رہ کے دیکھتے تھے علیؑ و بتولؑ کو
نزدیک تھا قلق سے غش آئے رسولؐ کو

۴۶

تھی آنسوؤں سے ریش مبارک تمام نم
گاہے ستوں سے لگ کے ہوئے راست گاہ خم
فرطِ بکا سے خاک پہ جھکتے تھے دم بدم
ہر لحظہ اضطراب زیادہ تھا صبر کم
ہو سکتا تھا نہ ضبط شہِ مشرقین سے
روتے تھے بار بار لپٹ کر حسینؑ سے

۴۷

شبّیرؑ رو کے کہتے تھے نانا نہ روئیے
ہلنے لگے گا عرشِ معلّٰی نہ روئیے
روئیں گے اب نہ ہم شہِ والا نہ روئیے
پھٹتا ہے اب ہمارا کلیجہ نہ روئیے
سو بار دن میں ہم تو منہ اشکوں سے دھوتے ہیں
حضرت ہمارے رونے پہ کاہے کو روتے ہیں

۴۸

گھبرا گئے علیؑ ولیِ شاہِ بحر و بر
بیٹی نثار ہو گئی یا سیّدؐ البشر
کی عرض فاطمہؑ نے جھکا کے قدم پہ سر
کیا وجہ ہے جو آپ ہیں اس طرح نوحہ گر
جلدی بتائیے کہ مجھے تاب اب نہیں
رونا خدا کے دوست کا یہ بے سبب نہیں

۴۹

حضرت کو علمِ غیب ہے یا شاہِ انس و جاں
کیا آئی آج وحیِ خداوندِ دو جہاں
آئندہ و گذشتہ کا سب حال ہے عیاں
ہوتا ہے جو حسینؑ پہ مجھ سے کرو بیاں
فاقوں سے کاٹی ہوں مصیبت جہان کی
کیوں بابا جان خیر تو ہے اس کی جان کی

۵۰

بولے جگر کو تھام کے محبوبِ ذوالجلالؐ
کس منہ سے میں کہوں کہ قلق ہے مجھے کمال
تجھ سے سنا نہ جائے گا اے فاطمہؑ یہ حال
زہراؑ شہید ہوئیں گے تیرے یہ دونوں لال
ماتم کی یہ خبر ابھی جبریلؑ لائے تھے
سارے ملک حسینؑ کے پُرسے کو آئے تھے

۵۱

الماس پی کے ہوئے گا بے جاں ترا حسنؑ
بھر جائے گی کلیجوں کے ٹکڑوں سے سب لگن
یہ وجہ ہے کہ چوستا ہوں اس کا میں دہن
ہو گا زمرّدی ترے اس لال کا بدن
سوئے بہشت جب یہ جہاں سے سدھاریں گے
بدکیش تیر اس کے جنازے پہ ماریں گے

۵۲

زہراؑ مجھے کلام کی طاقت نہیں ہے اب
اک بن میں تین روز رہیں گے یہ تشنہ لب
حلقِ حسینؑ چومنے کا کیا کہوں سبب
کٹ جائے گا گلا یہی خنجر سے ہے غضب
نیزے پہ سر چڑھے گا ترے نورِ عین کا
گھوڑوں سے روندوائیں گے لاشہ حسینؑ کا

۵۳

رعشے خبر یہ کہہ کے جو محبوبِ ذوالمننؐ
زہراؑ پکاری ہائے لٹے گا مرا چمن
گھبرا کے منہ حسینؑ کا تکنے لگے حسنؑ
میں مر گئی دوہائی ہے یا سرورِ زمن
یہ کیسی آگ ہے کہ مری کوکھ جل گئی
ہے ہے چھری کلیجے پہ زہراؑ کے چل گئی

۵۴

فریاد یا نبیؐ شہِ ابرار الغیاث
اے بے کسوں کے وارث و سردار الغیاث
اے مرسلانِ حق کے مددگار الغیاث
اے جزو کل کے مالک و مختار الغیاث
قدرت ہے سب طرح کی شہِ مشرقین کو
حضرت سے لوں گی اپنے حسنؑ اور حسینؑ کو

۵۵

کس جرم پر یہ لال مرے قتل ہوں گے آہ
کی عرض فاطمہؑ نے کہ اے عرش بارگاہ
رو کر کہا رسولؐ خدا نے کہ بے گناہ
بچوں کو میرے کیا نہ ملے گی کہیں پناہ
تلواریں کھینچ کھینچ کے ظالم جو آئیں گے
حضرت نہ کیا نواسوں کو اپنے بچائیں گے

۵۶

آساں ہے کیا جو قتل کریں گے ستم شعار
اعدا پہ کیا چلے گا نہ دستِ خدا کا وار
کیا شیرِ حق کرے نہ کھینچیں گے ذوالفقار
بالوں کو کیا نہ کھولے گی زہراؑ جگر فگار
ٹکڑے جگر جو ہوئے گا مجھ دل دو نیم کا
پایہ نہ کیا ہلاؤں گی عرشِ عظیم کا

۵۷

زہراؑ سے رو کے کہنے لگے شاہِ نیک خو
اس وقت قتل ہوئیں گے یہ دونوں ماہ رو
بیٹی مجھے ستائیں گے تربت میں کینہ جو
دنیا میں جب نہ ہوگا علیؑ اور نہ میں نہ تو
لاشے پہ مجتبیٰؑ کے تو شبیرؑ روئے گا
شبیرؑ جب مرے گا تو کوئی نہ ہوئے گا

۵۸

چلائی سر پٹک کے یہ زہراؑ کہ ہے ستم
ماتم کی صف بچھائے گا کون اے شہِ اُمم
پیٹے گا کون تن سے جو نکلے گا اس کا دم
پُرسے کو کون آئے گا اس کے بہ چشم نم
ہم ہیں سے ایسے وقت جو کوئی نہ ہوئے گا
ہے ہے مرے حسینؑ کو پھر کون روئے گا

۵۹

بچے کی میرے تعزیہ داری کرے گا کون
دریائے اشک چشم سے جاری کرے گا کون
منہ ڈھانپ ڈھانپ گریہ و زاری کرے گا کون
امداد بعد مرگ ہماری کرے گا کون
ہوگا کہاں نبیؐ کے نواسے کا فاتحہ
شربت پہ کون دیوے گا پیاسے کا فاتحہ

۶۰

بولے نبیؐ کہ آپ کو زہراؑ نہ کر ہلاک
پیدا کریں گے قوم اک ایسی بروئے خاک
فرما چکا ہے مجھ سے یہ وعدہ خدائے پاک
جو رات دن رہیں گے اسی غم میں دردناک
بزمِ عزا میں آئیں گے وہ دور دور سے
تن خاک سے بنائیں گے دل اُن کے نور سے

۶۱

ہوگی انھیں سے مجلسِ ماتم کی زیب و زین
آنکھیں وہ دیں گے رونے کو سمجھیں جو فرضِ عین
دیں گے انھیں وہ لب کہ رہے جس پہ وا حسینؑ
ہاتھ ایسے غیر سینہ زنی ہو جنھیں نہ چین
سامانِ تعزیت کے کبھی کم نہ ہوئیں گے
وہ حشر تک حسینؑ کے ماتم میں روئیں گے

۶۲

ہوگا عیاں فلک پہ محرم کا جب ہلال
کھولیں گی بی بیاں بھی سب اپنے سروں کے بال
رختِ سیاہ پہنیں گے بر میں وہ خوش خصال
ہر گھر میں ہوگا شور کہ ہے ہے علیؑ کا لال
لیں گے صلے میں خلد ترے نورِ عین سے
آنسو عزیز وہ نہ کریں گے حسینؑ سے

۶۳

پیاسا شہید ہوگا جو یہ تیرا دلربا
ہوئے گی شاد روحِ شہیدانِ کربلا
مومن سبیلیں رکھیں گے پانی کی جا بہ جا
بھر بھر کے آبِ سرد پکاریں گے برملا
محبوبِ کبریا کے نواسے کی نذر ہے
پیاسے نہ جائیو کہ پیاسے کی نذر ہے

۶۴

کہنے لگی نبیؐ سے بتولِؑ فلک جناب
اے بادشاہِ کون و مکاں مالک الرقاب
ہے ہے میں کیا کروں مرے دل کو نہیں ہے تاب
درگاہِ حق میں آپ کی ہے عرض مستجاب
کیجیے دعا کہ خالقِ اکبر مدد کرے
اللہ یہ بلا مرے بچے کی رد کرے

۶۵

بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کائنات
چاہو تو رد کرے یہ بلا ربِّ پاک ذات
روح الامینؑ نے مجھ سے تو یہ بھی کہی ہے بات
لیکن نہ ہوئے گی مری امت کی پھر نجات
محبوبِ حق نثار ترے نورِ عین پر
موقوف ہے بیڑا مرا تو قتلِ حسینؑ پر

۶۶

اللہ رے صبرِ دخترِ محبوبِ کردگار
خوشنود ہو کے کہنے لگے شاہِ ذوالفقار
امت کا نام سن کے جھکایا سر ایک بار
صدقے حسنؑ حسینؑ تصدق علیؑ نثار
اس راہ میں نہ مال نہ دولت عزیز ہے
پیارے پسر نہیں ہمیں امت عزیز ہے

۶۷

کہنے لگے حسینؑ سے پھر شاہِ بحر و بر
نانا سے بولے چھوٹے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
بتلا مجھے کہ کیا تری مرضی ہے اے پسر
امت کے کام آئے تو حاضر ابھی ہے سر
دعوے کو ہم نہ بھولیں گے گو خورد سال ہیں
جھوٹے نہیں ہیں مخبرِ صادق کے لال ہیں

۶۸

روتے ہو آپ کس لیے یا سیدِ امم
تلوار جب بھی چلیں تو نہیں مارنے کے دم
راضی ہیں ہم پہ راہِ خدا میں ہوں جو ستم
امت پہ اپنے سر کو تصدق کریں گے ہم
ہم راست گو ہیں بات پہ جس وقت آتے ہیں
کہتے ہیں جو زباں سے وہی کر دکھاتے ہیں

۶۹

بچپن میں جو زباں سے کہا تھا کیا وہ کام
گردن جھکا کے برچھیاں کھایا کیے امام
جس وقت رن میں ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام
خوں میں قبائے رسولؐ کی تر ہو گئی تمام
تیغیں علیؑ کے لال کے شانے پہ چل گئیں
چھاتی کے پار نیزوں کی نوکیں نکل گئیں

۷۰

پھیری نہ تھی جو پشتِ مبارک دمِ مصاف
سیدؑ سے بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف
تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تا بہ ناف
غل تھا کہ آج ہوتا ہے گھر فاطمہؑ کا صاف
سنبھلا نہ جائے گا خلفِ بوترابؑ سے
لو وہ قدم حسینؑ کے نکلے رکاب سے

۷۱

بدلی میں فوجِ کیں کی گھرا وہ مہِ منیر
مارا ابو الحتوفِ لعیں نے گلے پہ تیر
تیغوں سے چور ہو گیا کونین کا امیر
سینے میں چھد گیا دلِ شاہِ فلک سریر
تیورائے آپ سانس جو سینے میں اڑ گئی
اتنے میں اور فرق پہ تلوار پڑ گئی

۷۲

نیزہ لگا جو پشتِ مبارک پہ آن کر
جب تک کے سامنے سے لگا گرزِ گاؤ سر
سر رکھ دیا حضور نے گھوڑے کے یال پر
دلدل کی پشت پر جھکے سلطانِ نامور
سنبھلے جو سانس لینے کو گھوڑے پہ جھوم کے
زہراؑ بلائیں لینے لگی شانے چوم کے

۷۳
چلائیں سر کو پیٹ کے بنتؑ کوئی آئے
ہے کون میرے نازوں کے پالے کو جو بچائے
گھوڑے سے گرتا ہے مرا بچہ کوئی اٹھائے
سولہ پہر کی پیاس میں یہ رنج ہائے ہائے
یارو نہیں کوئی جو سنبھالے حسینؑ کو
اے ذوالجناح تو ہی بچا لے حسینؑ کو

۷۴
اے ارضِ کربلا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہرِ علقما مرا بچہ ہے بے گناہ
اے دشتِ نینوا مرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہرِ بے وفا مرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے مرے نورِ عین کو
اے ذوالفقار تجھ سے میں لوں گی حسینؑ کو

۷۵
بڑھ کر بنِ انس نے سناں کا کیا جو وار
دوڑے اتارنے کو رسولؐ فلک وقار
دامن پکڑ کے زیں کا جھکے شاہِ نامدار
دشتِ نبرد کو ہوا احکامِ کردگار
اسوارِ شل تختِ سلیمانؑ بچھا یہ ہو
اے مقتلِ حسینؑ معلق ہوا پہ ہو

۷۶
یہ تاجِ عرشِ خالقِ اکبر ہے اے زمیں
ابنِ قسیمِ چشمۂ کوثر ہے اے زمیں
زہراؑ صدف ہے جس کا وہ گوہر ہے اے زمیں
تعظیم کر یہ سبطِ پیمبرؐ ہے اے زمیں
فوق اور اوج عرشِ علا سے سوا ملا
دامن میں لے تجھے یہ دُرِ بے بہا ملا

۷۷
تا گرز میں دامنِ زیں تک ہوئی بلند
حربوں سے چور چور تھا شہ کا جو بند بند
اترے زمیں پہ گھوڑے سے سلطانِ ارجمند
تھے زخم ریگِ گرم پہ آتش پہ جوں سپند
آمادہ قتلِ شاہ پہ آ کر عدو ہوئے
یادِ خدا میں شاہِ امم قبلہ رو ہوئے

۷۸
خنجر چلا کے سنگ پہ شمرِ لعیں بڑھا
مرفق تلک چڑھائے ہوئے آستیں بڑھا
تیوری چڑھا کے غصہ سے اور خشمگیں بڑھا
موزے پہن کے آہ سوئے شاہِ دیں بڑھا
آیا نہ سنگ دل کو ترس اس نحیف پر
رکھا شقی نے پاؤں کلامِ شریف پر

۷۹
خنجر لعیں نے حلق پہ سید کے جب رکھا
زینبؑ تھیں آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
خیمے سے نکلے پیٹتے ناموسِ مصطفےٰ
چلائے یہ حسینؑ کہ زینبؑ ادھر نہ آ
شمرِ لعیں گلے پہ جو خنجر پھرائے گا
تم نرم دل ہو تم سے یہ دیکھا نہ جائیگا

۸۰
سیدانیاں یہ سنتے ہی باہر نکل پڑیں
چلا کے گھر سے بانوئے مضطر نکل پڑیں
گریبان و سینہ چاک کھلے سر نکل پڑیں
کلثومؑ اور زینبؑ بے پر نکل پڑیں
غل تھا فلک نے دخترِ عصمت اُلٹ دیا
فضہؑ نے پردہ درِ دولت اُلٹ دیا

۸۱
آگے بڑھی سکینہؑ تو دیکھا یہ ماجرا
کہہ کر زمیں پہ گر پڑی وا مصیبتا
خنجر گلے پہ پھیرتا ہے شمرِ بے حیا
اٹھ کر پکاری شمر ٹھہر سر بہرِ مصطفاؐ
جلدی پدر کے ذبح میں اے اہلِ شر نہ کر
تو میرے سن کو دیکھ مجھے بے پدر نہ کر

۸۲

للہ شمر! سبطِ پیمبر کو چھوڑ دے
حاجی کو بے وطن کو مسافر کو چھوڑ دے
سیّد کو بے گناہ کو مضطر کو چھوڑ دے
مجھ کو تو ذبح کر مرے سرور کو چھوڑ دے
لپٹوں گلے سے میں پدرِ ناتوان کے
سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

۸۳

او شمر دیکھ زخمِ بدن شہ کے پھٹ نہ جائیں
اک دم ٹھہر کہ خاک تو زخموں سے ہم چھڑائیں
پانی تو دے کہ پیاس ذرا شاہِ دیں بجھائیں
للہ حکم دے کہ حرم شہ کے پاس جائیں
وہ ہم کو اور ہم انہیں اک بار دیکھ لیں
کہہ دے تو آکے آخری دیدار دیکھ لیں

۸۴

زینبؑ نے پھر یہ شمرِ لعیں سے کیا خطاب
خنجر ذرا تو روک لے اے خانماں خراب
اے شمر دل جلے کے جگر کو نہ کر کباب
سر پیٹتے ہیں دیکھ رسولِ فلک جناب
بابا زمیں پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے ہیں
بھائی حسنؑ حسینؑ کے اب گرد پھرتے ہیں

۸۵

اے شمر میں بھی بھائی تک آؤں جو تو کہے
زخموں سے سب یہ ریت چھڑاؤں جو تو کہے
ماں جائے کو گلے سے لگاؤں جو تو کہے
حالِ دلِ ضعیف سناؤں جو تو کہے
میں سیدہ ہوں کو کہ جلی سوگوار ہوں
اے شمر تجھ سے اذن کی امیدوار ہوں

۸۶

یہ سن کے بھی نہ شمر جفا سے ذرا ڈرا
حضرت نے آنکھیں کھول کے قاتل سے یہ کہا
خنجر سے بوسہ گاہِ نبیؐ کاٹنے لگا
وقفہ کر ایک دم کہ لیں بہر کبریا
حسرت رہے دلوں میں نہ کچھ جانبیں کے
خنجر گلے پہ پھیریو تو پھر حسینؑ کے

۸۷

خواہاں نہیں کہ دے مجھے آب و طعام تو
دنیا میں آج تک نہ ہوا ظلم یہ کبھو
ہے آرزو کہ قتل نہ کر ان کے روبرو
خنجر گلے پہ چاٹنے والے ہوں چار سو
جاؤں کہاں میں کہ غریب نحیف ہوں
سر کاٹیو تو شوق سے میں خود ضعیف ہوں

۸۸

سنتا تھا کب کلامِ شہِ دیں وہ بے حیا
حضرت نے جھک کے سجدۂ خالق ادا کیا
خنجر گلوئے شاہ پہ بس پھیرنے لگا
شریاں پہ جب پہونچ گیا وہ خنجر جفا
بنتِ علیؑ آ رہی تھی یہ گھبرا کے گر پڑی
دیکھا گیا نہ خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۸۹

پھر آنکھیں کھول کے یہ کیا شاہ نے کلام
نانا کہاں ہیں دیکھ لیں احوالِ تشنہ کام
دیکھا نہ ایک نے بھی یہ حسرت کا ہے مقام
پھر سوئے چرخ دیکھ کے کہنے لگے امام
گو شمر نے نہ قتل میں وقفہ ذرا کیا
بندے نے تیرے وعدۂ طفلی ادا کیا

۹۰

یہ کہہ کے چپ ہوئے جو شہنشاہ بحر و بر
فریاد کرتی رہ گئی زینبؑ بہ چشمِ تر
سینے سے سر کو کاٹ کے اترا وہ بد گہر
چلائی یہ سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
بانو کی چشمِ نم میں اندھیرا سا چھا گیا
چادر گری جو سر سے بدن تھرتھرا گیا

۹۱
یاں اہلِ بیت میں تو قیامت ہوئی بپا
ہے ہے حسینؑ پیاسے کا لاشے پہ غل ہوا
واں شمر پکڑے گیسوئے سلطانِ کربلا
لٹکائے سر حسینؑ کا اس فوج میں گیا
چوبِ سناں سے کھینچ کے باندھا سرِ حسینؑ
سب کو بلند کر کے دکھایا سرِ حسینؑ

۹۲
بس اے انیسؔ بزم میں ہے نالہ و فغاں
پوچھو ان کے دل سے جو ہیں سخن فہم نکتہ داں
حق ہے کبھی سنا نہیں اس حسن کا بیاں
گویا کہ یہ خلیق کی ہے سربسر زباں
پچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

رباعی

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
فرقت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کا دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

رباعی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

رباعی

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ پلک نواز ہے ذات تری
جنت انھیں اشکوں کے بہانے سے ملی

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

رباعی

رونے میں یہ موسم جو بسر ہوتا ہے
ہر اشکِ عزادار گہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی ہیں مجلسیں آخر رو لو
اب ماہِ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

رباعی

جب خاتمۂ شاہِ خوش اقبال کیا
اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

رباعی

بست و یکم ماہ محرم ہے آج
جس چشم کو دیکھتا ہوں پرنم ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا
اس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

رباعی

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسویں تک گڑا نہ لاشہ جس کا
اس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رباعی

اے یارو محرم کا مہینہ آیا
سر پیٹو غمِ شاہِ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک ڈالو یارو
احمد کا تباہی میں سفینہ آیا

رباعی

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے
گھبراتا ہے کیوں انیسؔ پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط
شبیرؑ سا دستگیر یاں رہبر ہے

مصرع	مرثیہ	مصرع
جب طوق و سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ	۱	غم مثل ہلالِ شبِ اوّل ہوئے عابدؑ اعدا تو بڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
راندوں میں تو محبوسیِ سجادؑ کا غل تھا		ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا
بے دینوں میں تھی تہنیتِ فتح کی اک دھوم اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدِ معصوم	۲	راندوں میں یہ تھا شور کہ ہے بے شہ مظلوم بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں سازنجیر بہ صد رنج و محن تھی		اک ہاتھ میں ماں بہنوں کے اونٹوں کی رسن تھی
تلواریں لیے چار طرف ظلم کے بانی غربت کا الم بے پدری تشنہ دہانی	۳	حلقے میں دل آزاروں کے وہ یوسفِ ثانی وہ طوق کا سنگر وہ سلاسل کی گرانی
مڑ کر کبھی زینبؑ کے رخِ پاک کو دیکھا		بیڑی کبھی دیکھی کبھی افلاک کو دیکھا
لغزش میں نہ تھا ہاتھ کوئی تھامنے والا تھا چاند سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا	۴	صدمے سے گرا پڑتا تھا وہ نازوں کا پالا زنجیر جو ہاتھوں سے چھٹی طوق سنبھالا
مرقد نہ بنا باپ کا یہ فکر بڑی تھی		اک جانِ حزیں لاکھ مصیبت میں پڑی تھی
نرغے میں دل آزاروں کے وہ صاحبِ آزار شیشے سے سوا ہوتا ہے نازک دلِ بیمار	۵	دل سوز نہ کوئی نہ کوئی مونس و غم خوار اس پہ یہ مصیبت کا گراں کوہِ گراں بار
تعویذِ شفا اس کو پنہاتے تو بجا تھا		یاں طوقِ گراں بار کے حلقے میں گلا تھا
دستور ہے بیمار کے ہیں پاؤں دباتے ماتم کی خبر کو ہیں مریضوں سے چھپاتے	۶	پا بیڑیاں بھاری اسے لا کر ہیں پنہاتے ماں باپ کے سر کاٹ کے اس کو ہیں دکھاتے
یہ دکھ نہ کسی صاحبِ آزار نے دیکھے		ہاں بعدِ پدر عابدِ بیمار نے دیکھے
ہنگام سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی عاشور کو غش تھے کہ یکایک خبر آئی	۷	بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
ہوش آیا تو گھر آگ میں جلتے ہوئے دیکھا		ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا
کیا کیا نہ ستم اہلِ شقاوت نے دکھائے جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے	۸	بیمار نے جز شکرِ خدا لب نہ ہلائے کس صبر سے نہوڑا دیا سر پاؤں بڑھائے
تھی فکر گنہ گاروں کی اس رنج و محن میں		بندھوا دیے امت کے لیے ہاتھ رسن میں
تھا صاحبِ اعجاز کو سب طرح کا مقدور تھی نار سے آزادیِ امت انھیں منظور	۹	ہونٹوں کے ہلانے میں خفا ہوتے وہ مقہور وابستہ ہوئے قید نہ بے کس تھے نہ مجبور
زنجیر سے ہر گام پہ لغزش ہوئی پا کو		چھوڑا نہ مگر سلسلۂ صبر و رضا کو

۱۰

پھوپھیاں سرِ ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوئی خواہر
ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھیں مادر
بچیاں تھیں اس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر
افسوس محمد پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزے پہ علم تھا

۱۱

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار
کس درد سے فرماتے تھے سجادِ دل افگار
منہ کاہے سے ڈھانپیں حرمِ حیدرِ کرار
صابر رہو شاکر رہو جو مرضیِ غفار
چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمھیں کم ہے

۱۲

موئے سرِ پرنور سے چہرے کو چھپا لو
لازم ہے تمھیں جبر کلیجوں کو سنبھالو
شکوے کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اٹھا لو
چادر نہیں سر پر تو خطر کیا ہے تمھارا
پردہ رہے امت کا یہ پردہ ہے تمھارا

۱۳

گو آج نہیں محمل و ہودج کی سواری
موقوف رداؤں پہ نہیں شان تمھاری
کل دیکھنا تھیں ناقۂ نورِ ایزدِ باری
تم نورِ خدا ہو تمھیں کیا دیکھیں گے ناری
عریانی سے تم لوگوں کی عزت نہیں جاتی
پوشش جو نہو کعبہ کی حرمت نہیں جاتی

۱۴

یہ کہتے تھے جو قتل کا میدان نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ بے جان نظر آیا
کٹا ہوا زہرا کا گلستان نظر آیا
سوتے ہوئے شیروں کو نیستان نظر آیا
روئیں تو نثارِ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کئی گردنیں قبلے کی طرف ہیں

۱۵

اس شکل سے صحرا میں پڑے تھے وہ دلاور
سوئے تھے کہیں خاک پہ دو بھائی برابر
جس طرح مرقع کہیں ہو جاتا ہے ابتر
دد تھا کوئی پامال تھا گھوڑوں سے سراسر
بُندے سے کوئی پہنے ہوئے پیارا سا پڑا تھا
ریتی پہ کوئی طفل ستارہ سا پڑا تھا

۱۶

سوتا تھا لبِ نہر کوئی ہاتھ کٹائے
تھے جسم لہو میں عوضِ غسل نہائے
تھا خوابِ اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں تو بنائے
دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تازہ جواں تھے
بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

۱۷

تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشۂ بے سر
تھا تیروں کی کثرت سے یہ حالِ تنِ اطہر
گردن پہ نمایاں کئی جا تھے خطِ خنجر
جس طرح عیاں خار ہوں ساہی کے برابر
بخشا تھا سرِ عرش نشیں جو خدا نے
پر کھولے تھے اوس اوجِ سعادت کے ہما نے

۱۸

انوارِ جراحت سے سراپا تھا بدن چور
تھی ریگِ بیاباں عوضِ مرہمِ کافور
اک قبر کو محتاج تھا وہ صاحبِ مقدور
آئینۂ صد پارہ تھا وہ سینۂ پرنور
زخموں میں لہو سینے کے دبنے سے بھرا تھا
زانو تھا جہاں تیر کا واں ہاتھ دھرا تھا

۱۹
پہلو میں تھا اک طفلِ حسینؑ تیر کا مارا
چھوٹا سا گلو تھا بھرا خون سے سارا
جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارا
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے باپ کا پیارا
کچھ داغ جو دل پر تھے تو کچھ داغ جگر پر
اک ہاتھ تو تھا سینے پہ اک ہاتھ پسر پر

۲۰
تھا لاش پہ بے کس کے عجب یاس کا عالم
رونے کو سرہانے کوئی مونس تھا نہ ہمدم
کہتی تھی یہ حسرت تری غربت کے فدا ہم
تھے ہاتھ بندھے اُن کے جو تھے صاحبِ ماتم
تھا گرد کا دامن تنِ صد چاک کے اوپر
شہ رگ سے ٹپکتا تھا لہو خاک کے اوپر

۲۱
اس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پر
آتا تھا جب دور سے طائر کوئی اڑ کر
مرغانِ ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے شہ پر
کہتا تھا کہ کیوں پیٹتے ہو بازوؤں سے سر
غم دیکھے ہیں دنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیماںؑ کا بھی ماتم نہیں دیکھا

۲۲
اس سے یہ بیاں کرتے تھے وہ طائرِ صحرا
گھر لٹ گیا زہراؑ کا قیامت ہوئی برپا
اس سانحہ کی آہ خبر تجھ کو نہیں کیا
بے سر ہے سرِ خاک محمدؐ کا نواسا
یہ وہ ہے رسولِ عربی روتے ہیں جس کو
روتے ہیں اسے سارے نبیؑ روتے ہیں جس کو

۲۳
صحرا کے پرندوں میں یہ تھی درد کی تقریر
بے سر نظر آیا جو انھیں لاشۂ شبیرؑ
آپہونچے جو رانڈوں کو لیے عابدؑ دلگیر
قدموں پہ گرے چھوٹ گئی ہاتھ سے زنجیر
بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرّا گیا لاشہ پسرِ شیرِ خدا کا

۲۴
سر پیٹ کے چلائے یہ سجادؑ دل افگار
صدقے تری مظلومی کے اے سیدِ ابرار
رخصت کے لیے آیا ہے یہ صاحبِ آزار
باندھے ہوئے گردن لیے جاتے ہیں جفاکار
تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

۲۵
بعد آپ کے امت نے یہ کی ہے مری توقیر
پہنایا ہے گردن میں بھی اک طوقِ گلوگیر
اونٹوں کی رسن ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر
جو قافلے سے چھٹ گیا ہے اس کی یہ تعزیر
بیماری میں جو ہم پہ ستم ہو سو روا ہے
شمشیر سے گردن نہ کٹانے کی سزا ہے

۲۶
اعجاز سے اس لاشے نے ہاتھوں کو اٹھایا
پھر حلقِ بریدہ سے یہ عابدؑ کو سنایا
کس پیار سے فرزند کو چھاتی سے لگایا
روؤ نہ کفن ہم نے نہ پایا تو نہ پایا
اے لال یہی خوں بھری پوشاک کفن ہے
جب خاک ملی خاک میں پھر خاک کفن ہے

۲۷
یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہؑ یہ پکاری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپھی جان تمھاری
اے قافلہ سالارِ حرم عاشقِ باری
ایسا نہ ہو مر جائے یہ اللہ کی پیاری
ماں جائے کی مظلومی و تنہائی پہ رو دے
اونٹوں کو بٹھا دو تو بہن بھائی کو رو دے

۲۸

چلائی سکینہؑ مرا ناقہ بھی بٹھا دو
خوش بوئے شہِ مظلوم کی چھاتی کی سنگھا دو
اچھے مرے بھیا مجھے بابا سے ملا دو
سوتے ہیں اگر نام مرا لے کے جگا دو
مارا ہے عبث شمر نے مجھ خستہ جگر کو
دکھلاؤں گی یہ نیل طمانچے کا پدر کو

۲۹

گھبرا کے پکارا عمرِ سعد جفا کار
نیزے لیے ناقوں کے رہیں گرد ستم گار
کہہ دو کہ اٹھے لاشے سے اب عابدِؑ بیمار
اونٹوں سے زمیں پر کوئی اترے نہ خبردار
خولی سے کہو آگے بڑھے لے کے سروں کو
ہاں جلد روانہ کرو اِن نوحہ گروں کو

۳۰

عابدؑ کو تنِ شاہ سے اعدا نے چھڑایا
جب اونٹ چلے رانڈوں نے یہ شور مچایا
جی بھر کے پسر باپ کو رونے بھی نہ پایا
رونا نہ ملا لاشوں پہ فریاد خدایا
کشتے ہوئے سب دفن لعینوں کی طرف کے
لاشے کو نہ گاڑا پسرِ شاہِ نجف کے

۳۱

ہے ہے ہمیں اونٹوں سے اترنے نہیں دیتے
کھینچے لیے جاتے ہیں ٹھہرنے نہیں دیتے
کوشش کفن و غسل کی کرنے نہیں دیتے
مظلوم کو تربت میں بھی دھرنے نہیں دیتے
مٹی نہ ملی لاش کو شاہِ شہدا کی
فریاد نبیؐ کی ہے دہائی ہے خدا کی

۳۲

اس قافلے سے روتے ہوئے عابدؑ مضطر
بیٹھا ہوا تھا کرسی پہ نخوت سے بد اختر
پہونچے پسرِ سعد کے خیمے کے برابر
اور فتح کی نذریں اسے دیتے تھے ستمگر
تھا جشن کا غل کشتیوں میں آتے تھے خلعت
خدام کھڑے شمر کو پہناتے تھے خلعت

۳۳

نوفل پسرِ سعد سے کرتا تھا یہ گفتار
عباسؑ کے شانوں پہ لگائی ہے وہ تلوار
دو خلعتِ پُرزر کا ہوں میں آج طلب گار
جس ضرب سے ٹوٹی کمرِ سیدِ ابرار
کاٹا علمِ شاہ کو شمشیر سے میں نے
مشکیزے میں سوراخ کیا تیر سے میں نے

۳۴

کس فخر سے کرتا تھا بیاں قاتلِ اکبرؑ
کہتا تھا کوئی چھیدا ہے اک تیر لگا کر
اس نیزے سے بے جاں ہوا ہم شکلِ پیمبرؐ
بانوؑ کا جگر شاہ کا دل گردنِ اصغرؑ
ہر زخم کا انعام جدا چاہئے مجھ کو
اس تیر سے پہلو کا صلہ چاہئے مجھ کو

۳۵

کہتا تھا سنا کر اُسے کوئی ستم آرا
رہوار کے پاؤں سے بدن سب کیا پارا
لختِ دلِ شبیرؑ کو ہے اس تیر سے مارا
نوشاہ زمانے سے پُر ارماں سدھارا
کیا قبر میں ہوئے گا قلق ابنِ حسنؑ کو
رنڈسالہ میسر نہیں اک شب کی دلہن کو

۳۶

کہتا تھا کوئی لوٹ کا اسباب دکھا کر
باقرؑ کی یہ ہنسلی ہے سکینہؑ کا ہے گوہر
مقنع یہ دلہن کا ہے یہ بانوؑ کی ہے چادر
شملہ یہ ہے اکبرؑ کا یہ گہوارۂ اصغرؑ
یہ خون میں تر جامۂ شاہِ شہدا ہے
پیوند ہیں جس میں یہی زینبؑ کی ردا ہے

۳۷

عابدؑ نے سنی جب یہ ستمگاروں کی تقریر
فرمایا کہ قبروں میں تو گاڑے گئے بے پیر
نزدیک عمر آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
کی ہے پسر فاطمہ نے کون سی تقصیر
کھلوا دے مرے ہاتھ کہ صدمہ ہے جگر کو
ہیں دفن کروں شیر الٰہی کے پسر کو

۳۸

بے دفن و کفن ہیں جو ید اللہ کے پیارے
بکھرے ہوئے یاں پھول محمدؐ کے ہیں سارے
واللہ گڑا جاتا ہوں میں شرم کے مارے
صحرا میں کوئی ہے کوئی دریا کے کنارے
ان پھولوں کو مقتل سے اٹھا لینے دے مجھ کو
مٹی میں ستاروں کو چھپا لینے دے مجھ کو

۳۹

سفاک نے تب چیں بہ جبیں ہو کے سنایا
تو کوفے میں اب تک سر شبیرؑ نہ لایا
حاکم کا یہ رقعہ ہے مرے نام پہ آیا
صحرا سے خبردار جو لاشوں کو اٹھایا
مرنے پہ بھی راحت تن سرور کو نہ دینا
زنہار کفن سبط پیمبر کو نہ دینا

۴۰

چپ ہو گئے سجاد حزیں سر کو جھکا کر
جیتا رہا گر قید کی تکلیف اٹھا کر
چلائے تن شہ کی طرف منہ کو پھرا کر
گاڑے گا غلام آپ کو اب شام سے آکر
حیدر کی حمایت میں تن شاہ کو سونپا
آئی یہ صدا تم کو بھی اللہ کو سونپا

۴۱

صدقے ہو پدر آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
ہم چین سے یاں سوتے ہیں تم قید میں جاؤ
لاشے کے نہ اٹھوانے کا صدمہ نہ اٹھاؤ
چادر کوئی لٹ جائے تو زینبؑ کو اڑھاؤ
ماتم میں بہن کو نہ بھلا دیجیو بیٹا
ہر وقت سکینہؑ کی خبر لیجیو بیٹا

۴۲

سہنا ہے تمہیں رنج اسیری میں سفر کا
اے نور نظر غم نہ کرو لاشۂ پدر کا
اک بوجھ تو ہے طوق کا ایک بوجھ ہے گھر کا
بابا کے مقدر سے ہے کیا زور پسر کا
دن گذریں گے ایذا کے تو فرصت بھی ملے گی
تم چھوٹ کے جب آؤ گے تو راحت بھی ملے گی

۴۳

یہ سن کے چلے روتے ہوئے عابدؑ بیمار
بے غسل و کفن رہ گئی نعش شہ ابرار
راہی ہوئے خیموں کو اکھڑوا کے ستمگار
جز بیکسی و یاس نہ دل سوز نہ غمخوار
روتے تھے ملک عرش پہ جب روتی تھی زہراؑ
لاشے سے پسر کے نہ جدا ہوتی تھی زہراؑ

۴۴

وہ گرمی کے ایام وہ صحرائے خطرناک
اٹھتے تھے بگولے کہیں اڑتی تھی کہیں خاک
چھپنے کا نہ سایا تھا بجز سایۂ افلاک
ریتی پہ پڑا تھا پسر سید لولاک
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر
اس دھوپ میں سایہ نہ تھا لاش شہ دیں پر

مطلع دوم ۴۵

جب گلشن ایماں کو تلف کر چکے اعدا
ناموس محمدؐ پہ ستم کر چکے اعدا
نیزے پہ سر شہ کو علم کر چکے اعدا
تاراج سب اسباب حرم کر چکے اعدا
کوفے کی طرف لے گئے ناموس نبیؐ کو
گاڑا بھی نہ فرزند رسول عربیؐ کو

۴۶
جنّات کے رونے کی صدا آتی تھی ہر دم
پریاں پسرِ فاطمہ کا کرتی تھیں ماتم
دریا میں یہ تھا شور کہ ہے ہے شہِ عالم
اڑ اڑ کے پرندے بھی فغاں کرتے تھے باہم
فریاد کا غل اٹھتا تھا ہر بار زمیں سے
ریتی پہ برستا تھا لہو چرخِ بریں سے

۴۷
ٹکراتے تھے جب کوہ تو اڑتے تھے شرارے
چلتے تھے درختوں پہ غم و درد کے آرے
جو کھیت نکلتے تھے وہ مرجھائے تھے سارے
اور لوٹتی تھیں مچھلیاں دریا کے کنارے
دانے کا نہ تھا ہوش پرندوں کو جہاں میں
چوپائے نہ منہ ڈالتے تھے آبِ رواں میں

۴۸
کھیتوں پہ جو آتے تھے وہاں اہلِ زراعت
لاشے نظر آتے تھے انھیں آتی تھی رقت
دن بھر تو وہ سب روتے تھے باصد غم و حسرت
اور شب کو گھروں میں بھی نہ تھی غم سے فراغت
کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ سوتے تھے سحر تک
شبیر کی مظلومی پہ روتے تھے سحر تک

۴۹
تب عورتیں کہتی تھیں یہ با دیدۂ پُرنم
کیوں بے خور و بے خواب ہو کس بات کا ہے غم
اشک آنکھوں سے تم لوگوں کے تھمتے نہیں اک دم
بتلاؤ یہ ہے کون سے مظلوم کا ماتم
کھانے جو پکانے ہیں اسی طرح دھرے ہیں
کون اٹھ گیا دنیا سے کہ دل غم سے بھرے ہیں

۵۰
تم لوگوں کے غم کھانے کا کھلتا نہیں احوال
خرمن پہ گری برق کہ کھیتی ہوئی پامال
کیا پیچ پڑا کون سا نقصان ہوا اس سال
املاک ہوئی ضبط کہ دنیا میں پڑا اکال
کچھ جرم کسی طرح کا ٹھہرایا ہے تم پر
کیا حاکمِ جابر کا عتاب آیا ہے تم پر

۵۱
وہ بولے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں آہ
کیا تم سے کہیں ہم پہ جو ہے صدمۂ جانکاہ
تھی تیسری تاریخ محرم کی کہ ناگاہ
وارد ہوا اس دشت میں اک بندۂ اللہ
تھوڑے سے ملازم تھے پہ سب غنچہ دہاں تھے
کچھ پیر تھے کچھ طفل تھے کچھ تازہ جواں تھے

۵۲
ہم نے کبھی دیکھے نہیں اس طرح کے خوش رو
میداں میں تھی جلوہ گری نور کی ہر سو
چہروں پہ لٹکتے تھے عجب حسن سے گیسو
جب ہنستے تھے تب پھولوں کی آجاتی تھی خوش بو
رتبہ چمنِ خلد کا صحرا کو ملا تھا
دریا کی ترائی میں عجب باغ کھلا تھا

۵۳
باندھے ہوئے عمامے وہ کعبے کے مسافر
آقا کے جلو میں بسر و چشم تھے حاضر
چہروں سے غریب الوطنی ہوتی تھی ظاہر
تسبیح زباں ذکرِ خدا صابر و شاکر
وہ چاند سے رخ پیشِ نظر آج تلک ہیں
اندازِ سراپا سے عیاں تھا کہ ملک ہیں

۵۴
تھی کاندھوں پہ شملوں کی عماموں کی عجب شان
گیسوئے سرِ حور کو جن پر کریں قربان
وہ چاند سے سینے وہ سرِ نو سے گریبان
وہ نورِ تنِ پاک عباؤں سے نمایاں
عالم تھا عجب حسن کا ان بے وطنوں پر
بس قطع تھا زیبائی کا جامہ بدنوں پر

۵۵

سنولائے ہوئے رنگ صعوبات سفر سے
دیکھا جو انھیں گر گیا خورشید نظر سے
پردے نہیں سکتے کبھی تشبیہ قمر سے
ہونٹوں پہ زیادہ تھی نزاکت گلِ تر سے
چہرے عرق آلودہ گرمی جو بڑی تھی
ہنگام سحر اوس سی پھولوں پہ پڑی تھی

۵۶

کی کوئی تو کوئی عربی کوئی حجازی
شیرانِ جواں صف شکن و صفدر و غازی
رہوار تھے رانا عربی ترکی و تازی
سجدے تہِ شمشیر کریں ایسے نمازی
جاں بازی و تسلیم و رضا ختم تھی ان پر
آقا پہ تصدق تھے وفا ختم تھی ان پر

۵۷

بے مثل تھا اس فوج میں ایک ایک خوش اطوار
سب میں انھیں دونوں پہ نظر پڑتی تھی ہر بار
دو شخص تھے پر سارے جوانوں میں نمودار
تھا ایک علمدار تو ایک فوج کا سردار
رخسار تھے یا نورِ خدا پیشِ نظر تھا
ذروں میں یہ خورشید وہ تاروں میں قمر تھا

۵۸

ان دونوں میں تھا ایک جواں گیسوؤں والا
قد سرو سا اور حسن میں یوسفؑ سے دوبالا
گرد قمر اس شان سے دیکھا نہیں ہالا
مہرِ فلکِ نور اندھیرے کا اجالا
سب خلق میں وہ حسن میں ممتاز ہوا تھا
سبزہ بھی ابھی خوب نہ آغاز ہوا تھا

۵۹

کیا حسن تھا کیا شان تھی کیا عزت و توقیر
رخساروں پہ بل کھائے ہوئی زلف گرہ گیر
آنکھوں میں بھلی لگتی تھی کیا سرمہ کی تحریر
تھا فرق سے تا ناخنِ پا نور کی تصویر
اخلاق میں شوکت میں شجاعت میں نبیؐ تھا
سایہ جو نہ ہوتا تو رسولِ عربیؐ تھا

۶۰

کس منہ سے کہیں شانِ علمدارِ شہنشاہ
تھی شوکتِ جعفرؑ تو شکوہ اسد اللہؑ
سب کہتے تھے نکلا ہے یہ طوبیٰ کے تلے ماہ
حاضر تھے جلو میں حشم و دبدبہ و جاہ
خورشید بنا جلوہ نما خانۂ زیں پر
گھوڑا دو رکابہ تھا پہ تھے پاؤں زمیں پر

۶۱

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاری سردار
اترے وہ جواں گھوڑے سے صحرا ہوا گلزار
محمل سے حرم خیمے میں داخل ہوئے اک بار
واللہ عجب مصحفِ دیں تھے وہ خوش اطوار
کچھ فکر نہ تھی اور فقط یادِ خدا تھی
تکبیروں کے نعرے تھے نمازوں کی صدا تھی

۶۲

یاں ایک غلامِ حبشی اتنے میں آیا
تم لوگوں کو آقا نے ہمارے ہے بلایا
اور بعدِ سلام آ کے یہ پیغام سنایا
حاضر ہوئے ہم اور سرِ تسلیم جھکایا
خدام پکارے کہ رہے دھیان ادب کا
دربار ہے فرزند شہنشاہِ عرب کا

۶۳

استادہ رہے سامنے ہم جوڑے ہوئے ہاتھ
اللہ رے اخلاقِ شہنشاہ خوش اوقات
تھرا گئے دل خوف سے کی جاتی نہ تھی بات
کی ہم سے غریبوں پہ عجب لطف و عنایات
آداب سے سر قدموں پہ جھکا دیا ہم نے
پہلو میں جگہ دی ہمیں اس بحرِ کرم نے

فرمایا کہ تکلیف ہوئی تم کو نہایت	۶۴	لیکن ہے یہ ہم سب کی ملاقات غنیمت
دیں داروں سے لازم ہے غریبوں سے محبت		اطفال ہیں ساتھ اور یہ ہے عالم غربت
ملتی نہیں مہلت کوئی دم رنج و الم سے		ہم دور وطن سے ہیں وطن دور ہے ہم سے
اس دشت میں تھوڑی سی زمیں دو تو بسائیں	۶۵	ہے جی میں کہ اب یاں سے کہیں اور نہ جائیں
ایذائے سفر سہ چکے راحت بھی اٹھائیں		قبضہ ہوا اس بن میں تو سب کام بن آئیں
جاگیر کی خواہش ہے نہ املاک کی خواہش		لے آئی ہے یاں تک ہمیں اس خاک کی خواہش
قیمت کے نہ لینے پہ کیا ہم نے جو انکار	۶۶	قسمیں ہمیں دے دے کے دیے درہم و دینار
گھر تک ابھی پھر کے نہ پہونچے تھے کہ اک بار		فوجیں ہوئیں کچھ شام کے حاکم کی نمودار
تاریخ ششم کو تو زمانہ ہی پھرا تھا		دو لاکھ سواروں میں وہ مظلوم گھرا تھا
بند اس پہ ہوا ساتویں تاریخ سے پانی	۶۷	سمجھایا پہ اعدا نے کوئی بات نہ مانی
وہ گرمی کے دن اور وہ غضب تشنہ دہانی		مرنے لگے اس سیّدِ مظلوم کے جانی
پانی کے نہ پینے سے جو گھبراتے تھے بچے		کوزے لیے خیمے سے نکل آتے تھے بچے
عاشور کو مرنے پہ مسافر ہوئے تیار	۶۸	تلواریں میانوں سے نکلنے لگیں اک بار
ڈھالوں کا لبِ نہر اٹھا ابر دھواں دھار		ہر سو تھی چمک نیزوں کی اور تیروں کی بوچھار
سرتا بہ قدم خون میں تر ہوتے تھے غازی		تلواروں میں آقا کی سپر ہوتے تھے غازی
حملے جو کیے ظلم شعاروں کو بھگایا	۶۹	دریا سے لعینوں کی قطاروں کو بھگایا
میداں سے پیادوں کو سواروں کو بھگایا		ایک ایک بہادر نے ہزاروں کو بھگایا
کس منہ سے کہیں حال جوانانِ عرب کا		پیاسے تھے ہوا ظہر تلک خاتمہ سب کا
بے سر جو ہوئی فوج تو تنہا ہوئے سردار	۷۰	ہر سمت سے پڑنے لگی تلوار پہ تلوار
جس وقت گرا گھوڑے سے وہ بیکس و بے یار		اک بی بی نکل آئی تھی خیمے سے کئی بار
بکھرائے ہوئے بال وہ آوارہ وطن تھی		عورات نے رو کر کہا ہے وہ بہن تھی
اک بولی کہ آگے کہو کیا گزری پھر اس پر	۷۱	وہ بولے کہ زخمی کے چلا حلق پہ خنجر
تن گھوڑوں سے کچلا گیا تاراج ہوا گھر		اور چھین لی بیدردوں نے اُس بی بی کی چادر
کونین میں اس ظلم کا اک شور پڑا ہے		اس روز سے وہ بے کفن و گور پڑا ہے
شب کو جو زراعت کی حفاظت کو گئے ہم	۷۲	اس بن میں نظر آیا عجب طرح کا عالم
کچھ مرد تھے کچھ بی بیاں کچھ حوریں تھیں باہم		غل ہائے حسینا کا تھا اور کرتی تھیں ماتم
بے جرم و گنہ تیغِ ستم جس پہ چلی ہے		معلوم ہوا وہ کہ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے

۷۳

آواز یہ آتی تھی کہ اے حوریو آؤ
کہتے تھے محمدؐ مجھے لاشہ تو دکھاؤ
غش آیا ہے خاتونِ قیامت کو اٹھاؤ
شبیرؑ کہاں ہیں مری چھاتی سے لگاؤ
ٹکڑے دلِ فرزند کے دکھلاتے تھے حیدرؑ
لاشے کو لیے گود میں چلاتے تھے حیدرؑ

۷۴

یہ سنتے ہی عورات نے اک شور مچایا
شبیرؑ تو خاتونِ قیامت کا ہے جایا
گھبرا کے کہا ہائے یہ کیا تم نے سنایا
اس شمعِ امامت کو لعینوں نے بجھایا
مظلوم کا سر تن سے اتارا گیا ہے ہے
لوگو پسرِ فاطمہؑ مارا گیا ہے ہے

۷۵

دسویں کو ہوئی شہ کے سر و تن میں جدائی
ان کا تو نہ باقی کوئی بیٹا ہے نہ بھائی
اور آج تلک لاش نہ سید کی اٹھائی
تم نے بھی نبیؐ زادے کی تربت نہ بنائی
فرزندِ علیؑ دشت میں بے دفن ہے کب سے
معلوم ہوا ڈر گئے حاکم کے غضب سے

۷۶

تم اوڑھو ردائیں ہمیں دو جنگ کے ہتھیار
ناخوش ہیں نبیؐ تم سے علیؑ تم سے ہیں بیزار
بس آج سے تلوار نہ تم باندھیو زنہار
بے پردہ ہے زینبؑ ہمیں پردہ نہیں درکار
فوجیں بھی جو بھیجے تو نہ حاکم سے ڈریں گے
اب فاطمہؑ کے لال کو ہم دفن کریں گے

۷۷

یہ کہتے ہی عورات نے عریاں کیے سر
آغوش سے بچوں کو بھی بٹھلا دیا رو کر
جلدی سے اتارے انھیں جو پہنے تھیں زیور
اور پھینک دیا سب نے رداؤں کو زمیں پر
اک سینہ زنی تھی کہیں فریاد و بکا تھی
اس غول میں زہراؑ کے بھی رونے کی صدا تھی

۷۸

مردوں نے جو دیکھا کہ چلیں عورتیں باہر
تم روؤ گھروں میں صفِ ماتم کو بچھا کر
گھبرا گئے اور بولے یہ گر کر کے قدم پر
ہم گاڑتے ہیں لاشۂ فرزندِ پیمبرؐ
دیویں گے کفن شاہِ غریب الغربا کو
منھ ہم کو بھی دکھلانا ہے محبوبِ خدا کو

۷۹

یہ کہہ کے چلے بیلچے لے لے کے وہ اک بار
سر لے گئے تھے کاٹ کے سب کے جو ستمگار
اور کیں لحدیں فاطمہؑ کے پیاروں کی تیار
معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہے کون سا سردار
جس خاک پہ ٹکڑے تنِ سرور کے پڑے تھے
یہ لوگ وہاں ششدر و حیران کھڑے تھے

۸۰

کہتا تھا کوئی کس سے کہیں کون بتائے
سب خوابِ عدم میں ہیں کوئی کس کو جگائے
ہم پوچھیں جو لاشوں کا شناسا کوئی آئے
احمدؐ کا نواسا کفن و گور تو پائے
معلوم نہیں کون سی جا وہ شہِ دیں ہیں
لاشے سے صدا آئی کہ مظلوم یہیں ہیں

۸۱

صد شکر کہ آخر ہوئے چہلم کے بھی ایام
مشرق میں جو ہو موت امامِ ذوی الاکرام
کر دے گا خدا دفن و کفن کا بھی سرانجام
مغرب سے امام آتا ہے واں دفن کے ہنگام
رہنے دو زمیں پر نہ اٹھاؤ ابھی ہم کو
ٹھہرو کہ امامِ زمن آیا کوئی دم کو

۸۲

ناگاہ ہوئی سامنے سے گرد نمودار
مقتل کی زمیں ہو گئی سب مطلع انوار
آواز فرشتوں کی یہ آنے لگی اک بار
آپہونچے سیر شاہ لیے عابد بیمار
ہر گام پہ گر پڑتے ہیں یہ زور گھٹا ہے
عمامہ نہیں سر پہ گریباں پھٹا ہے

۸۳

مقتل میں کھڑے ہو کے پڑھی ہے زیارت
بس گر پڑے لاشے پہ نہ تھامی گئی رقت
چلائے کہ اے دلبر خاتون قیامت
بے چین تھا میں آپ سے جب سے ہوئی فرقت
پاس آپ کے سب خاک پہ سویا کیے بابا
ہم اتنے دنوں قید میں رویا کیے بابا

۸۴

کیا ظلم ہے آپ نے اے شاہِ خوش اوقات
افتادہ رہے دھوپ میں (اور اوس) میں دن رات
آگے مرے پہونچوں سے ہوئے تھے نہ قلم ہاتھ
یہ ظلم ہوئے بعد قضا آپ پہ ہیہات
کس ظالم و بے رحم و بد افعال نے کاٹے
لاشے سے صدا آئی کہ جمال نے کاٹے

۸۵

سن کر یہ سخن روئے بہت عابدِ بے پر
پھر دفن شہیدوں کو کیا با دلِ مضطر
جس وقت اٹھانے لگے شہ کا تنِ اطہر
اعجاز امامت سے آئے تھے سبطِ پیمبر
عابد جو گرے پڑتے تھے افراطِ الم سے
شبیر گئے تا بہ لحد اپنے قدم سے

۸۶

رکھنے جو لگا لاشے کو مرقد میں وہ بیمار
اک چادرِ نور آ کے کھنچی قبر پہ اک بار
ناگہ ہوئے تربت سے کئی ہاتھ نمودار
سر کھولے یہ چلاتی تھی زہرا جگر افگار
بے کس کو نبی زادے کو مغموم کو لاؤ
میں صدقے ہوں لاؤ مرے مظلوم کو لاؤ

۸۷

حیدر کی صدا آتی تھی ہے ہے مرا پیارا
آہستہ اٹھاؤ کہ بدن چور ہے سارا
کہتے تھے نبی امتِ بے دین نے مارا
ان باغیوں نے لوٹ لیا باغ ہمارا
بلوا کے مدینے سے مسافر پہ جفا کی
اچھی ہوئی دعوت پسرِ شیرِ خدا کی

۸۸

مٹی جو لگے قبر میں سجاد گرانے
اس وقت لگی قوم، سب خاک اڑانے
منہ پیٹ لیا ہاتھوں سے محبوب خدا نے
زہرا کبھی تھیں پائینتی اور گاہ سرہانے
گھبرائے ہوئے گردِ لحد پھرتے تھے حیدر
اٹھتے تھے کبھی اور کبھی گرتے تھے حیدر

۸۹

اب وقت خموشی ہے انیسِ جگر افگار
بیتاب ہیں رقت سے شہِ دیں کے عزادار
مولا سے یہ کر عرض کہ یا سیدِ ابرار
ہوں آپ کی سرکار سے عزت کا طلب گار
برگشتہ زمانہ ہے مدد کیجیو مولا
نا قدروں کے احساں سے بچا لیجیو مولا

رباعی

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے
ہر نفس میں داغوں کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے درد عزا
جب دیکھیے یہ زخم کہن تازہ ہے

مرثیہ

۱
ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہِ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

۲
گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد
جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد
ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

۳
ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
جب ہو سفر خوف و پریشانیِ خاطر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لیے رنج و تعب ہے
رہ جائے پسِ قافلہ چھٹ کر تو غضب ہے

۴
دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
منزل پہ پہونچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
درماندوں کو لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

۵
ہر دم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پُر نم
ہوتا ہے عجب صاحبِ اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

۶
ہوں ساتھ جو بابا کے تو یاد آتی ہے مادر
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر
مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پر
اور دن کے تو اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انھیں دشمن سے اماں ہو
جن بچوں کے سر پہ نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

۷
بچے بھی وہ بچے جو نہ نکلے کبھی گھر سے
نہ راہ سے آگاہ نہ ایذائے سفر سے
ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی بر سے
وہ چھٹ گئے کوفے میں پہونچتے ہی پدر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلمؑ
بیٹوں کی تباہی کے لیے روتے تھے مسلمؑ

۸
جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر
منہ سے یہی نکلا تہِ خنجر دمِ آخر
رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
فرزندِ محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
روتے تھے علیؑ فاطمہؑ سر کھولے کھڑی تھی
تھا نیزے پہ سر لاش تہِ بام پڑی تھی

۹
جب قتل ہوا ایلچیِ سیدِ والا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
ننھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اٹے تھے

۱۰

پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا
سونے بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا
تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

۱۱

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے
ہم بنتے نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
پانی تو بھلا منہ میں دمِ مرگ چواتے
کاندھوں پہ پسر باپ کے لاشے کو اٹھاتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

۱۲

مظلوم کی تربت کا پتہ اب بھی جو پائیں
رخصت کے لیے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
تعویذِ مزارِ پدر آنکھوں سے لگائیں
سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سلا کر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

۱۳

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی
اور قتل کی بابا کی خبر ان کو سنائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دے کے دہائی
بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں گے

۱۴

ہم سا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی مجبور
تیجا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
وارد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور
ماں دور، پدر دور، چچا دور، وطن دور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں
بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

۱۵

اک ایک لعیں کوفے میں دشمن ہے ہمارا
اک دوست تھا ہانی سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی سہارا
غربت میں ہمیں باپ کے مر جانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہِ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پسر ہیں

۱۶

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجرِ پدر میں
تصویرِ اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر میں
بیٹوں کو نہ مسلمؑ کے چھپائے کوئی گھر میں
بتلا دے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہ گار کے فرزند ہیں دونوں

۱۷

معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
دانا وہ ہے جو گوہرِ عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اس کا لٹے گا
مر جائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

۱۸

تھراتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
تھے شہر کے دروازے سرِ شام سے معمور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرم و مسرور
جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھیں گھر گھر میں
منہ ڈھانپے ہوئے بی بیاں روتی تھیں گھروں میں

۱۹
کہتی تھی کوئی کیا کریں کیوں کر انھیں پائیں
جلادوں سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
جاسوسوں کا خطرہ ہے کہاں ڈھونڈھنے جائیں
ہم دل کی طرح ان کو کلیجوں میں چھپائیں
آقا ہیں وہ اُس کے جو غلامِ شہِ دیں ہے
ہم لونڈیاں حاضر ہیں جو یاں سر پہ نہیں ہے

۲۰
کیا روزِ سیہ چرخ نے بچوں کو دکھایا
سات آٹھ برس کا تو سِن اور دیس پرایا
ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ماں باپ کا سایا
جانیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
بس کچھ نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے
بچے ہیں پردیس میں اللہ بچائے

۲۱
شیعوں کے گھروں میں تو تھی یہ گریہ و زاری
ناکے پہ معیں کہہ گئے آ کر کئی باری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفے میں ناری
ہوشیار خبردار اگر جان ہے پیاری
احکام میں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

۲۲
وہ طفل حسین بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
گر ہو گرفتار جو آ نکلیں ادھر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں لپیٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں ہیں سر دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

۲۳
ہے مہرِ درخشاں سے فزوں حسن کا پرتو
کوفے سے نکل جانے کی ہے ان کو تگ و دو
مہتاب سے روشن ہیں یہ رخساروں میں ہے ضو
پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانندِ مہِ نو
گورے ہیں گلے جلوہ نما کرتوں میں تن ہیں
لب پنکھڑیاں گل کی ہیں غنچے سے دہن ہیں

۲۴
پیشانیاں دونوں کی جو ہیں ماہِ منور
تعویذوں کی دو ہیکلیں ہیں سینوں کے اوپر
سجدوں کے چمکتے ہیں نشاں صورتِ اختر
ہلتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
بھاگے ہیں بُرا وقت جو دونوں پہ پڑا ہے
اک عمر میں چھوٹا ہے کچھ اور ایک بڑا ہے

۲۵
ہر ناکے پہ تھا حکم یہ ان دونوں کی خاطر
اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینے کے مسافر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
کوئی نہ مددگار تھا نہ حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

۲۶
ناکے تلک آ پہونچے نہ تھے وہ جگر افگار
چلایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار
جو دیکھ لیا ان کو کسی شخص نے اک بار
جاتے ہو کہاں بھاگ کے ہم آ پہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں
سر تا بہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں

۲۷
بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی
اعدا ہمیں لینے نہیں آئے اجل آئی
مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
آئے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر
منت بھی کریں گے تو نہ مانیں گے ستمگر

۲۸
یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفاجو
بچوں پہ اٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بدخو
اور باندھ لیے رسی سے اِن دونوں کے بازو
کہتا تھا کوئی ہے چلو کھینچے ہوئے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دامِ بلا میں تو پھنسے ہیں
بازو کہو پھر کس لیے رسی سے بندھے ہیں

۲۹
جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے
جلادوں میں معصوموں کے تھے جاں کے لالے
بازار میں بے تاب تھے سب دیکھنے والے
کہتے تھے ہر اک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو
رسی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

۳۰
پہونچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سرِ دربار
تھا تختِ مرصع پہ مکیں حاکمِ غدار
خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تنِ زار
بیٹھے ہوئے سب کرسیوں پر چھوٹے بڑے تھے
رسی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

۳۱
معصوموں سے کہنے لگا یوں حاکمِ ملعون
صدمے سے یتیموں کا ہوا حال دگرگوں
اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
تھرا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزوں
ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
بابا تھے گنہگار گنہگار ہیں ہم بھی

۳۲
بولا کوئی معصوم ہیں یہ بے کس و دلگیر
یہ بچوں سے اقدام نہیں لائقِ تعزیر
دہشت کے سبب کانپتے ہیں رنگ ہے تغییر
ناداں ہیں کم سن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر
طاقت ہے کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
بھولے ہیں بہت ڈھونڈتے ہوویں گے پدر کو

۳۳
چپ رہ گیا وہ دشمنِ دیں سر کو جھکا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
سنیو نہ جو منت بھی کریں اشک بہا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پاوے
قفلِ درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

۳۴
دیجو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا
یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
بازو نہ کھلیں رسی سے جب تک ہیں توانا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

۳۵
اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ ماہ لقا بند
دل بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پا بند
جس حجرے کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
سر کو در و دیوار سے ٹکرا کریں دونوں
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں

۳۶
یہ سن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہباں
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ ناداں
اک حجرے میں قیدی ہوئے دونوں مہ تاباں
در کھول دو للہ نہیں تن سے چلی جاں
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پہنا دو

۳۷

دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد
مادر کو کبھی چلائے پدر کو کبھی کیا یاد
کب کھولتے ہیں طائرِ پر بند کو صیاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

۳۸

تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات
معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
تکیے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
تھی پیشِ نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

۳۹

دیواریں نہ چھید نہ دروازوں میں روزن
وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں روشن
چپ بیٹھے تھے پہروں وہ جھکائے ہوئے گردن
بوندیں بھی پسینے کی ٹپکتی تھیں زمیں پر
بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زمیں پر

۴۰

ہر صبح یہ معمول تھا منھ اشکوں سے دھونا
دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا
ہر رات کو خاک اوڑھنا اور خاک بچھونا
جز شکرِ خدا منھ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
سر خاک پہ نہوڑائے ہوئے رہتے تھے دونوں

۴۱

فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام
جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام
جو مالکِ زنداں تھا وہ آتا تھا سرِ شام
دیتا انھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالمِ اظلم کے غضب سے
اٹھ اٹھ کے سلام اسکو وہ کرتے تھے ادب سے

۴۲

کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے
قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

۴۳

سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
دیکھو تو نہ سر پر ہے پدر اور نہ مادر
جا گہ نہیں شکوے کی کرو صبر برادر
تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمیں ہوتا ہے میسر
قسمت سے زیادہ ہمیں یہ نانِ جویں ہے
منھ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے

۴۴

ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار توانا
پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
موت آئی تو اس قید میں مر جائیں گے بھائی
جیتے ہیں تو یہ دن بھی گذر جائیں گے بھائی

۴۵

رزاقیِ معبودِ حقیقی پہ کرو غور
دنیا سے جو دور ہیں اُن لوگوں کا ہے دور
اس قید میں تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور
ہم اور، مکاں اور، زمیں اور ہوا اور
ہیں قید میں جس کی وہی دے جاتا ہے کھانا
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہے کھانا

۴۶

زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سلایا
خاصانِ خدا نے بھی سدا رنج اٹھایا
دن بھر جو میسر نہ ہوا رات کو کھایا
دکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث میں آیا
عسرت رہی دنیا میں شہِ عقدہ کشا کو
فاقے تو گزر جاتے تھے محبوبِ خدا کو

۴۷

یہ قید کے دن شکرِ الٰہی میں گزارو
صابر رہو، شاکر رہو، ہمت کو نہ ہارو
جو مرضیِ معبود ہے دم اس میں نہ مارو
روٹی جو پھنسے پانی کے گھونٹوں سے اتارو
رزاقِ دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذت ہے تو نعمت اسے سمجھو

۴۸

ظاہر میں رگیں تن کی بدن زرد ہے سارا
کیوں روتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
کھاؤ کہ عبادت کا رہے جسم میں یارا
یہ بھی نہ میسر ہو تو کیا زور ہمارا
دادا نے سدا نانِ جویں کھائی ہے بھائی
تب فقر کی دولت انھیں ہاتھ آئی ہے بھائی

۴۹

گھبراتے ہو کیوں، روتے ہو کس واسطے ہر بار
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار
خالق ہے اسیروں کا یتیموں کا مددگار
ماہی کے شکم میں رہے کب یونسِ بیدار
تا زندگی زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
یوسف نہ چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے

۵۰

محبوس ہماری ہی طرح تھے مہِ کنعاں
زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
کاہش تھی یہی اور یہی سختیِ زنداں
خالق نے رہائی کا مگر کر دیا ساماں
چھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کون رہا ہے
اُن کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہے

۵۱

جب چاہ سے نکلے تو اٹھائی وہ تباہی
کیا دور ہے ہو جائے اگر فضلِ الٰہی
اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
بندوں پہ ہے اس کا کرم لا متناہی
دنیا کی امارت ہو تو خواہش ہمیں کب ہے
ہم کو تو فقط اس سے رہائی کی طلب ہے

۵۲

چھوٹے نے کہا سب ہے بجا آپ کا ارشاد
ہم سا تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی ناشاد
بھائی بشریت سے یہ ہے نالہ و فریاد
چھوٹے بھی تو ہوں گے نہ کبھی رنج سے آزاد
یعقوبؑ نے چھاتی سے لگایا تھا پسر کو
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پاویں گے پدر کو

۵۳

گزرا جو اسی طرح انھیں قید میں یک سال
تن خشک ہوئے زور گھٹے سر کے بڑھے بال
تھا دونوں کا افراطِ نقاہت سے عجب حال
خم ہو گئے کاہش سے مہِ عید کے تمثال
تن ضعف سے فرسودہ و لاغر ہوئے دونوں
رخ زرد مثالِ ورقِ زر ہوئے دونوں

۵۴

بچوں کو لڑکپن میں ضعیفی نے کیا پیر
تھی تن کو نہ پہروں حرکت صورتِ تصویر
سر چھاتیوں پر جھک گئے حالت ہوئی تغییر
یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
رونق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی
منظر سے نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

۵۵

ہم چشمیِ نرگس سے جو آنکھوں کو رہا ننگ
رخساروں کا اُن نازوں کے پالوں کے تھا یہ ڈھنگ
جوں مردمِ بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
جس طرح عرق کھینچے ہوئے پھولوں کا ہو رنگ
جو گورے گلے مثلِ قمر نور فشاں تھے
وہ تار سے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے

۵۶

ناخن تھے سیہ نو سے جو بالائے انامل
اعضا میں عوض خوں کے حرارت ہوئی شامل
سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہوئے وہ مہِ کامل
تھے ضعف کی تصویر وہ دُکھ درد کے حامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا ان کو
اٹھنے کے تصور میں غش آ جاتا تھا اُن کو

۵۷

کاہیدہ تھے مثلِ تنِ مدقوق تنِ زار
رکھتا تھا جو دم زیست سے دق تھے وہ گرفتار
ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہِ گراں بار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
اک بال ہو جس طرح سے آئینے کے اندر

۵۸

تقلیلِ غذا، قید کا دُکھ، باپ کا ماتم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
گھل گھل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
افسوس یوں ہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
نے قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی

۵۹

پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گورِ کنارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے
مٹی نہ وطن کی بھی نصیبوں میں ہمارے
مر جائیں تو مرقد میں ہمیں کون اُتارے
ہم سا بھی کوئی بیکس و مغموم نہ ہوگا
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہوگا

۶۰

کیا پوچھی نہ ہوگی خبرِ والدِ ذی جاہ
کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ
دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
اب اوروں کی الفت ہے ہماری نہیں کچھ چاہ
کہا ہے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں موئے ہم
دو بیٹے تو ہیں پاس ہوئے یا نہ ہوئے ہم

۶۱

اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
جیتے ہیں کہ مرتے ہیں خبر یہ نہ منگائی
گذرا ہے برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
یا یہ کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
منہ چومتی تھیں صدقے کبھی ہوتی تھیں ماں
ہم گھر سے جو نکلے تو بہت روتی تھیں اماں

۶۲

ہنگامِ سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
رستے میں خط آیا تو یہ لکھا تھا بہ تکرار
بے اُن کے مجھے چین نہیں پڑنے کا زنہار
صاحب مرے بچوں سے خبردار! خبردار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں
بھجوا دو مرے پاس جو روتے ہیں سفر میں

۶۳

کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹ کے جائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر اُن کے جھکائیں
کیا دوڑ کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دور ہے بھائی
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی

۶۴

بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لائے
بپھرے ہوئے عباسِ علیؑ شیر سے آئے
ہم شکلِ نبیؐ بھائیوں کو آکے چھڑائے
کوفے کو اُلٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
اللہ رکھے ان کو یہ دم ہم میں نہیں ہے
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہے

۶۵

کس طرح کہیں بھول گئی ہو دیں گی نہ در
کیا جانے کس آفت میں ہیں فرزندِ پیمبرؐ
سب بیٹوں سے اپنے انھیں الفت ہے برابر
وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
سنتے کو مدد اُن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچّوں کی رہائی کی نہ کرتے

۶۶

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زنداں
چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا باتنِ لرزاں
اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہباں
ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مردِ مسلماں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال جو پنیے تو کہا چاہتے ہیں ہم

۶۷

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
شکوے کا مگر حرف زباں پر نہیں آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا

۶۸

گذرا ہے برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
چلّا کے ترے ڈر سے نہیں رات کو روتے
پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوتے
قیدی چھٹے اکثر یہ رہا ہم نہیں ہوتے
ہم سے ترا سردار عبث برسرِ کیں ہے
کچھ جرم نہیں ہے کوئی تقصیر نہیں ہے

۶۹

تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
وارث کوئی سر پر نہیں پابندِ بلا ہیں
احساں کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ وفا ہیں
اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کڑی روز سے کھائی نہیں جاتی

۷۰

رکھتا ہے بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا
رہ جاتا ہے عالم میں کریموں کا فسانا
بھوکوں کو طلب کر کے سخی دیتے ہیں کھانا
نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا
محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیں گے تجھ کو
کام آج ہمارے تو دعا دیں گے تجھ کو

۷۱

دونوں نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے
ہاتھ اس کی دعا کے لئے دونوں نے اُٹھائے
زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے
کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو
اے شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہے تو

۷۲

وہ کہنے لگا ان سے میں کیوں کر نہیں آگاہ
لڑکوں نے کہا حیدرِ صفدرؑ سے بھی ہے راہ
مختارِ جہاں ختمِ رسل سیدِّ ذی جاہ
بولا مری تسبیح ہے نامِ اسد اللہ
نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبیؐ کا
حیدرؑ تو چچازاد برادر ہے نبیؐ کا

۷۳
وہ حق کا ولی ہے وہ امامِ دو جہاں ہے
کعبے کی طرح اس کا شرف سب پہ عیاں ہے
وہ قبلۂ دیں ہے وہ شہِ کون و مکاں ہے
اللہ کا ہاتھ اور محمدؐ کی زباں ہے
جو اس سے جدا ہے وہ محمدؐ سے جدا ہے
دنیا میں علیؑ ایک ہے اور ایک خدا ہے

۷۴
کون ایسا ہے حیدرؑ سے جو آگاہ نہیں ہے
آفاق میں حیدرؑ سا شہنشاہ نہیں ہے
گمراہ ہے وہ اُن سے جسے راہ نہیں ہے
جو کہیے وہ سب کچھ ہے پہ اللہ نہیں ہے
حق سے نہ جدا وہ ہے نہ حق اس سے جدا ہے
آقا تو ہمارا ہے نصیری کا خدا ہے

۷۵
یہ سنتے ہی جاں آ گئی ان دونوں کے تن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں
گم ہو گیا دہشت سے جو لرزا تھا بدن میں
گویا کہ بہار آ گئی ہستی کے چمن میں
چہرے سے خوشی ہو کے وہ ہر دو نکل آئے
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

۷۶
بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
جھوٹے نہیں دریائے صداقت کے گہر ہیں
واللہ ہمیں مسلمؑ بیکس کے پسر ہیں
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبرؐ ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

۷۷
یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مردِ خوش اطوار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
بخشو مجھے میں نے تمھیں گھر کا تھا کئی بار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

۷۸
میں تم پہ فدا اے اسداللہ کے پیارو
بندہ میں تمھارا ہوں مجھے قدموں پہ وارو
گر کہیے میں نئے لاؤں یہ ملبوس اتارو
لو زادِ سفر مجھ سے جلد ہر جا ہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبرؐ سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدرؑ سے نہ کیجو

۷۹
قدموں سے اُٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے
تو خالقِ اکبر سے جزا حشر میں پائے
حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں
بھائی ترے بچے ترے سائے میں جواں ہوں

۸۰
دینے لگا رو کر وہ انھیں درہم و دینار
احساں یہ ترا تھوڑا ہے اے مردِ خوش اطوار
شرما کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
توشہ ہے توکل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
بتلا دے پتا ہم کو جگر بندِ نبیؐ کا
لشکر ہے کہاں سبطِ رسولِ عربیؐ کا

۸۱
کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے
ساتھ اُن کے تھے سب حیدرؑ کرار کے پیارے
یاں آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
بچے ہیں ابھی ہیں کہ کہیں دور سدھارے
کے راتیں ہمیں کاٹنی ہوویں گی وطن تک
کے روز میں پہنچیں گے شہنشاہِ زمن تک

۸۲
حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دے
جس سمت چچا ہوں اسی رستے پہ لگا دے
جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دے
کیا دور ہے خالق ہمیں بچھڑوں سے ملا دے
مطلوب زیارت ہے ہمیں شاہِ زمن کی
کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی

۸۳
چاہا بہت اس نے کہ یہ بچوں سے چھپا لے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے
مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
کیوں خیر تو ہے آنکھوں سے کیوں اشک بہائے
وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شبیرؑ
ہم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شبیرؑ

۸۴
جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو نہ بن آیا
دنیا میں کہاں ہے اسداللہ کا جایا
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ بچوں کو سنایا
گھر فاطمہؑ کا خاک میں اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جواں کوئی نہیں ہے
عابدؑ کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہے

۸۵
عاشور کے دن ذبح ہوئے سبطِ پیمبرؐ
رانڈوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور
خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر
دیکھا حرمِ شاہ نے دربار شقی کا
کوفے میں سر آیا تھا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۸۶
دنیا میں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ نہ شبیرؑ
یاں تک کہ ہوئے قتل علیؑ اصغرِ بے شیر
سب چھوٹے بڑے ہو گئے زیرِ دمِ شمشیر
مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
کیونکر اسداللہ کے پیاروں سے ملو گے
اب جا کے ملو گے تو مزاروں سے ملو گے

۸۷
یہ سنتے ہی معصوموں پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری
تڑپے یہ زمیں پر کہ غش آیا کئی باری
دشمن کوئی سن لیوے نہ آواز تمہاری
ظالم ہے وہ حاکم پہ نہیں زور کسی کا
یاں ڈھونڈھ کے خوں کرتے ہیں فرزندِ علیؑ کا

۸۸
وہ کہتے تھے کس طرح کلیجوں کو سنبھالیں
گھر خاک ہوا سر پہ بھی ہم خاک نہ ڈالیں
اب چھاتیوں کو توڑتے ہیں آہوں کی بھالیں
دم رکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہے ہے
ہم قید میں جیتے ابا چچا مر گئے ہے ہے

۸۹
گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر
جلدی سے اٹھے واں سے وہ بہ حالتِ تغیر
بہتر ہے اسی شب میں نکل جانے کی تدبیر
باندھیں کمریں اور وہ نیچے ہوئے رہ گیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جس طرح گریزاں ہو قمر چھٹ کے گہن سے

۹۰
جب مسلمِ بے کس کے پسر قید سے چھوٹے
دکھ سہہ کے عزادارِ پدر قید سے چھوٹے
آوارۂ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اٹے تھے

۹۱
وہ شہرِ پُر آشوب وہ غربت وہ شبِ تار
ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار
ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
دل اُن کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تنِ زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونوں
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علی پڑھتے تھے دونوں

۹۲
پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی
رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
اب تو ہمیں نیند آتی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

۹۳
دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے
کہتے ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

۹۴
لب پر نفسِ سرد بھرے آنکھوں میں آنسو
ہاتھوں میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو
غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گل رو
دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آ کے جفا جو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چار طرف تکتے تھے دونوں

۹۵
اک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
یوں کہنے لگا اس سے بصد عجز وہ ذی جاہ
داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ
اک دو پہر اس گھر میں اماں دے ہمیں للہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں
مظلوم ہیں سیّد ہیں گنہگار نہیں ہیں

۹۶
اس بستی میں دیندار نظر آئی ہمیں تو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گل رو
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہیں قرابت تو رسولِ عربی سے
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کہیو نہ کسی سے

۹۷
وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمنِ سادات
پر صاحبِ خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
گر دیکھ لیا اس نے تو بچنے کی نہیں بات
لونڈی ہوں میں زہرا کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اسی ظالمِ بدذات کا ڈر ہے

۹۸
وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
درکار ہے نہ فرش، نہ تکیہ، نہ نہالی
واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ ہو جو خالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ پڑی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

۹۹
دونوں نے بہ منت جو کہا اس سے یہ رو رو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی بچو
تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اس کو
میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہمان ہوئے جا کر تم اجداد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

۱۰۰
کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
اور سوئے ہم مسلم مظلوم کے جانی
دروازے پہ آ پہونچا اُدھر ظلم کا بانی
چلایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آکر

۱۰۱
یہ سن کے ضعیفہ کو لگا کانپنے اندام
دربار سے پھر روز تو آتا تھا سرِ شام
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام
چلا کے وہ بولا کہیں تھا تجھے کیا کام
در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں گھر کو

۱۰۲
در کھولا تو گھس غیظ سے آیا وہ بد افعال
تھی ریش تو اُلٹی ہوئی مونچھوں کے کھڑے بال
پھینکا کہیں خنجر، کہیں تلوار، کہیں ڈھال
اور دیدۂ بد بین تھے جوں ساغرِ خوں لال
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

۱۰۳
پاس آ کے ضعیفہ نے بہت باتوں میں گھولا
کھینچا کبھی خنجر، کبھی تلوار کو تولا
تیوری وہ چڑھائے رہا کچھ منھ سے نہ بولا
کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوٹا نہ پھپھولا
ہاتھوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں آکر
رہ جاتا تھا غصے سے کبھی ہونٹ چبا کر

۱۰۴
اس طیش میں کھانا بھی نہ جلاد نے کھایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش اُسے آیا
پھر خوابِ اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنے کو جگایا
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

۱۰۵
تاریک مثالِ دلِ کافر تھا وہ سب گھر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
ہر سو صفتِ گرگ لگا ڈھونڈھنے اُٹھ کر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
واں مسلمِ مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک برج میں دو عرش کے تارے نظر آئے

۱۰۶
جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تن زار
سوتے تھے دھرے پیار سے رخسار پہ رخسار
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدۂ خونبار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
آئینہ نظر آتا تھا آئینے کے اندر

۱۰۷
بازو پہ جو چھوٹے کے پڑا دستِ جفاکار
جھنجھلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار
تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اک بار
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل افگار
جس بات کا ڈر تھا وہ آفت کی گھڑی ہے
کیا سوتے ہو اٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

۱۰۸
گھبرایا ہوا خوف سے اٹھا وہ دل آرام
وہ بولے اماں دے گا جو بتلائیں تجھے نام
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکس و ناکام
اس نے کہا ہاں دوں گا تو بولے وہ گل اندام
کھینچے ہوئے ہے ہاتھ میں تو تیغِ جفا کو
ڈر لگتا ہے تجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو

۱۰۹
منگار تھا گننے کو سب ہے مجھے منظور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بے کس و مجبور
پیماں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور
اے شخص نہیں ہیں یہ پسر مسلم مغفور
تھا قتل کا ڈر اس لیے گھبرا کے چھپے ہیں
کر رحم کہ دامن میں ترے آ کے چھپے ہیں

۱۱۰
سنتے ہی جفاکار نے بس آنکھ کو موڑا
رسّی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
یوں بازوؤں کو زور سے جکڑا کہ نہ چھوڑا
بچّوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچّے
پر حجرے سے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچّے

۱۱۱
دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد
دروازے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد
بچّوں پہ یہ دکھ، ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
کم زور تھے یہ اور زبردست وہ جلّاد
کرتے بھی پھٹے ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے
مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

۱۱۲
جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار
چلّاتی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افگار
دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفاکار
بن باپ کے بچّے ہیں یہ ظالم نہ انھیں مار
کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمد کے چمن میں

۱۱۳
بچّوں سے لپٹتی تھی جو وہ کھولے ہوئے سر
وہ کہتی تھی کہ ان کے عوض قتل مجھے کر
تلوار کے ہولوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
ہے ہے مرے مہمان ہیں یہ بے کس و مضطر
آنکھوں سے قدم اُن کے لگانے نہیں پائی
کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی

۱۱۴
جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی گئی باری
پہلے تو کہا لو میں تصدق ہوئی واری
تلوار اُسے جھنجھلا کے ستمگار نے ماری
گرتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
دوڑو کوئی معصوم گرفتارِ بلا ہیں
بچّوں کو چھڑا دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں

۱۱۵
روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہ رو
کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو
بہہ بہہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
اک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو
خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ڈرے تھے
دہشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے

۱۱۶
بچّوں کو لیے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر
اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بے کس و دلگیر
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے

۱۱۷
وہ بولے کہ مطلوب ہے گر زر ہمیں دو دینار
وہ جنس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
راضی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر بازار
ہم سے کہیں ملتے ہیں غلامانِ وفادار
یوسفؑ کی طرح موتیوں میں جب کہ تلیں گے
ان لعلوں کے عقدے تجھے اس وقت کھلیں گے

۱۱۸

گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر بد عبث بے جا
دربارِ ستمگار میں جیتا ہمیں لے جا
دل آپ ہے وحشت سے لرزتا ہے کلیجا
وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہے قتل کو بھیجا
آلودہ لہو میں رخِ انور نہیں دیکھے
جیتا تمھیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

۱۱۹

لڑکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے
گر لیویں نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہے
جانوں کو بچالیں یہ نمازیں کو بجا ہے
وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

۱۲۰

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر
سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر
جا بیٹھا تہِ تیغِ دودم سر کو جھکا کر
تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

۱۲۱

یہ کہتا تھا تلوار بڑے پر نہ علم کر
وہ کہتا تھا پہلے مرا سر تن سے قلم کر
ڈر قہرِ خدا سے یہ جفا کر نہ ستم کر
مل لیویں گلے بھائی کے وقفہ کوئی دم کر
اک وار میں سر دونوں کے تن پر سے اتر جائیں
ہیں ساتھ ہی رسی میں بندھے ساتھ ہی مر جائیں

۱۲۲

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تنِ اطہر
بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر
چلا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر
دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دستِ عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

۱۲۳

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارہ
مادر کو پکارا، کبھی بابا کو پکارا
چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
جلاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اتارا
دھبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

۱۲۴

جب تک کہ تڑپتا رہا اس کا تنِ لاغر
چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر
ٹھہرا رہا پانی میں بڑے کا تنِ اطہر
جا لپٹا بصد شوق برادر سے برادر
اک ڈوبتے تھے گاہ ابھر آتے تھے دونوں
خورشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونوں

۱۲۵

خاموش انیس اب کہ ہے دل پر الم و رنج
دنیا کی دورنگی سے نہ کر دل میں کشش و پیچ
یہ مرثیہ آلیں گے جواہر میں سخن سنج
مومن جو ہیں ان کے لئے یاں رنج ہے واں گنج
مطلب ہے کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
لیویں گے صلا اس کا حسینؑ ابنِ علیؑ سے

مرثیہ

۱

مسجد میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے
سبطِ رسولؐ جب کہ امامِ زمن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؐ ہوئے
ممنونِ فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خلقِ حسنؐ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

۲

حلّالِ مشکلات امیر و فقیر تھے
قائم مقامِ سرورِ گردوں سریر تھے
اور شاہِ لافتیٰ کے معظم وزیر تھے
یکتا گوہرِ نسب میں عدیم النظیر تھے
نانا رسولؐ بادشہِ مشرقین سا
بازو اگر دیا تو خدا نے حسینؐ سا

۳

لکھا ہے یوں بحار میں راویِ خوش کلام
خدّام تھے سواری میں سرگرمِ اہتمام
اک دن سوار جا کے تھے شاہِ ذوالاحترام
جھکتے تھے صف بہ صف پئے تسلیم خاص و عام
تھی روشنی زیادہ تجلّیِ طور سے
رستے بھرے تھے نورِ الٰہی کے نور سے

۴

ناگاہ آیا سامنے اک مردِ خیرہ سر
منھ سے کلامِ سخت کیے اس نے بیشتر
اور جانبِ امام درشتی سے کی نظر
ترکِ ادب ہے لاؤں اسے کس زبان پر
سمجھا نہ رتبۂ شہِ عالی مقام کو
دشنام دی امام علیہ السلام کو

۵

جب کر چکا وہ بے ادبانہ یہ سب کلام
اور مسکرا کے آپ نے کی سبقتِ کلام
حضرت نے اس کا دیکھ کے منھ روک لی لگام
فرمایا کیوں ہے غیظ میں اے مردِ نیک نام
شاید اسیرِ دامِ بلا و محن ہے تو
مجھ کو گماں یہ ہے کہ غریب الوطن ہے تو

۶

مجھ سے سوال کر کہ میں حاجت روا کروں
گر تو مریض ہے تو شفا کی دعا کروں
اور دردِ مفلسی ہو تو اس کی دوا کروں
مقروض گر تو ہو وے تو اس کو ادا کروں
تنہا ہے گر تو آ کے مرا غمگسار ہو
پیدل ہے گر تو گھوڑے پہ میرے سوار ہو

۷

گر عازمِ سفر ہے تو لے مجھ سے زادِ راہ
بھوکا ہے گر تو سیر ہو اے بندۂ الٰہ
بھاگا ہے گر کہیں سے تو یاں آ کے لے پناہ
عریاں ہے گر تو لے یہ مرا جامہ و کلاہ
اہلِ کرم ہیں لال جنابِ امیرؑ کے
مہمان چند روز ہو گھر میں فقیر کے

۸

حاضر رہوں گا میں تری خدمت میں روز و شب
مہماں کو دوست رکھتے ہیں یاں خاصگانِ رب
ہرگز کسی طرح کا نہ ہوگا تجھے تعب
دے گا حسینؐ تجھ کو زر و مال بے طلب
ہم آلِ مصطفےٰ ہیں یہ سب گھر رحیم ہے
مجھ سے زیادہ میرا برادر کریم ہے

۹

سن کر کلامِ بادشہِ آسماں سریر
بے اختیار رو کے پکارا کہ اے قدیر
کانپا مثالِ بید سراپا وہ مردِ پیر
تیرا کوئی عدیل نہ اس کا کوئی نظیر
تیرِ خدا وصیِ نبی لا کلام ہے
حقا کہ تو امام ہے ابنِ امام ہے

۱۰
حیدر سے بغض تھا مجھے اور آپ سے عناد
دل سے تمام ہو گئے باطنی فساد
مانند روح و جسم ہوا آج اتحاد
اب بخشیے خطا کو یہی ہے مری مراد
تعزیر دیجے تیغِ دو پیکر نکالیے
تقصیر وار ہوں میں زباں کاٹ ڈالیے

۱۱
چھائی نگاہ کے کہنے لگا وہ خدا کا نور
ایمان لایا تو مرے دل کو ہوا سرور
بیتاب کس لیے ہے ترا کچھ نہیں قصور
نزدیک تو بہشت سے ہے اور سقر سے دور
آلِ نبیؐ کی تجھ سے محبت زیاد ہو
تجھ سے حسنؑ خوشی ہے خدا تجھ سے شاد ہو

۱۲
کیا پرورش تھی بندے پر اس حلم کے نثار
مولا کا حلم و فیض ہے عالم پہ آشکار
ایسا گنہگار ہوا دم میں رستگار
ہے رحم بے حساب تو بخشش ہے بے شمار
پیدا ہوئے تھے یہ عوضِ خاک نور سے
رحمت سے دل بھرا تھا تنِ پاک نور سے

۱۳
ہمت کو نامِ پاک کی نسبت سے تھا شرف
پھرتے تھے کوچہائے مدینہ میں جس طرف
لعل و گہر سے بھر دئے تھے سائلوں کے کف
ہو جاتے تھے فقیر غنی دم میں صف بہ صف
انبارِ نان دوش پہ اپنے اٹھاتے تھے
بھوکوں کو جا کے راتوں کو کھانا کھلاتے تھے

۱۴
اخبارِ صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بدگماں
اسما تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
کہتے تھے لوگ اس کا بتا دیجئے نشاں
فرماتے تھے گریز نہیں ہے ممات سے
قطعِ حیات ہے شدنی اس کی بات سے

۱۵
آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
دردِ شکم سے رہتے تھے نالاں و بیقرار
شہد و رطب میں زہر دیا اس نے تین بار
سو سو طرح کے رنج تھے اور ایک جانِ زار
کیا بیکسی تھی راحتِ جانِ بتولؑ پر
جا جا کے لوٹتے تھے مزارِ رسولؐ پر

۱۶
مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام
یثرب میں اک مکاں تھا بنا کردۂ امام
گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
منظور ہو گیا شبِ رحلت وہیں مقام
رشکِ بہشت غیرتِ باغِ جناں ہوا
اس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

۱۷
وہ سبطِ مصطفےٰ کی شہادت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کی رحلت کی رات تھی
آفت کی رات تھی وہ مصیبت کی رات تھی
زہراؑ و مرتضیٰؑ پہ قیامت کی رات تھی
گذری قلق میں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہجرِ حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو

۱۸
بستر پہ جلوہ گر جو ہوا وہ فلک جناب
زیرِ زمیں تھا خاک بسر فرقِ آفتاب
تا نصفِ شب نہ چشم ہوئی آشنائے خواب
داغِ جگر دکھاتا تھا جھک جھک کے آفتاب
تارے زمیں پہ ٹوٹ کے پیہم گرا کئے
چشمِ فلک سے قطرۂ شبنم گرا کئے

۱۹

پڑھ کر نمازِ شب کو جو سوئے شہِ اُمم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد اَلم
اسما نے پھر ملا دیا پانی میں آ کے سم
بھینا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم
رقّت یہ تھی کہ اشکوں سے تر رو لئے پاک تھا
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک تھا

۲۰

نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار
پھرتے تھے میرے گرد علیؑ کو نہ تھا قرار
اے بیکس و غریب حسنؑ میں ترے نثار
اماں بلائیں لے لے کے کرتی تھیں مجھ کو پیار
پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے
رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے

۲۱

فرما کے یہ حسنؑ نے اُٹھایا زمیں سے جام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام
پایا درست اس کو جو تھا زہر کا مقام
دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام
یہ کہتے کہتے زرد رُخِ پاک ہو گیا
چلاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا

۲۲

دوڑیں جنابِ زینبؑ بے کس برہنہ پا
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا
دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰ
ہے ہے بہن نثار ہو بھیا یہ کیسا ہوا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا

۲۳

بولے امام آہ نہیں طاقتِ سخن
لپٹی گلے سے بھائی کے رو کر وہ خستہ تن
جس کی کوئی دوا نہیں وہ درد ہے بہن
یہ بیقرار تھے کہ سنبھلتے نہ تھے حسنؑ
در آیا تھا جو زہر جگر میں امامؑ کے
جھکتے تھے بار بار کلیجے کو تھام کے

۲۴

تکیے لگا دیئے تھے حرم نے اِدھر اُدھر
فرمایا طشت لاؤ ہوا زہر کارگر
بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے منہ میں ٹکڑے کلیجے کے آگئے ہیں
نانا بلا گئے تھے سو دنیا سے جاتے ہیں

۲۵

زینبؑ نے جلد لا کے رکھا سامنے لگن
آئی جو قے تو کانِ جواہر بنا دہن
ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سر در زمن
الماس کھا کے لعل اُگلنے لگے حسنؑ
رنگِ زمردی کا سبب سب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب بیاں ہوا

۲۶

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حالِ زار سناؤ حسینؑ کو
تھا دم بدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو
کہدو کہ جلد آیئے رحلت کا وقت ہے
سُن جایئے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے

۲۷

فضہ نے جا کے دی شہِ ذی جاہ کو خبر
دوڑے حسینؑ چاک گریباں برہنہ سر
دارِ فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر
دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہِ بحر و بر
گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

۲۸
دکھلا کے طشت بنتِ علیؑ نے کیا مقال
امید اب نہیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
قربان جاؤں دیکھو یہ ہے مجتبیٰؑ کا حال
فریاد ہے تباہ ہوئی مصطفیٰؐ کی آل
اک آن درد سے نہیں بھائی سنبھلتے ہیں
رہ رہ کے اب کلیجے کے ٹکڑے نکلتے ہیں

۲۹
بھائی کا حال دیکھ کے اٹھا جگر میں درد
تر تھا بدن پسینے میں اور ہاتھ پاؤں سرد
لوٹے زمیں پہ گر کے بھری گیسوؤں میں گرد
ان کا تو رنگ سبز تھا اور ان کا رنگ زرد
رعشہ تھا تن میں آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے
جھک جھک کے منہ کو بھائی کے تلووں سے ملتے تھے

۳۰
ہر دم لپٹ کے بھائی سے باچشمِ اشکبار
شبیرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار
چلاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار
میں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار
مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت کو روئیں گے

۳۱
بھیا تمہاری گود میں نکلے گا میرا دم
ہوگا تمہارے پاس نہ کوئی بجز الم
تم دو گے ہم کو غسل و کفن جب مریں گے ہم
قاتل سرہانے ہوئے گا یا خنجرِ ستم
شبرؑ تو بعد مرگ کے راحت سے سوئے گا
لاشہ تمہارا گھوڑوں سے پامال ہوئے گا

۳۲
مرتا ہوں یاں وطن میں پہ تم ہوگے بے وطن
پالوگے تم یتیموں کو میرے بصد محن
مرنے کے بعد بھی نہ ملے گا تمہیں کفن
بچے تمہارے ہوئیں گے وابستۂ رسن
جاویں گے اہلبیتِ نبیؐ شہرِ شام میں
سر ننگے ہوں گی بیبیاں بلوائے عام میں

۳۳
کوزہ اٹھا کے بولے حسینؑ فلک جناب
بھائی کو لیٹی دوڑ کے زینبؑ جگر کباب
دیکھوں تو پی کے میں کہ یہ کس طرح کا ہے آب
تھا ما حسنؑ نے دستِ برادر بصد شتاب
جلدی سے پی نہ لے یہ قلق تھا امام پر
اک ہاتھ تھا کلیجے پہ اک ہاتھ جام پر

۳۴
کوزے کو لے کے بھائی سے پھینکا بروئے خاک
رو کر کہا کرو گے اگر آپ کو ہلاک
اتنی زمین ہو گئی گرتے ہی چاک چاک
کیوں کر جلیں گے میرے یتیمانِ دردناک
تم آپ تیغِ ظلم کے زمانے سے جاؤ گے
دو دن کی پیاس خنجرِ کیں سے بجھاؤ گے

۳۵
عباسؑ کو بلا کے کہا اے وفا شعار
اور تم بھی ان کے نام پہ تھو جاں سے ہوشیار
چھٹپن سے تم کو کرتا ہے شبیرؑ دل سے پیار
حاجت تو کچھ نہیں ہے سفارش کی زینہار
تم شاہِ بیکساں کی رفاقت نہ چھوڑیو
بھائی کا اپنے دامنِ دولت نہ چھوڑیو

۳۶
وقتِ جہاد معرکہ آرائی کیجیو
لے کر علم کو فوج کی زیبائی کیجیو
بیماری نہ جان بھائی سے اے بھائی کیجیو
پیاسے ہوں اہلبیت تو سقائی کیجیو
اب ہم تو سوئے خلدِ بریں جانے والے ہیں
تم ان کے ساتھ ہو یہ تمہارے حوالے ہیں

۳۷

بندوں کی طرح قدموں پہ آقا کا سر رہے
زینب کی پردہ داری کی ہر دم خبر رہے
بھائی پہ تیر آئیں تو سینہ سپر رہے
شفقت کی اس بھتیجے پہ ہر دم نظر رہے
بیوہ کا لخت دل ہے نہ یہ دھیان کیجیو
قاسم کو پہلے بھائی پہ قربان کیجیو

۳۸

قاسم کو پیار کر کے کیا اس طرح کلام
ہیں برسر سفر شہ مظلوم صبح و شام
اس گھر کے تم چراغ ہو روشن ہے تم سے نام
کیجیو وہ کام جس میں رضا مند ہو امام
پیارے شہید تیغ جفا ہو کے آئیو
فردوس میں چچا پہ فدا ہو کے آئیو

۳۹

مجمل یہ تھا جو تم نے سنا آج میری جاں
لکھ کر کچھ اپنے ہاتھ سے با چشم خوں فشاں
ہو کچھ گے کربلا میں تو ہو جائے گا عیاں
بازو پہ اس کے باندھ کے پھر یہ کیا بیاں
اس کو سوائے وقت مصیبت نہ کھولیو
یہ حرز جاں ہے بے ضرورت نہ کھولیو

۴۰

تھا ایک شاہزادوں میں فرزند خورد سال
ہاتھوں کو اس کے چوم کے کرتے تھے یوں مقال
حاضر حضور شاہ میں تھا وہ بھی نونہال
اے آخری شہید خوشا تجھ پسر کا حال
نازک کلائیاں یہ تری دل سے بھائی ہیں
حوریں ابھی سے گود میں لینے کو آئی ہیں

۴۱

یہ کہتے کہتے غش ہوئے شاہ فلک جناب
حاضر تھی روح احمد و زہرا و بوتراب
غمگین تو تھے حسین ہوا اور اضطراب
وا تھے برنگ دیدۂ نرگس جناں کے باب
تشریف خلد کو شہ ذی جاہ لے گئے
جد و پدر جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

۴۲

ماتم کی اہل بیت رسالت میں تھی صدا
سادات کے محلے میں اک حشر تھا بپا
برپا تھا شور وا حسنا وا احمدا
بام فلک سے آتی تھی ہاتف کی یہ ندا
آل نبی سے سبط محمد جدا ہوئے
زہرا کے آج لعل و زمرد جدا ہوئے

۴۳

برپا تھا اہل بیت محمد میں شور و شین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسین
بہنیں پچھاڑیں خاک پہ کھاتی تھیں کر کے بین
اب اٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین
بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

۴۴

لاشے کے پاس مادر قاسم کا تھا یہ حال
چلاتی تھی یتیم ہوئے ہائے میرے لال
رخ زرد اور پھٹا تھا گریباں کھلے تھے بال
لونڈی نثار اے پسر شاہ ذوالجلال
مدت کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

۴۵

غسل و کفن امام کو جب دے چکے امام
جس دم اٹھا جنازۂ شہزادۂ انام
اور جمع ہو چکے در دولت پہ خاص و عام
کرتے تھے انبیائے سلف واں یہ اہتمام
تھے شیث و نوح چاک گریباں کئے ہوئے
الیاس و خضر جاتے تھے کاندھا دیے ہوئے

۴۶

عباسؑ و عونؑ و زیدؑ و محمدؑ تھے نوحہ گر
اور عقیلؑ پس جنازۂ آقائے خوش سیر
قاسمؑ کو تھامے جاتے تھے سلطان بحر و بر
ازواج و خادمات محل سب برہنہ سر
عریاں سروں پہ مریمؑ و حواؑ کے ہاتھ تھے
جبریلؑ پا برہنہ جنازے کے ساتھ تھے

۴۷

جس دم جنازۂ پسر شاہ لا فتا
پہ دشمنوں پہ مطلب شبیرؑ کھل گیا
پہونچا قریب مرقد پیغمبر خدا
یعنی قریب مرقد سلطان انبیاؐ
زینبؑ کنار شاہ رسل کے مزار ہو
منظور ہے کہ حق کو یہ مرکز قرار ہو

۴۸

از بس کہ نسل فاطمہؑ سے تھا انھیں عناد
محبوب حق کے روضے پہ آئے وہ بد نہاد
بس مستعد وہ ہو گئے سب بر سر فساد
بولے کہ پوری ہونے نہ دیویں گے یہ مراد
یہ گھر ہماری ملک کا ہے اور مال کا
حصہ نہیں ہے اس میں محمدؐ کی آل کا

۴۹

برہم ہوئے یہ سن کے امام فلک جناب
فرمایا دو گے حشر میں کیا حق کو تم جواب
تھرایا جسم غیظ سے آنکھیں ہوئیں پر آب
ہے کچھ بھی پاس احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
اوروں کی قبر ہائے نبیؐ کے قریب ہو
پہلوئے رسولؐ کا نہ حسنؑ کو نصیب ہو

۵۰

عباسؑ نامدار کو بھی آگیا جلال
قبضوں پہ ہاتھ رکھے تھے شیر خدا کے لال
اور بھائی بند ہو گئے آمادۂ جدال
کہتے تھے ہم سے لڑ سکیں کیا ان کی ہے مجال
ان باغیوں کے زور کو دم بھر میں توڑیں گے
ہمسایۂ رسولؐ خدا ہم نہ چھوڑیں گے

۵۱

اک اک کو روکتے تھے امام فلک سریر
کانپی زمین ہل گیا صدمے سے چرخ پیر
آنے لگے جنازے پہ جو اس طرف سے تیر
نکلی لحد سے فاطمہؑ جیب کفن کو چیر
تابوت پر نواسے کے بدعت جو ہوتی تھی
روح رسولؐ پاک جنازے کو روتی تھی

۵۲

تابوت پر جو آنے لگے تیر ناگہاں
آئی ندائے غیب کہ اے شاہ بیکساں
آمادۂ نبرد ہوئے شاہ انس و جاں
سر پیٹتی ہے فاطمہؑ زہرا بصد فغاں
جنبش میں اس الم سے محمدؐ کی قبر ہے
اے شیر حق کے لال یہ ہنگام صبر ہے

۵۳

واں دی کسی نے زینبؑ بے کس کو یہ خبر
تیغیں کھنچی ہیں غصے میں ہیں شاہ بحر و بر
چلتے ہیں تیر ظلم حسنؑ کے جنازے پر
اٹھ کر گئی وہ پیٹتے ہاتھوں سے اپنا سر
چلائی گھر سے مضطرب الحال جاتی ہوں
قبر نبیؐ پہ کھولے ہوئے بال جاتی ہوں

۵۴

زہراؑ کے گھر میں شور قیامت بپا ہوا
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان تھا پھٹا
ڈیوڑھی پہ آئی دختر حیدرؑ برہنہ پا
اک ایک سے یہ کہتی تھی آنسو بہا بہا
غصہ ہے آج فاطمہؑ کے نور عین کو
فتنہ کوئی جا کے سنبھالو حسینؑ کو

۵۵

زخمی کہیں نہ ہو پسر ضیغم اللہ
اک بھائی کو تو قتل کیا دشمنوں نے آہ
ہم بیکسوں کا اب وہی وارث وہی ہے شاہ
کچھ ان پہ بن گئی تو یہ گھر ہو گیا تباہ
اب تو حسنؑ سے تا بہ قیامت جدائی ہے
ہے ہے یہی جہاں میں مرا ایک بھائی ہے

۵۶

جا کر کہے جو کوئی کہ اے شاہ نامدار
بابا کا صبر یاد کرو تم پہ میں نثار
صدقہ نبیؐ کی روح کا کیجو نہ کارزار
ہے ہے نہ مجتبیٰؑ کا بناؤ وہاں مزار
آرام دو حبیب خدا کے حبیب کو
لیجا کے ماں کے پہلو میں گاڑو غریب کو

۵۷

رو کر بیاں یہ کرتی تھی یاں زینبؑ حزیں
پھر سپرد لحد ہوا پنہاں تہ زمیں
واں لے گئے بقیعہ میں تابوت شاہ دیں
رویا لپٹ کے قبر سے زہرؑا کا نازنیں
محشر بپا تھا نالہ و فریاد و آہ سے
ہفتاد تیر نکلے تھے تابوت شاہ سے

۵۸

بھائی کو دفن کر کے وہ شاہ فلک سریر
اُن کے بھی قتل کرنے کو در پے ہوئے شریر
روضے پہ مصطفٰیؐ کے ہوئے جا کے گوشہ گیر
آمادۂ سفر ہوا کونین کا امیر
راحت کا اس شریف کی نقشہ بگڑ گیا
آباد کربلا ہوئی یثرب اُجڑ گیا

۵۹

پہونچے جو دشتِ ماریہ میں چھوڑ کر وطن
بے آب و دانہ تھے حرم سید زمن
تھوڑے دنوں میں جا کے اُٹھائے بہت محن
مضطر شب دہم کو رہی شاہ کی بہن
بچپن سے اُنس تھا جو امام اُمم کے ساتھ
جاتی تھی جان آمد فوج ستم کے ساتھ

۶۰

حسرت سے دیکھتی تھی کبھی شاہ کا جمال
چادر گری تھی فرق سے بکھرے تھے سر کے بال
بانو کے رانڈ ہونے کا تھا دم بدم خیال
دل پر گرا تھا شاہ کے کوہ غم و ملال
یاد خدا میں سبطِ رسولؐ ہمام کو
تھا انتظار صبح شہِ تشنہ کام کو

۶۱

عاشورہ کی سحر کو قیامت ہوئی بپا
پیاسے رفیق ہو گئے جب شاہ پر فدا
جنگی دُہل بجانے لگے رن میں اشقیا
مرنے پہ مستعد ہوئے حضرت کے اقربا
مسلم کے دو یتیم جہاں سے گذر گئے
زینبؑ کے لعل برچھیاں کھا کھا کے مر گئے

۶۲

بابا حسنؑ کے لال نے مرنے کا جب محل
نیزے کے زخم نے جو دکھایا رخ اجل
جو کچھ دیا تھا باپ نے اس پر کیا عمل
ٹاپوں سے راہواروں کی لاشہ گیا کچل
بیجاں تڑپ تڑپ کے وہ گل پیرہن ہوا
تازہ دل حسینؑ پہ داغ حسنؑ ہوا

۶۳

جی چاہتا ہے حال زیادہ ہو کچھ رقم
کو نہیں انیسؔ جہاں میں یہ درد و غم
رُکتا ہے خوفِ طول سے اب توسنِ قلم
ہر اک کے دل پہ لگتے ہیں خنجر نشترِ الم
دو دو ملیں گے ساغرِ نہرِ لبن تجھے
ہے بے ریا ولائے حسینؑ و حسنؑ تجھے

رُباعی

پروا تیغِ زباں کو بجنے کی نہیں
حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دُربار ہے ابرِ طبع لیکن ہوں خموش
عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

رُباعی

ہموار ہے گر تو تجھے کچھ باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

رُباعی

بے جا نہیں مدحِ شہ میں غرّا میرا
بھرتی سے کلام ہے مبرّا میرا
مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا
مرجاتے ہیں سُن کے روزمرّا میرا

رُباعی

راہی طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
دُنیا سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یارب ترا نامِ پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

رُباعی

پُرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے
ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

رُباعی

انجام بخیر ابتدا بگڑی ہے
گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے
کشتی سے انیس ہم کنارے ہو جائیں
اُٹھا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

تقریظ

الحمد للہ الواحد الغفار والصلوٰۃ علےٰ رسولہ المختار والتحیات علیٰ اخیہ حیدر الکرار وعلے الباقی الائمۃ الاطہار
اما بعد ذاکرین مصائب جناب سید الشہداؑ و شائقین مجالس آل عبا کو واضح ہو کہ مدت دراز سے اکثر صاحبوں کو اشتیاق جمع کرنے مرثیہ ہائے جناب تقدس انتساب مرزا سلامت علی صاحب المتخلص بہ دبیر غفر لہ القدیر و جناب فیض مآب میر ببر علی صاحب المتخلص بہ انیس اعلی اللہ مقامہ بجوحۃ الفرادیس کا تھا اور باوجود تردد و تلاش ہر شخص کو خصوصاً باشندگان دیار و امصار کو عمدہ مرثیوں کا ملنا غیر ممکن تھا اور اسکی کہ یہ دونوں مرحوم و مغفور ہفت اقلیم میں علی الخصوص ہندوستان میں مثل ماہتاب و آفتاب کے تھے اور انکی ذات بابرکات سے بہت کچھ عروج عزاداری کا ہوا چنانچہ بہیں نظر کارپردازان مطبع فیض منبع اودھ اخبار نے سابق اس سے بکمال عرق ریزی مرثیہ ہائے مرزا صاحب مرحوم کو جمع کرا کر دو جلدوں میں طبع کرایا اور شائقین کے دامن مراد کو گلہائے تمنا سے بھرا اُس کے بعد یہ خیال ہوا کہ جس طرح سے ہو مرثیہ ہائے میر صاحب مغفور بھی بہم ہو کر طبع ہوں اور اس فیض سے بھی لوگ علی العموم محروم نہ رہیں اور یہ کلام باقیات الصالحات جناب مغفور کا تا روز قیامت رہے ہرچند فراہم ہونا کلیات کا اور تصور کرنا ان محالات کا من قبیل باد مشت گرفتن و مہتاب بگز پیمودن کے تھا اور فی الواقع کلام بلاغت نظام ان کا ایک بحر زخار اور قلزم ناپیدا کنار ہے کہ شناور وہم و خیال بھی عاجز از عبور ہے فصاحت سخن وہ کہ سحبان عرب اور حسان عجم معترف بہ عجز و قصور ہے اللہ ری طلاقت کہ زبان آوری کا سکہ بٹھایا ہے معاذ اللہ شاعری کو رتبہ پیغمبری پر پہونچایا ہے غرضکہ محاورہ روزمرہ اور زبان دانی میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا اس فن خاص کو انھیں سے بنیاد ہے فصاحت و بلاغت موروثی خانہ زاد ہے اللہم اغفر لہ وارحمہ واحشرہ مع من تولاہ من الائمۃ المعصومین واعلی اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین تاہم بہزار محنت و مشقت کارپردازان مطبع موصوف نے جناب مغفور کے مرثیوں کو سندی جگہوں سے عمدہ عمدہ اور صحیح جمع کیا اور بفضلہ تعالےٰ چاروں جلد مرثیوں کی معرض طبع میں آئیں اور جہاں تک ہوسکا ان مرثیوں کی صحت میں سعی بلیغ کی گئی اور یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ مبندسہ جفت پر تمام ہوں اور مبندسہ طاق سے شروع ہوں تاکہ ذاکر جب چاہے ہر مرثیہ کو علیحدہ علیحدہ کرلے اور مجلس میں تمام جلد لے جانے کی ضرورت نہ رہے اور جلد اول مطبوعہ اولیٰ میں جو مرثیہ سلسلہ احوال سے بے ترتیب تھے انکو بھی درست کردیا۔ شائقین بعد ملاحظہ نہایت خوش ہوں گے

خاتمۃ الطبع

الحمد للہ والمنہ کہ مرثیہ میر انیس جلد اول مصنفہ سخنور سحر بیان فارس مضمار سخن دانی موجد طرز شیوہ بیانی سرخیل ذاکران سرآمد مرثیہ گویان فخر المتقدمین شرف المتاخرین ناظم بے بدل استاد ضرب المثل طباع نفیس افصح الفصحا جناب میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی تغمدہ اللہ بغفرانہ و اغرقہ اللہ فی بحار افضالہ جو جملہ اصناف سخن پر قادر تھے فنون شاعری سے ہمہ تن ماہر تھے علی الخصوص مرثیہ گوئی میں تو ایسی ایسی جدتیں فرما گئے کہ گویا اس فن کو حد تک پہونچا گئے ان کی تصنیف لطیف مقبول و مطبوع خواص و عوام ہے اور شش جہت میں اس کی دھوم دھام ہے قیامت تک صفحۂ ہستی پر ان کا نام نامی روشن رہے گا اور حق تو یہ ہے کہ مرثیہ ان سے بہتر کوئی کیا لکھے گا ان کی تعریف جس قدر لکھئے مختصر ہے ان کی تصانیف کی حسن و خوبی دیکھنے پر موقوف و منحصر ہے المختصر یہ کہ جلد اول مطبع تیجکمار (پ) لمیٹڈ واقع لکھنؤ میں حسب حکم عالیجناب معلے القاب منشی تیج کمار صاحب بھارگو

مینجنگ ڈائرکٹر مطبع بحسن و خوبی و بہزاران خوش اسلوبی

بماہ فروری سنہ ۱۹۷۶ء بار نہم چھپکر

شائع ہوئی

تاریخ طبع سابق از مولانا محمد عابد علی خاں حامد شاہ آبادی مرحوم

اندریں مرثیہ ہا میر انیس مرحوم	ذکر قتل شہ مظلوم عجب کرد رقم
حامد خستہ دم طبع ز روے افسوس	کرد تاریخ رقم ہای چہار کہ غم
	۱۳۴۳ھ

قطعہ تاریخ طبع سابق از نتیجہ فکر شاعر خوش بیان عمدۃ الماہرین مولوی عماد الدین صاحب المتخلص بعماد

کیا انیس نے مظلوم شہ کا حال رقم	رہے گا حشر تلک جس کا خلق میں ماتم
یہ سال طبع سنہ عیسوی میں لکھ دو عماد	چھپا ہے دیدۂ نمناک یہ خزینۂ غم
	۱۹۳۶ء

ضروری اعلان
خدا کے فضل سے ہمارے کتب خانہ تجارتی میں جملہ علوم وفنون کی کتابیں
بزبان عربی، فارسی، اردو، ہندی وسنسکرت کافی تعداد میں ہمیشہ موجود
رہتی ہیں جن کی مفصل فہرست صرف اطلاع پانے پر روانہ کی جاتی ہے
کتابوں کی تصحیح کا اسقدر خیال کیا جاتا ہے کہ جو کتاب اسٹاک میں ختم
ہو جاتی ہے اور دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کتاب پہلے
صحیح کرائی جاتی ہے اور اس کی اصل اگر کسی دوسرے کتب خانہ میں
دستیاب ہو جاتی ہے تو اس اصل سے مقابلہ کرایا جاتا ہے اور باعتبار کاغذ
وچھپائی وسائز پہلی اصل سے بدرجہا اچھی حالت میں پیش کی جاتی ہے
باوجود گرانی کاغذ واسباب طباعت قیمت نہایت مناسب رکھی جاتی ہے
اس لیے التماس ہے کہ اگر آپ ہمارے قدیم خریدار ہیں تو آپ سے کسی
سفارش کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ کو اب تک ہمارے کتب خانہ سے
کسی کتاب کے طلب کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تو براہ مہربانی کوئی فرمائش
بھیج کر ہمارے کارخانہ کی صفائی معاملہ، کتب کی عمدگی اور قیمت
کی مناسبت کا اندازہ ضرور فرمائیں۔
المستمس
منیجر تیجکمار بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس نمبر ۵۴
ا۔ ترلوک ناتھ روڈ لکھنؤ ۰۰۱ ۲۲۶
فون نمبر: (۰۵۲۲) ۲۶۲۳۳۱۵